

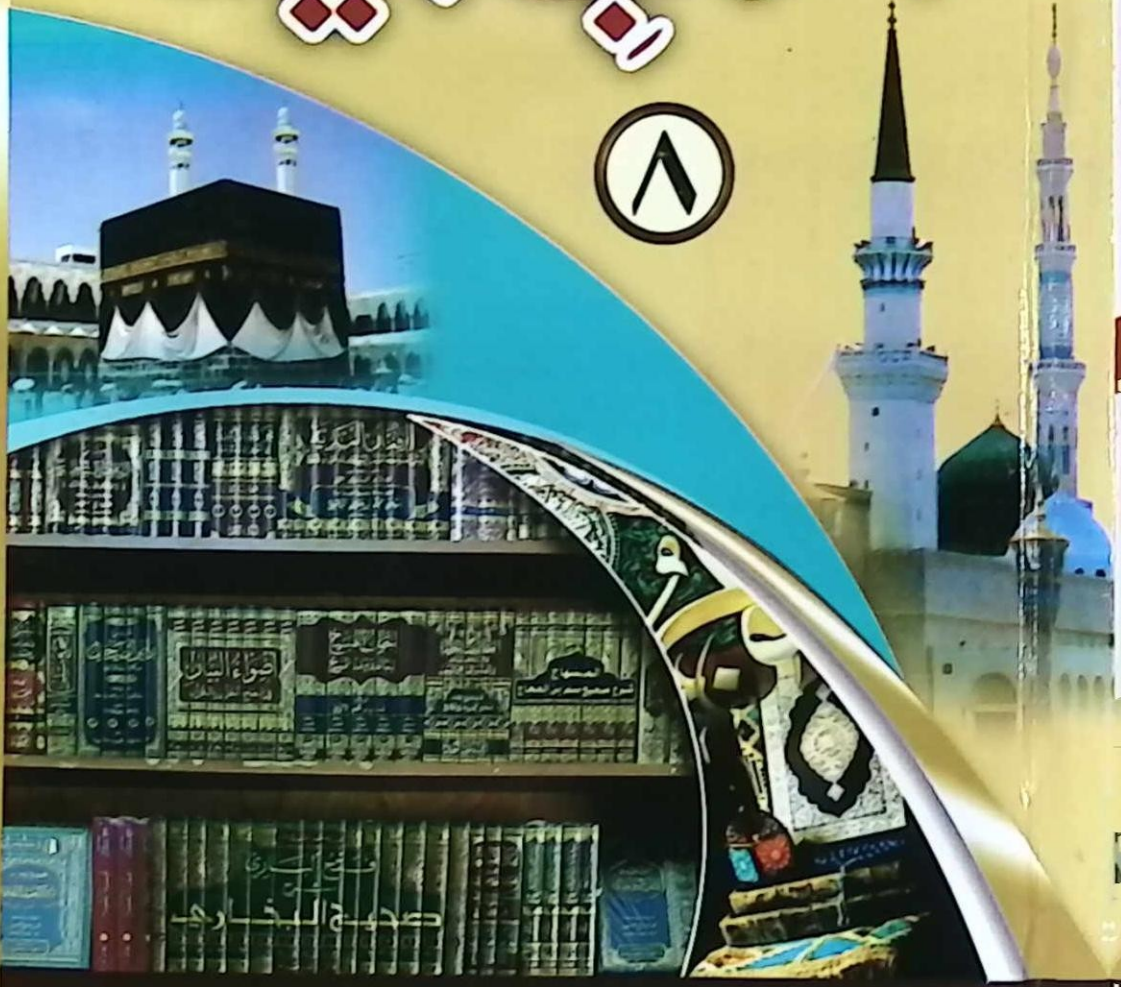
إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا

يا أيها الناس إني تركت فيكم ما أخذتم به
لن تضلوا: كتاب الله وعترتي أهل بيتي (ترمذی)

مجموعہ کتب

احتساب ناصبیت

۸



المکتبۃ السراجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (ترمذی)

مجموعۂ کتب

احتسابِ ناصبیت

۸

۳۵ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت

۳۶ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

۳۷ یزید کے بارے میں کھلا خط بنام مولانا ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی

۳۸ یزید کے بارے میں کھلا خط بنام مولانا محمد امین اورکزئی (جنگو)

۳۹ مسئلہ فسق یزید

۴۰ حب آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۴۱ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید

۴۲ مقام اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم

۴۳ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے شخصی فضائل و مناقب

مکتبہ مرجینۃ الکتب الاسلامیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب احتساب ناصبیت (جلد ہشتم)

مصنفین :

مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ	مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی رحمہ اللہ	جناب سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ
مولانا محمد یوسف لدھیانوی (ثوبہ)	جناب علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ
مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ	

صفحات : ۵۰۴

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : مئی ۲۰۲۶ء

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست.....مجموعہ کتب احتساب ناصبیت جلد ۸

۱	سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت	مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ	۳
۲	سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ	۱۷
۳	یزید کے بارے میں کھلا خط بنام مولانا ضیاء	// // //	۳۱
۴	یزید کے بارے میں خط بنام مولانا محمد امین	// // //	۴۹
۵	مسئلہ فسق یزید	مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی رحمہ اللہ	۶۷
۶	حب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم	جناب سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ	۱۱۷
۷	سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید	مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ	۱۲۷
۸	مقام اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم	جناب علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ	۳۹۳
۹	اہل بیت رضی اللہ عنہم کے شخصی فضائل ومناقب	مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ	۴۹۱

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت

افادات

مخدوم العلماء شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور کیمپس لودھراں

شاہ نفیس اکادمی، ۱۱/۲۷ سعدی پارک لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت

جامعہ سراج العلوم لودھراں کے طلباء عزیز نے ''سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت'' کے عنوان پر تقریری مقابلہ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ مطابق جنوری ۲۰۰۹ء میں رکھا۔ اس پر صدارتی بیان شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کا تھا۔

یہ بیان مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہم نے ''خطبات حکیم العصر'' کی جلد ۸ میں شائع کیا۔

اسی بیان کو بعد میں جناب محمد رضوان نفیس نے اس عنوان پر خوبصورت دل آویز پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ انہی کے حکم پر ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر پینتیس (۳۵) پر ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی إِلٰہِ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ. أَمَّا بَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰئِکَ أَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا. وَکُلًّا وَعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ. (سورۃ حدید آیت ۱۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَلَمِیْنَ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ إِلَیْہِ.

تمہید

آپ کے اجتماع میں اللہ نے شرکت کی توفیق دی یہ میرے لیے سعادت ہے۔ میں اس وقت دو چار باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں آپ توجہ فرمائیں۔

یہ سلسلہ جو آپ حضرات نے شروع کیا ہے الحمد للہ بہت مفید ہے نوجوان مقابلے میں آکر مطالعہ کرتے ہیں معلومات مہیا کرتے ہیں پھر ان کی ادائیگی تحریراً و تقریراً مقابلے میں آکر زیادہ اچھے انداز میں ہوتی ہے اس طرح سے مختلف موضوعات

پر نوجوانوں کا ذہن کھلتا بھی ہے اور آئندہ کام کرنے کے لیے تیار بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس جدوجہد کو قبول فرمائے اور مزید ترقی نصیب فرمائے۔ (آمین)

اس اجتماع میں جو عنوان متعین کیا گیا ہے وہ ہے ''حضرت علیؓ کی شخصیت'' اس پر بحث کرتے ہوئے مختصر الفاظ میں کہتا ہوں دو باتوں کو آپ پیش نظر رکھیں کیوں کہ یہ شخصیت ان شخصیات میں سے ہے کہ جن کے بارے میں لوگوں میں افراط وتفریط پایا جاتا ہے اور جہاں افراط وتفریط ہو وہاں نقطہ اعتدال کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے اور اپنے اکابر کی یہی شان ہے۔

علیؓ! تیرے اندر عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال موجود ہے:

مشکوٰۃ شریف میں مناقب میں حضرت علیؓ کی منقبت میں ایک روایت ہے خود حضرت علیؓ اس کے راوی ہیں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ تیرے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال موجود ہے یعنی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو قسم کے گروہ گمراہ ہوئے یہ اسی روایت میں ہے (مشکوٰۃ ص ۵۶۵) عیسائیوں نے تعریف کے انداز میں افراط کیا ہے اور درجے سے بڑھایا اور ان کی طرف ایسی صفات کی نسبت کی جس سے ان کو الوہیت کی طرف لے گئے بندگی سے نکال لیا یہ افراط ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں نے اختیار کیا قرآن کریم نے ان کا عقیدہ نقل کیا ہے:

''ثالث ثلثة'' ہو یا ''ان اللہ ھو المسیح بن مریم'' ہو

یہ بندوں کی حدوں کی حدود سے نکال کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کی حدود میں لے گئے۔ یہ تعریف میں افراط ہے۔ اور دوسرا گروہ گمراہ ہوا یہود کا جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہائی تفریط سے کام لیا۔ کوتاہی کی حتیٰ کہ ان کی پاک دامن اماں حضرت مریم علیہ السلام پر بھی تہمت لگائی نعوذ باللہ انکو بھی غلط کردار کی حامل قرار دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلط عمل کا نتیجہ قرار دیا۔

انہوں نے اتنی کوتاہی کی۔ تو دو گروہ گمراہ ہو گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے محب مفرط اور عدو مفرط۔ ایک کوتاہی کے انداز میں گمراہ ہوا اور ایک تعریف کے انداز میں گمراہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال موجود ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا دو گروہ میرے بارے میں ہلاک ہوں گے۔ ایک وہی محب مفرط کہ بعضے لوگ تو میری تعریف اس انداز میں کریں گے کہ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور بندوں کی حدود سے نکال کر الوہیت کی طرف لے گئے یہ بھی ویسے ہی گمراہ ہونگے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کرنے والے گمراہ ہوئے۔

اور ایک گروہ میرے بارے میں تفریط کا شکار ہوگا وہ میرے بارے اس قسم کی باتیں کریں گے ایسے بہتان لگائیں گے میرے اوپر جو میرے اندر موجود نہیں تو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو گروہ گمراہ ہوئے میرے بارے میں بھی دو گروہ گمراہ ہونگے۔ ایک میری تعریف کرنے والے میرے محب جو حد سے مجھے آگے بڑھائیں گے اور ایک میرے دشمن جو میری طرف ایسی باتیں منسوب کریں گے جو میرے اندر موجود نہیں ہیں اور وہ خوامخواہ میرے اوپر تہمت اور بہتان باندھیں گے۔ ان دو گروہوں کی نشان دہی خود حضرت علیؓ نے کی کہ میری وجہ سے یہ دو گروہ گمراہ ہونگے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت و کردار اہل سنت کی نظر میں:

اور حضرت علیؓ کے بارے میں ہمارے اکابر کا عقیدہ کیا ہے السابقون الأولون میں شامل ہیں من المهاجرين والانصار قرآن کریم نے جنہیں کہا اور سرور کائنات ﷺ کے گھر میں پرورش پائی نو سال کی عمر تھی جب ایمان لائے اور بچوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

☆..... بڑوں میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

☆..... عورتوں میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔

☆..... چھوٹی عمر کے ایمان لانے والوں میں سے حضرت علیؓ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پوری زندگی ساتھ رہے، ۲۳ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت رہی۔ مکہ میں جو مظالم باقی مومنوں نے برداشت کئے انہوں نے بھی برداشت کئے، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد ہر غزوہ میں شریک رہے کسی غزوے میں پیچھے نہیں رہے غزوات جتنے بھی ہوئے حضرت علیؓ ان میں شریک رہے جو ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ افضل الامت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اس کے بعد دوسرا نمبر حضرت عمرؓ تیسرا نمبر حضرت عثمانؓ اور چوتھے نمبر پر حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ راشد مہدی، حضرت عمرؓ بھی خلیفہ راشد مہدی، حضرت عثمانؓ خلیفہ راشد مہدی، حضرت علیؓ خلیفہ راشد مہدی، خلفاء راشدین ان چاروں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ خلافت راشدہ جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ضمیمہ سمجھی جاتی ہے اس کے گویا کہ یہ آخری خلیفہ ہیں اپنے اکابر کا حضرت علیؓ متعلق یہ عقیدہ ہے۔

حضرت علیؓ کو رب ماننے والے آگ میں جلے:

باقی ان کے متعلق دوسرا فریق ان کی زندگی میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ آپ میں سے جس نے مشکوٰۃ پڑھی ہے اس نے پڑھا ہوگا باب قتل المرتدین (ص ۳۰۷) میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک گروہ کو پکڑ کر زندہ جلا دیا تھا اور وہ گروہ کون تھا جن کو زندہ جلایا تھا اس حاشیہ میں ساری شرح لکھی ہے مشکوۃ شریف میں کہ وہ یہ تھے جو کہتے تھے کہ یہ علیؓ رب ہے اور اس کو ربوبیت والی شان حاصل ہے گویا کہ ان کو بندوں کی صفت سے نکال کر عیسائیوں کی طرح جیسے عیسائی اپنے پیغمبر کو حدود الوہیت میں لے گئے حضرت علیؓ کی تعریف کرنے والے بھی ان کو حدود الوہیت میں لے گئے۔

رب قرار دیا اور جب حضرت علیؓ کو پتہ چلا تو آپ نے انکو پکڑوایا اور پھر انکو

زندہ جلا دیا۔ مشکوۃ کے متن میں ہے کہ جب ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلا دیا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر میں موجود ہوتا تو میں ان کو زندہ نہ جلانے دیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار

(مشکوۃ ص ۳۰۷، ابوداؤد ۳۵۸/۲/۲۰۷)

ہاں البتہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو تو میں ان کو قتل کروا دیتا زندہ جلانے سے روکتا۔ (یہ حدیث بخاری ۱۰۲۳/۲ پر بھی ہے) اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ ان کے متعلق ایسے عقائد کی ابتداء ان کی زندگی میں ہو گئی تھی۔ لوگوں نے اس قسم کے پروپیگنڈے کرنے شروع کر دیئے تھے جن کو سزا خود حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھوں سے دی ہے تو ساتھ لطیفہ بھی لکھا، تاریخ میں بھی ہے کہ جو بچ بچا گئے تھے ادھر اُدھر بھاگ کر وہ کہنے لگے یہ تو ایک اور دلیل مل گئی کہ علیؓ رب ہیں علیؓ کے رب ہونے کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا رب النار کا کام ہے اور حضرت علیؓ نے جو آگ کے ساتھ عذاب دیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ علیؓ رب النار ہے انہوں نے الٹا اس کو اپنے فہم کے ساتھ اس طرح سے کر لیا۔

بہر حال یہ افراط والوں کی بات تھی اور تفریط کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے یہ بات تو ہمارے ملک کے اندر بھی بہت پھوٹی حضرت علیؓ کے متعلق ان پر تنقید وہ ایک مستقل باب ہے۔ شاید ہمارے یہ طلبہ جو کہ الحمد للہ حق علماء کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں وہ اس پہلو کو اپنے بیانات کے اندر نمایاں کریں گے۔

حضرت معاویہؓ کی عظمت:

اور تفریط کرنے والے جو لوگ ہیں حضرت علیؓ کے دور میں اختلاف جو ہوا اس کا زیادہ تر حصہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہے اور یا جو خارجی لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے ساتھ جھگڑا دونوں فریقوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی لڑائیاں ہوئی ہیں اور دونوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینا آپ نوجوانوں کا کام ہے جہاں تک حضرت معاویہؓ

کے متعلق ہمارا اور ہمارے اکابر کا نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ صحابی ہیں، سرور کائنات ﷺ کے کاتب وحی ہیں اور آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں حضرت معاویہؓ بھی ان سب مؤمنین کے ماموں لگے بہت اعلیٰ درجے کے صحابی ہیں سرور کائنات ﷺ نے ان کے لیے دعاء کی کہ یا اللہ ان کو ہادی اور مہدی بنا۔ (مشکوۃ ۵۷۹/۲ ترمذی (۲/۲۲۴)۔

حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دفعہ کہا کہ معاویہؓ جب تو حاکم بن جائے عدل کرنا، مجھے اس وقت خیال آیا کہ شاید اللہ کی طرف سے میرے لیے کوئی موقع ایسا آنے والا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور ان کو اقتدار ملا۔ کیسے ملا؟ تاریخی قصہ ہے اور لمبا ہے۔

ساری دنیا کے ابدال حضرت وحشیؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے

لیکن جب تقابل کریں گے آپ تقابل میں بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے ایک ایسا صحابیؓ جس نے رسول اللہ ﷺ کو صرف ایک مجلس میں ایک نظر دیکھا ہو جس کی مثال حضرت وحشیؓ بن حرب بھی وہ ہیں جو قاتل حمزہؓ ہی کی ہیں۔

حضرت حمزہؓ کا قاتل فتح مکہ کے موقعہ پر اس کا خون حلال کر دیا گیا تھا کہ کہیں بھی ہو اس کو پنا نہیں جہاں ملے اس کو قتل کر دو وہ بھاگ گیا تھا بھاگنے کے بعد وہ کسی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا اس کو معلوم تھا کہ حضور کی ایام قاصدوں کو قتل نہیں کرتے جب وہ سامنے آیا اور اس نے ایمان کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تھا کہ تو وہی ہے جس نے میرے چچا حمزہؓ کو قتل کیا تو انہوں نے جواب دیا تھا جی جیسے آپ نے سنا۔ یعنی جیسے آپ نے سنا ویسے ہی بات ہے میں ہی قاتل ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ایمان تو قبول فرما لیا لیکن ساتھ کہا کہ ہو سکے تو تو میرے سامنے نہ آیا کر اپنے چہرے کو مجھ سے چھپا کر رکھ بات وہی کہ جب تو سامنے آتا ہے تو چچا یاد آتا ہے اس کے اوپر جو ظلم ہوا تھا وہ سارے کا سارا یاد آتا ہے پھر وحشیؓ وہاں سے چلے گئے اور حضور ﷺ کی زندگی میں سامنے نہیں آئے۔

اتنا سا ہوا ہے کہ سامنے آئے ہیں ایمان لائے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو میرے سامنے نہ آیا کر یہ صحابی صحابہ کی جماعت میں سے ایک ایسا ہے جس کے بارے میں صراحت ہے کہ ان کو بہت تھوڑا وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ملا ہے بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کو دیکھا ہے اور ایمان لائے ہیں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق پوری دنیا کے اولیاء اللہ، غوث، قطب، ابدال اکھٹے کرلو وحشیؓ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت وحشیؓ کا درجہ سب سے اوپر ہے صحابی کی نسبت کا مقابلہ کسی دوسرے کے ساتھ کیا ہی نہیں جاسکتا تو جس نے تیس سال ساتھ گزارے ہیں اور دن رات ساتھ گزارے ہیں، بھائیوں کی طرح ہیں داماد ہیں بیٹوں کی جگہ ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ ان کی شان کتنی اونچی ہوگی اس لیے حضرت معاویہؓ کے ساتھ تقابل کرتے وقت حضرت معاویہؓ کی شان کتنی اونچی ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، غزوات میں شریک ہوئے سارے کے سارے کام ہوئے وہ تو بہت بڑے صحابہؓ میں شامل ہیں اس لیے اس تقابل میں اس بات میں احتیاط کرنی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی شان میں بھی کوئی بھی کسی قسم کا ایسا لفظ نہ نکلے جس کے ساتھ کوئی یہ کہہ سکے کہ ان کے دل میں حضرت معاویہؓ کی عزت نہیں ہے ان کے اختلافات بڑوں کے اختلاف ہیں ہمیں دونوں کا احترام کرتا ہے اور کسی کے متعلق آپ نے زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کرنی۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے افضل اور اولیٰ بالحق ہیں:

لیکن اس اختلاف میں ہمارا اور ہمارے اکابر کا قول صاف طور پر کتابوں میں مذکور ہے کہ ہم اس اجتہادی اختلاف میں حضرت علیؓ کو اولیٰ بالحق سمجھتے ہیں اور فضیلت کے اعتبار سے بھی حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کی برتری کے ہی قائل ہیں جیسے میں نے کہا ہم ساری امت میں سے ان چار کو فضیلت دیتے ہیں اور ان کے مقابلے میں کوئی دوسرا صحابی نہیں ہے تو حضرت علیؓ باقی سب صحابہ کے مقابلہ میں افضل ہیں۔ پہلے تین جو ہیں جیسے خلافت کی ترتیب ہے ویسے ہی ان کی فضیلت کی

ترتیب ہے اور اس ترتیب کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی سورۃ حدید میں یہ الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل فتح سے فتح مکہ مراد ہے۔ صحابہ شام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک وہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر مشرکوں سے لڑے بھی ہیں من قبل الفتح!

ایک وہ ہیں جو بعد الفتح مکہ کے فتح ہونے کے بعد جب مکہ فتح ہو گیا تو لا ھجرۃ بعد الفتح اعلان ہو گیا اس کے بعد مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ میں جانے والے کو مہاجر نہیں کہتے ہجرت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ بعد الفتح اور قبل الفتح دو جماعتیں بن گئیں۔ قرآن کہتا ہے لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل۔ جس نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور جو اللہ کے راستے میں فتح سے پہلے لڑا وہ اور جو من بعد الفتح خرچ کرنے اور لڑنے والے ہیں دونوں برابر نہیں۔ اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے، اللہ کے راستے میں لڑنے والے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے، اعظم درجۃً وہ درجے کے اعتبار سے اعظم ہیں من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ان کے مقابلے میں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور پھر انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا تو حضرت علیؓ من قبل الفتح کی فہرست میں سرفہرست ہیں اور حضرت معاویہؓ کا فتح مکہ کے موقع پر ایمان ظاہر ہوا اور بعد میں وہ جہاد میں بھی شریک ہوئے سارے کام کئے۔

لیکن من بعد الفتح میں شامل ہیں من قبل الفتح میں شامل نہیں ہیں تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہمیں صراحت سے بتاتے ہیں کہ قبل الفتح جو ایمان لائے تھے قتال میں آئے وہ سارے کے سارے مکہ کے مہاجرین اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ جانے کے بعد مدینہ منورہ کے انصار مکہ کے فتح ہونے سے پہلے پہلے:

☆..... جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے،

☆..... غزوہ احد میں شریک ہوئے،

☆..... غزوہ خندق میں شریک ہوئے،

☆..... حتی کہ غزوہ خیبر میں شریک ہوئے،

یہ سارے کے سارے چاہے وہ انصار ہیں چاہے وہ مہاجر ہیں وہ ان کے مقابلے میں افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستے میں خرچ بھی کیا اور اللہ کے راستے میں لڑے بھی۔ اس لفظ کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے جب بھی کوئی اس قسم کی تفصیل کی بات آئے تو من قبل الفتح و بعد الفتح کا فرق کرنا یہ بات قرآن کریم کی آیت صراحت کے ساتھ بتاتی ہے۔

حضرت علیؓ و معاویہؓ کے بارے میں راہ اعتدال:

باقی یہ ہے کہ عقیدہ رکھنا ہے قرآن وحدیث کے مطابق تاریخ سے وہ بات لینی ہے جو قرآن وحدیث کے ساتھ مطابقت رکھے اور ایسی بات آپ نے تاریخ سے نہیں لینی جو قرآن وحدیث سے مخالفت کرنے والی ہو۔ تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لیے تاریخ پڑھ پڑھ کر حضرت علیؓ پر تنقید کرنا یا ان کو بعد والوں کے مقابلے میں گھٹیا ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا اجتہادی خطا کار قرار دینا قرآن کریم کے یہ الفاظ اس بات سے منع کرتے ہیں بس ان دو باتوں کو یاد رکھنا ہے نہ تو ایسا افراط ہو جیسے کہ میں نے پہلے حدیث کی روشنی میں عرض کیا اور نہ ایسی تفریط ہو جس طرح سے یہ ناصبی قسم کے لوگ اور خارجی قسم کے لوگ اس زمانے میں تھے جو حضرت علیؓ کے مخالف ہوئے، حدیث شریف کے اندر بہت ساری روایتیں ہیں کہ:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ایسا ٹولہ ہوگا جو اختلاف امت کے وقت میں دونوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیگا وہ حضرت معاویہؓ ان کے بھی خلاف اور حضرت علیؓ ان کے بھی خلاف ہوگا ان لوگوں کے ساتھ جو لڑے گا عملاً وہ اولیٰ بالحق ہوگا صراحت ہے یہ حدیث میں اور یہ بالاتفاق بات ہے کہ یہ ٹولہ جس کو ہم خارجی کہتے ہیں

ان کے ساتھ لڑنے کی نوبت حضرت علیؓ کو آئی ہے حضرت معاویہؓ کو ان کے ساتھ لڑنے کی نوبت نہیں آئی لہذا حدیث میں یہ الفاظ ہیں جو اپنی زبان سے کہہ رہا ہوں کہ اولی بالحق حضرت علیؓ ہیں اس تقابل میں اولی بالحق حضرت علیؓ ہیں۔

یہ حدیث کے الفاظ ہیں کیونکہ تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ اگر ان کے ساتھ لڑائی ہوئی ہے تو حضرت علیؓ ہی کی ہوئی ہے۔

راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے لوگ:

بہر حال میں ان نوجوانوں کی خدمت میں اپنے الفاظ کے ساتھ یہی بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں افراط وتفریط کا شکار نہ ہونا۔ یہ عباسی مردود جو کراچی میں ہوا اس نے کتاب لکھی ''خلافت معاویہؓ اور یزید'' یا اس کے بعد ایک اور کتاب لکھی ''تحقیق مزید'' یا عظیم الدین کی کتابیں اس قسم کی جتنی بھی ہیں وہ غلط ذہن کی راہنمائی کرتی ہیں جو اس اختلاف کے اندر حضرت علیؓ کو مرجوح اور دوسری پارٹی کو راجح قرار دیتے ہیں یہ ہمارا مسلک نہیں ہم اس سارے اختلاف کے اندر حضرت علیؓ کو افضل قرار رہتے ہیں حضرت علیؓ خلیفہ راشد ہیں، مہدی ہیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں، بیٹیوں کی جگہ ہیں بہت فضیلتیں ان کو حاصل ہیں۔ اس لیے آپ نے یہ بحث کرتے ہوئے ان دو نقطوں کو لازماً سامنے رکھنا ہے کہ نہ تو تعریف ایسی کرنی ہے جو حدود سے متجاوز ہو اور نہ کوئی ایسا لفظ استعمال کرتا ہے جس سے حضرت علیؓ کی شان میں کوئی تنقیص لازم آتی ہو۔

لیکن ساتھ ساتھ حضرت معاویہؓ کے ادب کو بھی ملحوظ رکھنا ہے کہ اگر اختلاف میں کوئی ایسی بات ہے جو اجتہادی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مجتہد اجتہاد کے مطابق کوئی کام کرتا ہے یا بات کرتا ہے اگر درستگی کو پہنچ جائے تو دوہرا ثواب لیتا ہے درستگی کو نہ بھی پہنچے تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے مجتہد گناہگار نہیں ہوا کرتا۔

اس لیے حضرت معاویہؓ کی شان کو بھی ملحوظ رکھنا ہے اور کوئی ایسا لفظ جس سے

ان کی بے ادبی کا اشارہ بھی نکلتا ہو آپ سمجھیں کہ ایمان کو نقصان پہنچانے والی بات ہے۔ ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوئے قرآن وحدیث سے ہی عقیدہ اخذ کرتا ہے۔ تاریخ سے وہ بات لینی ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق چلے۔ ہمارا عقیدہ مسلسل اور متواتر چلا آرہا ہے اہل حق کی اس بات کو آپ نے ملحوظ رکھنا ہے۔

حضرت علیؓ کی شان بیان کریں اس طرح سے کہ اس میں نہ افراط ہو نہ تفریط ہو اور اس کے ساتھ ان اختلافات کو بیان کرتے ہوئے باقی صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا تذکرہ بھی ادب کے ساتھ کریں احترام کے ساتھ کریں اگر آپ مثال اس کی سمجھنا چاہیں تو یوں ہے کہ گھر میں رہتے ہوئے آپ کا باپ بھی ہے آپ کی ماں بھی ہے اگر ماں اور باپ گھر کے کسی مسئلہ میں آپس میں اختلاف کرلیں آپس میں چاہے وہ اس کو سخت بولے وہ اس کو سخت بولے بچے کا کام نہیں ہے کہ ماں کی حمایت میں باپ کو بے عزت کرے باپ کی حمایت میں ماں کو بے عزت کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کا ادب کرے بس اسی طرح سے ہم نے احترام دونوں کا کرنا ہے لیکن جب ترجیح کی بات آئے گی ہم کہیں گے کہ اس میں ترجیح حضرت علیؓ کو ہے ہم ان کو راجح قرار دیتے ہیں۔

میرا مسلک یہی ہے، میرے اکابر کا مسلک یہی ہے، کتابوں کے اندر صراحت اس بات کی ہے، اس لیے پاکستان میں یہ تحریک جو عباسی نے اٹھائی تھی ہم اس کو ناصبی تحریک سمجھتے ہیں اہل بیت کی وہ تنقیص کرتے ہیں اور حضرت علیؓ کی تنقیص کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے فریق کی تعریف ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں ہم اس مسلک کے نہیں۔

اس لیے دونوں نقطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے ساری کی ساری بات کرنی ہے افراط وتفریط نہ ہونے پائے دونوں کے اندر اپنے ایمان کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ اعتدال اختیار کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	سیدنا حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۰
۲	نسب مبارک	۲۰
۳	پیدائش	۲۱
۴	صحابیت	۲۲
۵	حلیہ مبارک	۲۲
۶	حضرت حسینؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں	۲۳
۷	جنت کی سرداری	۲۳
۸	صحابہ کرام کی نظر میں	۲۴
۹	امت کی نظر میں	۲۴
۱۰	حالات زندگی	۲۵
۱۱	شہادت	۲۷
۱۲	حالات وواقعات	۲۹
۱۳	حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کا موقف	۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

ہمارے مخدوم حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات ''تجلیات صفدر'' جو سات وقیع جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ'' کی ذات گرامی پر ایک مضمون تجلیات صفدر ج ۱ ص ۵۳۶ سے ص ۵۴۸ سے لے کر ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر چھتیس (۳۶) پر درج کر رہے ہیں۔

اس مضمون میں جہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی، ان کے فضائل، ان کے کارہائے نمایاں کا ذکر ہے۔ اس طرح یزید کے حالات و واقعات کو بھی موقع بہ موقع مندرج کر کے واقعات کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کر دیا گیا ہے۔ یہ کہ تمام بحث خالص علمی اور باحوالہ اور مدلل ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم - اما بعد!

برادران اہل سنت والجماعت! جس طرح ہمیں اس بات کا مکمل یقین ہے اور پختہ ایمان ہے کہ ہمارے پاک پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں اسی طرح ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی (باقی) سب انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات کے صحابہ کرام سے افضل ہیں۔ اسی طرح ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی (باقی) تمام انبیاء علیہم السلام کے اہل بیت سے زیادہ شان والے ہیں۔ قرآن پاک سے ازواج مطہرات کا اہل بیت سے ہونا بالکل واضح ہے اور حدیث شریف سے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرات حسنینؓ کا اہل بیت ہونا بھی ثابت ہے۔ یہ چند سطور سیدنا امام حسینؓ کے بارہ میں ہیں۔

نسب مبارک

سیدنا امام حسینؓ کا نسب اتنا اعلیٰ اور باعظمت ہے کہ ان کے حقیقی بہن بھائیوں کے سوا دنیا میں کسی کو بھی یہ برتری نصیب نہیں۔ آپ کے نانا مقصود کائنات، فخر موجودات سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ کی نانی پاک ام المومنین سیدہ خدیجہ طاہرہ کو اللہ تعالیٰ عرش سے سلام بھیجتے ہیں اور ان کے لئے جنت کے بہترین محل کی بشارت دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہؓ کے سر مبارک پر سیدۃ النساء اہل الجنۃ کا تاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجا رہے ہیں (بخاری، مسلم)۔ آپ کے والد ماجد حضرت علیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکمت کے گھر کا دروازہ فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے علیؓ! تمہارا تعلق مجھ سے ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے ساتھ، مگر مجھ پر نبوت ختم ہو چکی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور فرمایا کہ علی سے منافق

محبت نہیں کرتے اور مومن بغض نہیں رکھتے اور خود سیدنا حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں (یعنی میری اولاد ہیں) اور مجھے حسینؓ سے خصوصی تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندہ سے محبت فرماتے حسینؓ سے سچی محبت کرے اور فرمایا حسنؓ اور حسینؓ دونوں بھائی جنت ہیں جو کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

پیدائش

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ سیدنا حسینؓ کی پیدائش ماہ شعبان ۴ھ میں ہوئی اس حساب سے آپ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت چھ سال چھ ماہ اور بارہ دن کے تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے حضرت ام فضلؓ جو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی اہلیہ ہیں اور جو حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں، انہوں نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے ان کا دل بہت متاثر ہوا۔ لہٰذا خواب سے بیدار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں: حضرت آج میں نے بہت خوفناک خواب دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا خواب ہے؟ عرض کیا حضرت! میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے ایک ٹکڑا قطع کیا گیا اور وہ میری گود میں رکھ دیا گیا۔ خواب سناتے وقت ام فضلؓ کا چہرہ بہت مرجھایا ہوا تھا، لیکن خواب سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا۔ فرمایا ام فضلؓ! یہ تو بڑا مبارک خواب ہے۔ ان شاء اللہ فاطمہؓ کے ہاں لڑکا ہوگا جو تمہاری گود میں پرورش پائے گا۔ چنانچہ اس خواب کے بعد سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے ہاں سید الشہداء حضرت امام حسینؓ پیدا ہوئے۔ (مشکوۃ) رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

ولادت کے بعد حضرت حسینؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ غایت شفقت و محبت سے تحنیک فرمائی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک میں کھجور چبا کر حضرت حسینؓ کے تالو میں لگائی اور برکت کے لئے اپنا لعاب مبارک بھی ان کے منہ میں داخل فرمایا اور نام حسینؓ تجویز فرمایا۔ پیدائش کے

ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حضرت حسینؓ کے سر کے بال اتروائے اور ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی اور ختنہ اور عقیقہ بھی اسی دن کیا گیا۔

صحابیت

آپؓ کو صحابیت کا شرف بھی حاصل ہے، نہ صرف رویت سے بلکہ روایت سے بھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے اپنے نانا پاک یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کی ہے۔ اپنے والد ماجد اپنی والدہ ماجدہ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ سے احادیث روایت فرمائی ہیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵) ایک دو احادیث مبارکہ کا ترجمہ بطور تبرک لکھتا ہوں۔

(الف) ''آپؓ فرماتے ہیں کہ نانا پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو کسی مصیبت میں مبتلا کیا جائے، پھر اتفاق سے اس مصیبت کا خیال آجائے اور اس مصیبت کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے اس وقت وہ شخص انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ ویسا ہی اجر عطا فرمائیں گے جیسے پہلے اس مصیبت کے وقت عطا فرمایا تھا۔'' (ابن ماجہ ص ۱۱۶)

(ب) ''نیز آپ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کا کمال یہ ہے کہ مسلمان ان باتوں کو چھوڑ دے جو لایعنی اور بے فائدہ ہوں۔'' (الاستیعاب ج ۱، ص ۱۴۵)

دوسری طرف حکیم فیض عالم (معروف ناصبی) خطیب اہل حدیث کا عقیدہ بھی پڑھ لیں۔ کہتا ہے حضرات حسنینؓ کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحا سبائیت کی ترجمانی ہے یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔'' (سیدنا حسن بن علی ص ۲۳)

حلیہ مبارک

مثل مشہور ہے ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' سیدنا حسینؓ سیرت اور صورت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت حسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ نصف اعلیٰ میں سر مبارک سے لے کر سینہ مبارک تک بہت مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ

نصف اسفل میں سینہ مبارک سے قدم مبارک تک (آپ میں کے جسم مبارک کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت حسینؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "اے اللہ میں حسنؓ اور حسینؓ سے محبت کرتا ہوں، اے اللہ! آپ بھی ان دونوں کو اپنا محبوب بنا لیجئے اور ان لوگوں سے بھی محبت فرمایئے جو ان کے ساتھ سچی محبت رکھتے ہیں۔" (ترمذی)

حضرت ام فضل فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور آپ میں وہ رو رہے ہیں۔ میں نے حیرت سے پوچھا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ابھی جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ میرے امتی میرے اس پیارے بیٹے کو شہید کر دیں گے۔ میں نے تعجب سے حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ حسینؓ کے ساتھ ہی یہ معاملہ پیش آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں حسینؓ کے ساتھ ہی یہ معاملہ پیش آئے گا (بیہقی)۔ آہ! یہ بذریعہ وحی ملی ہوئی اطلاع پوری ہو کر رہی۔

جنت کی سرداری

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بڑھاپے کی حالت میں اس دنیا کو خیر باد کہنا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام اگلے اور پچھلے سن رسیدہ جنتیوں کے سردار حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ ہوں گے۔ (ترمذی) اور ان دونوں شہزادوں حضرات حسنینؓ کی شہادت عالم جوانی میں مقدر تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں بھائی جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی) حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محدثین نے فرمایا کہ جب حضرات شیخینؓ جنت کے سن رسیدہ لوگوں کے سردار ہوں گے تو بات واضح ہے کہ وہ نوجوانان جنت کے بھی سردار شمار ہوں گے۔ (مرقاۃ)

صحابہ کرام کی نظر میں

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت حسینؓ کی تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے اور خصوصی شفقت اور عنایت کا معاملہ فرماتے تھے۔ یہی طرز عمل ان کے ساتھ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کا تھا۔ (البدایہ ج ۸، ص ۳۶)

حضرت فاروق اعظمؓ نے جب صحابہ کرام کے وظیفوں کے لئے فہرست مرتب فرمائی تو حضرات حسنینؓ دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے برابر پانچ پانچ ہزار سالانہ مقرر فرمایا۔ ایک مرتبہ یمن سے کچھ حلّے حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حسب معمول ان کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا مگر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے بارہ میں فرمایا کہ یہ حلّے ان کے شایان شان نہیں اور یمن میں آرڈر بھیجا کہ دو خصوصی حلے تیار کر کے بھیجیں، پھر وہ خصوصی حلے منگوا کر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو عنایت فرمائے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حرم پاک میں خانہ کعبہ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے حضرت حسینؓ آتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت حسینؓ کے چہرہ انور کو دیکھ کر آپ نے والہانہ جذبے سے فرمایا کہ یہ حضرت حسینؓ روئے زمین کے تمام انسانوں میں سے آسمانی مخلوق یعنی فرشتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس حضرات حسنینؓ کی سواری کی رکاب پکڑ کر ساتھ چلنے کو خدا کا بہت بڑا انعام سمجھتے تھے۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۵۸)

سیدنا حسنؓ کی مصالحت کے بعد جب حکومت مستقل حضرت معاویہؓ کو حاصل ہو گئی تو جب کبھی حضرت حسینؓ اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ سیدنا معاویہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو حضرت معاویہؓ ان کا بہت اکرام فرماتے اور ان کی آمد پر "مرحبا واھلا" کے کلمات سے اظہار مسرت فرماتے اور دونوں حضرات پر بہت ہی نوازش فرماتے۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۵۰)

امت کی نظر میں

اہل حق اہل سنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے "حضرت حسینؓ بلاشبہ تمام مسلمانوں کے سردار ہیں اور

صحابہؓ کی مقدس جماعت میں داخل ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی کے فرزند ہونے کی سعادت رکھتے ہیں اور آپؓ بھی نہایت درجہ عابد زاہد بہادر اور سخی تھے"۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۵۱)

ہم پختہ یقین رکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے مبارک دور کے بعد کوئی کتنا بڑا عالم عابد زاہد ہو جائے لیکن کسی صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ سیدنا حسینؓ بھی شرف صحابیت اور شرف اہل بیت سے متصف ہیں۔ لیکن روافض کے ہاں آج بھی ہر شخص (معاذ اللہ) امام حسینؓ ہی نہیں بلکہ ان سے بڑھ کر درجہ پا سکتا ہے اور اس مقام پر پہنچنے کے لئے نہ قرآن پاک پر ایمان کی ضرورت ہے، نہ کثرت عبادت کی نہ سخاوت کی فراوانی کی نہ راہ خدا میں جسم و جان کی قربانی کی، بلکہ کہتے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ متعہ کیا وہ حضرت حسنؓ کا درجہ پا گیا اور جس نے دو دفعہ متعہ کیا وہ امام حسینؓ کا درجہ پا گیا۔ اور جس نے تین دفعہ متعہ کیا وہ حضرت علیؓ کا درجہ پا گیا اور جس نے چار دفعہ متعہ کیا وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ ہو گیا۔ (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵۶)

اس کے ساتھ فیض عالم خطیب اہل حدیث جہلم کی تحقیق بھی پڑھ لیں۔ کہتا ہے "حقیقت یہ ہے کہ آپ (حضرت حسینؓ) برسام کے مریض تھے اور اس مرض کے مریض اول تو مر جاتے ہیں، ورنہ پاگل ہو جاتے ہیں اور اگر بچ بھی نکلیں تو ان کی زبان لکنت آمیز ہو جاتی ہے اور ذہن کما حقہ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔" (خلافت راشدہ ص ۱۳۹)

نیز لکھتا ہے سیدنا حسن کی موت کے متعلق میں اپنی تالیفات عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حسنؓ بن علیؓ میں دلائل سے ثابت کر چکا ہوں کہ کثرت جماع، ذیابیطس اور تپ محرقہ سے ہوئی۔ آپ کہاں شہید ہوئے تھے، آپ کو کس نے شہید کیا تھا۔ (خلافت راشدہ ص ۱۱۵)

حالات زندگی

سیدنا حسینؓ جناب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق کے ساتھ روحانی تعلق بھی نہایت درجہ کامل رکھتے تھے۔ آپ بڑے عابد زاہد، شب زندہ دار ہونے کے ساتھ بہت بڑے مجاہد بھی تھے۔ کیوں نہ ہو آخر شیر کا بیٹا شیر ہی ہوتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں آپ کے کن کن کمالات کا ذکر کروں۔

گل حسن تو بسیار اند و دامن نگاہ تنگ

آپ کے چند اشعار کا ترجمہ عرض کرتا ہوں جس سے آپ کے قلبی جذبات اور علو ہمت کا ایک اجمالی نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ فرماتے ہیں اگر یہ بات صحیح ہے کہ دنیا کی نعمتیں ایک نفیس چیز شمار ہوتی ہیں تو دار آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ بہت اعلیٰ اور بہتر ہے اور چونکہ یہ تمام بدن انسانوں کے فنا کے لئے ہی بنائے گئے ہیں، لہٰذا انسان کا اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے فنا ہو جانا سب سے بہتر ہے، اور چونکہ تمام روزیاں اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دی ہیں لہٰذا انسان کو روزی کمانے میں مختصری کوشش کرنا ہی بہت مناسب ہے اور چونکہ سارے اموال جو جمع کرتا ہے آخر کار ان کو ایک دن چھوڑنا ہی ہے، پھر تعجب کی بات ہے کہ جو چیز چھوڑنی ہے اس میں انسان کیوں بخل کرتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ کا زمانہ تو حضرت حسینؓ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ دور فاروقی میں آپ کی عسکری قابلیت کی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے اہل بدر کے برابر آپ کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ دور عثمانیؓ میں ۲۶ھ میں سیدنا حسینؓ نے لشکر اسلام میں شریک ہو کر طرابلس کی فتح میں کارہائے نمایاں دکھائے۔ اس کے بعد افریقہ کی فتح میں بھی آپ برابر شریک رہے۔ (ابن اثیر)

۳۰ھ میں حضرت سعید بن العاصؓ کے ساتھ مل کر طبرستان کو فتح فرمایا۔ بڑے خونریز معرکہ کے بعد جرجان فتح ہوا۔ ۳۴ھ میں باغیوں نے شہید مظلوم سیدنا عثمان ذی النورینؓ کا گھیراؤ کیا تو آپ کے محافظ دستہ میں اس شیر دل شہزادے نے بھی اپنی خدمات وقف فرما دیں۔ سیدنا عثمانؓ نے سختی سے اپنے محافظ دستہ کو پہل کرنے سے منع فرما رکھا تھا اس لئے آپؓ کی شہادت کا سانحہ ہائلہ پیش آگیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خلیفہ مظلوم کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار نے سیدنا علیؓ کو مجبور فرمایا کہ آپ خلافت قبول فرمائیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اجتمع علی بیعتہ المھاجرون والانصار (استیعاب)

- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ حضرت علی کے ساتھ تمام لڑائیوں

میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی شریک تھے۔ حضرت حسینؓ نہایت درجہ باعظمت اور باوقار تھے اور ہمیشہ اپنے والد بزرگوار کی فرمانبرداری کرتے رہے۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۵۰)

شہادت

جب یزید بادشاہ بن بیٹھا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف ہوا۔ مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں: "لما حدث فی یزید ما حدث من الفسق اختلفت الصحابہ حینئذ فی شانہ" - یعنی جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا اس وقت صحابہؓ میں اس کے بارے میں اختلاف رائے ہوا۔ یاد رہے اختلاف اس میں نہیں ہوا کہ یزید فاسق ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کا فسق اب محتاج بحث مسئلہ نہ تھا۔ اختلاف اس میں تھا کہ اس فاسق کے بارہ میں کیا طریق کار اختیار کیا جائے؟ پس صحابہ کی ایک جماعت یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ سے بیعت توڑنے کی قائل تھی، جن کے سربراہ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ اور صحابہؓ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔

اس لئے نہیں کہ ان کو یزید کے فاسق ہونے میں شک تھا، بلکہ اس لئے خروج سے منکر تھی کہ اس سے فتنہ اٹھے گا اور قتل و قتال ہوگا۔ پھر حالات بھی ایسے نہیں کہ یہ دعوت پوری ہو۔ صحابہ کرامؓ کی اس جماعت نے اسی فتنہ و فساد کے خوف سے یزید کے خلاف خروج سے احتراز کیا اور یہ صحابہ کرامؓ یزید کی ہدایت اور اس سے مسلمانوں کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ان صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے حضرت حسینؓ کو بھی مشورہ دیا کہ آپ خروج نہ فرمائیں۔ مگر یہ کہہ کر نہیں کہ یزید فاسق نہیں، بلکہ یہ کہہ کر کہ جن اہل کوفہ پر آپ بھروسہ کر رہے ہیں وہ منافق ہیں۔ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں: "یہ سب حضرات (دونوں فریق) مجتہد تھے۔ ان میں کسی پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب حضرات کا نصب العین صرف نیکی اور حق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اقتداء کی ہمیں توفیق عطاء فرمائیں۔"

سیدنا امام حسینؓ کے اس خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا اور ان کی تحریک کی بنیاد خلافت عادلہ کا قیام تھا۔ وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی تعصب کی بناء پر مدعی خلافت نہ تھے۔ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسلمانوں میں فتنہ فساد سے بہت ڈرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ محدث لکھتے ہیں: ''اصحاب بدر میں سے کچھ صحابہ شہادت عثمانؓ کے بعد اپنے گھروں میں ایسے بیٹھے کہ پھر وہ اپنی قبروں کی طرف ہی گھروں سے نکلے۔'' (البدایہ ج ۷، ص ۲۵۴)

خود عباسی بھی اتمام الوفا کے حوالہ سے لکھتا ہے: ''اس زمانہ میں صحابہؓ کی کثیر تعداد حجاز، شام، بصرہ کوفہ، مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی بھی یزید کے خلاف نہ خود کھڑا ہوا نہ حسینؓ کے ساتھ اور نہ انہوں نے یزید کے ساتھ ہو کر قتال کیا بلکہ اس فتنہ سے الگ تھلگ رہے۔'' (تحقیق مزید ص ۲)

صاف معلوم ہوا کہ جو صحابہؓ یزید سے نہیں لڑے وہ بھی یزید کو فتنہ ہی سمجھتے تھے۔ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ کسی ایک صحابی نے بھی سیدنا حسینؓ کو اس خروج میں گناہ گار قرار نہ دیا۔ (ص ۱۸۰)

مورخ ابن خلدون یہ بھی لکھتے ہیں کہ سیدنا حسینؓ اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔ ان میں یہ اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی۔ (ص ۱۸۱) نیز فرماتے ہیں کہ دوسرے صحابہ کرامؓ شیعان کوفہ کو منافق جانتے تھے، اس لئے ان کو ذی شوکت نہیں مانتے تھے۔ امام حسینؓ ان کو قوت سمجھتے تھے۔ اس بارہ میں دوسرے صحابہ کرام کا اندازہ صحیح نکلا اور سیدنا حسینؓ کا اندازہ صحیح نہ نکلا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ ایک دنیوی امر میں اندازہ کی غلطی تھی جس سے دین میں کوئی نقصان نہیں۔ (ص ۱۸۱) اور یہ طے شدہ بات ہے کہ مجتہد اگر معصوم نہیں ہوتا تو مطعون بھی نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں ماجور ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ سے یزید کا قتال اس کی ان حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق کو اور پختہ کر دیتی ہے۔ ہاں حضرت حسینؓ شہید تھے اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہوئے۔ وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل۔ (ص ۱۸۰)

حالات وواقعات

یزید جب بادشاہ بنا تو اس نے پہلا اعلان یہ کیا کہ حضرت معاویہؓ مسلمانوں کو بحری جہاد پر بھیجتے تھے۔ میں کسی مسلمان کو بحری جہاد پر نہ بھیجوں گا۔ اور حضرت معاویہؓ تمہیں روم (کے کافروں) سے جہاد کے لئے بھیجتے تھے، میں تمہیں بالکل نہیں بھیجوں گا اور حضرت معاویہؓ تمہیں وظیفہ تین قسطوں میں دیتے تھے میں یک مشت دوں گا۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۴۶)

یعنی اب کافروں سے جہاد بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد پہلا خط اس نے گورنر مدینہ کو یہ لکھا: خذ حسینا و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذا شدیدًا لیست فیہ رخصۃ حتی یبایعوا والسلام - یعنی فوری طور پر حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرلو اور گرفتار کر کے شدید سختی کرو۔ ذرہ بھر رعایت نہ کرو جب تک بیعت نہ کرلیں۔ (البدایہ ج ۸، ص ۱۴۹)

کتنے ظلم کی بات ہے کہ یزید نے کافروں سے جہاد ختم کر دیا۔ اس کے چار سالہ بادشاہی کے دور میں اس کی فوج کے ہاتھوں کسی کافر کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ مگر اہل بیت رسول کو خاک وخون میں تڑپایا گیا۔ اہل مدینہ پر حملہ کیا اور تین دن تک حرم مدینہ کو لوٹ مار اور قتل وغارت کے لئے حلال قرار دیا گیا۔ حرم مکہ بھی اس حملہ سے محفوظ نہ رہا۔ اس کی بادشاہی میں یہودی اور ہر قسم کے کافر بھی بستے تھے، مگر پورے چار سالہ دور میں کسی ایک کافر کی گرفتاری کا اتنا سخت آرڈر نہیں دیا گیا جس قدر سخت آرڈر نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول کی گرفتاری کا دیا گیا۔ اس کی پوری بادشاہی میں کافروں کو امن تھا مگر نوجوانان جنت کے سردار کے لئے کوئی امن نہیں تھا۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ گرفتاری سے بچنے کے لئے مدینہ منورہ سے حرم مکہ میں پناہ گزین ہوئے، مگر یزید کے گماشتوں نے وہاں بھی آپ کا رہنا دوبھر کر دیا تو آپ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دوران سفر خواب میں آپ کو شہادت کی بشارت دے دی گئی۔ چنانچہ آپ دس محرم کو یزید کی ظالم فوج کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ آخر دم تک

صبر وسکون پر قائم رہے۔ شیعہ کی کتاب (انارۃ البصائر ص ۲۹۷) پر ہے کہ جناب سید الشہداء نے اپنی شہادت سے قبل اپنی ہمشیرہ سیدہ زینب کو فرمایا اے میری بہن جو میرا حق تم پر ہے اس کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت و مفارقت پر صبر کرو۔ پس میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا۔ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کے وصال کی مصیبت پر صبر فرمایا تھا اسی طرح تم بھی میری موت پر صبر کرنا۔ سیدہ زینبؓ نے اپنے بھائی کی نصیحت پر عمل فرمایا۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کا موقف

اپنے پیر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر کہ بد گفت خواجہ ما را ہست او بیگماں یزید پلید

(سوانح الالہام ص ۱۰۳، جدید ایڈیشن ص ۹۲)

ایک عدالتی بیان میں آپ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ (مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷)

ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سے کہا سید کوئی بھی ہو، اندر سے آدھا شیعہ ہوتا ہے۔ شاہ جی نے قہقہہ لگایا۔ پھر فرمایا مگر تمہیں یہ معلوم نہیں کہ جو سید ہوتے ہوئے اندر سے سادات کا دشمن ہو وہ پورا یزید ہوتا ہے۔

(ہمارے دور کے چند علمائے حق، ص ۱۸۴ از سید محمد امین گیلانی)

ایک تقریر میں ارشاد فرمایا: حسینؓ جو لوائے حق کو اونچا کر رہا تھا اس کے ساتھ گھر کے بہترین نفوس تھے، جن میں چھ برس کے بالے بھی تھے۔ حسینؓ نے کہا میں اپنے نانا کی گدی پر اس شخص کو دیکھنا نہیں چاہتا جو اس گدی کی بے حرمتی کا باعث ہو ..... نیز فرمایا..... اسلامی تاریخ کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہمیں بتاتا ہے کہ اصل چیز حق ہے جو اقلیت میں رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے اور باطل اکثریت کی ہمنوائی کے باوجود بھی باطل ہی کہلاتا ہے۔ (نوادرات امیر شریعت ص ۶۲۔۶۱ سید منظور احمد شاہ حجازی)

(تجلیات صفدر ج ۱ ص ۵۳۶ تا ۵۶۲)

یزید کے بارے میں

کھلا خط

بنام

مولانا ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	یزید کے بارہ میں ایک کھلا خط (ادارہ)	۳۳
۲	کھلا خط بنام مولوی ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی	۳۴
۳	دربارہ یزید	۳۴
۴	یزید کے ہاتھ میں ہاتھ	۳۸
۵	ایک اعجوبہ	۴۱
۶	یزید کا پہلا حکم	۴۱
۷	دوسرا حکم	۴۱
۸	دارالامارت میں	۴۲
۹	مکہ مکرمہ میں	۴۳
۱۰	یزید کا خط	۴۳
۱۱	یزید کا اشارہ	۴۴
۱۲	یزید کا رونا	۴۴
۱۳	امام زین العابدینؒ سے گفتگو	۴۴
۱۴	حضرت فاطمہؓ وسکینہؓ	۴۵
۱۵	پہلی روایت	۴۵
۱۶	دوسری روایت	۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید کے بارے میں کھلا خط

بنام: مولانا ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی

''تجلیات صفدر'' میں سے رفقاء نے دو خطوط کا انتخاب کیا۔ ایک مولانا محمد امین ہنکو اور دوسرا مولانا مولانا ضیاء الرحمٰن صدیقی کے نام ہے۔ دونوں یزید، بے نصیب، بے دولت، پلید سے متعلق ہیں، جسے ہم ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر سینتیس (۳۷) پر شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ اس عنوان پر ''تجلیات صفدر'' میں اور ایک اور خط بھی ہے، اس پر ہمارے حلقہ میں بہت بحث ہوئی۔

اس پر فتاویٰ جات منگوائے گئے۔ آخری فتویٰ دارالعلوم دیوبند سے آجانے کے بعد وہ بحث دم توڑ گئی۔ اس کی پوری تفصیلات ہمارے مخدوم حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہم نے ''الدر الثمین'' میں قلمبند کی ہیں۔ وہ اسی مجموعہ میں شامل ہے۔ اس لئے اس خط نمبر ۳ کے شائع کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ (ادارہ)

کھلا خط بنام مولوی ضیاء الرحمٰن صدیقی ہزاروی

درباره یزید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزم مولوی ضیاء الرحمن صدیقی ہزا روی سلمہ اللہ تعالی شریک دورہ حدیث جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۴۱۵ھ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محبت نامہ ملا۔ آپ نے چند باتیں پوچھی ہیں:

۱..... کہ میں نے یزید کے بارہ میں جو خط لکھا ہے اس میں مدار کار شیعہ کی کتابوں پر رکھا ہے۔ یہ بات اگر کسی نے جہالت سے کہی ہے تو اس کو توبہ کرنی چاہئے اور اگر شرارت سے کہی ہے تو ایسا شخص ضال اور مضل ہے۔ اس سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا واجب ہے۔ میں نے مسئلہ کا مدار اکابر اہل سنت والجماعت کی کتابوں پر رکھا ہے۔

۲..... یہ کہ میری پیش کردہ روایات کے اکثر راوی شیعہ ہیں، اس لئے قابل اعتبار نہیں۔ یہ بات بھی صحیح نہیں، اور ایک اہم بات کا یہاں خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر فن کی کتابوں میں بعض الفاظ اصطلاحی ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کا معنی ان اہل فن کے مطابق لینا چاہئے نہ کہ جو آپ کے خیال میں آجائے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں شیعہ کا لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل جانتے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو حضرت علی سے افضل اور خلیفہ برحق مانے۔ سب صحابہؓ کو مانے۔ ہاں اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے بھی افضل کہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق چھیننے والا کہے تو اس کو اسماء الرجال والے رافضی یا رافضی خبیث کہتے ہیں۔ آجکل ہمارے عرف میں شیعہ رافضی کو کہتے ہیں، لیکن اسماء الرجال میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل کہے وہ شیعہ

عثمانی" یا عثمانی" اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اسے علوی یا شیعہ علی" کہتے تھے۔ صحیح بخاری ص ۴۳۳، ج ۱، پر اسی معنی میں عثمانی اور علوی کا لفظ ملتا ہے۔ بخاری شریف کے کئی راوی اس معنی میں شیعہ ہیں اور صحیح مسلم کے بارہ میں تو بعض نے یہاں تک فرمایا ہے کہ کتاب مسلم ملان من الشیعۃ

۳..... ایک اور فرق: قرآن پاک کے ایک لفظ کا ثبوت جس تواتر سے ہے سنت کا اس طرح نہیں۔ پھر احکام کی احادیث کی صحت کے لئے جو شرائط ہیں فضائل کے لئے نہیں اور تاریخ کے لئے تو سرے سے عدالت بھی شرط نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج۔ تو جب تاریخ کے واقعات کی روایات کفار تک سے لی جاتی ہیں تو یہاں یہ بحث چھیڑنا کس قدر غلط ہے۔ ہاں اصولی طور پر تاریخی باتیں تین قسم کی ہوں گی:

(۱) جن کو ہمارے عقائد کے موافق پا کر ہمارے اکابر نے قبول فرمالیا وہ مقبول ہیں۔ (۲) جن کو عقائد اہل سنت سے متصادم پا کر اکابر نے رد کر دیا وہ مردود ہیں۔ (۳) جن کا ہمارے عقائد وغیرہ سے نہ تصادم ہے نہ تعاون وہ بحیثیت تاریخ کے اکابر نے قبول کر لیں تو ان کو لے لیا جائے گا۔ بہر حال ان کے رد و قبول کا کام اکابر کر چکے ہیں۔ ہمیں کسی نئی پریشانی کی ضرورت نہیں رہی۔

۴..... آپ نے ابو مخنف کے بارہ میں لسان المیزان کی عبارت نقل فرمائی ہے۔ یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں جو جرح کی جاتی ہے وہ یہ بتانے کے لئے کہ یہ احکام حلال و حرام کے بارہ میں احادیث روایت کرنے کے قابل نہیں، اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور فن میں بھی قابل اعتماد نہیں۔ دیکھئے قاری حفص رحمہ اللہ کو محدثین نے ضعیف بلکہ کذاب تک لکھ دیا ہے، مگر اس سے ان کی قراءت پر قرآن پاک کی تلاوت تو ناجائز نہیں ہوئی۔ امام غزالی ابو طالب مکی اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہم اللہ کو نقل احادیث میں میزان

الاعتدال میں نا قابل اعتماد قرار دیا ہے مگر تصوف کے تو وہ امام ہیں۔ اس میں ان سے استفادہ منع نہیں ہے۔ کتنے فقہاء کرام کو نقل حدیث میں اسماء الرجال والوں نے نا قابل اعتماد قرار دیا ہے، مگر مسائل فقہ میں آج تک ان کا فتویٰ چلتا ہے۔ محمد بن اسحاق کو احادیث حلال حرام کی روایت میں کذاب دجال تک کہا گیا ہے، لیکن تاریخ اور مغازی کے وہ امام ہیں۔ بالکل یہی حال ابو مخنف کا ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابو مخنف لوط بن یحیی وقد کان شیعیا وھو صنیف الحدیث عند الائمۃ ولکنہ اخباری حافظ عندہ من ھذہ الاشیاء مالیس عند غیرہ ولھذا یترامی علیہ کثیر من المصنفین فی ھذا الشان ممن بعدہ واللہ اعلم (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۰۴)

ہم بھی اسے محدث یا مفتی نہیں مانتے مورخ مانتے ہیں۔

۵..... زندہ قومیں اپنی تاریخ کا انکار نہیں کیا کرتیں۔ یہ منکرین کی ایک گہری سازش ہے۔ انہوں نے پہلے براہ راست سنت کا انکار کرانا چاہا لیکن جمہور اہل اسلام ان کے قبضہ میں نہ آئے، اس لئے انہوں نے ایک قدم پیچھے ہٹا لیا کہ پہلے تاریخ کا انکار کراؤ کیونکہ احادیث کی صحت وضعف کی پرکھ احوال رواۃ پر مبنی ہے جو تاریخ ہے۔ تاریخ کے انکار سے احادیث کا انکار خود بخود ہو جائے گا، پھر قرآن پاک کی من مانی تشریحات کا ہر ملحد اور بے دین کو حق مل جائے گا۔ تاریخ کا انکار کرانے کے لئے منکرین حدیث نے اس حربے سے کام لیا کہ مورخین کی اکثریت شیعوں کی ہے۔ تاریخ کا بڑا ماخذ طبری تھی اس کو شیعہ مشہور کر دیا گیا۔ بعض لوگوں نے اندھا دھند اسے قبول کر لیا، جس سے منکرین حدیث کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اب انہوں نے حدیث کے امام زہریؒ کو شیعہ ثابت کرنے پر سارا زور لگا دیا۔ پہلے تو لوگوں کو یہ بتایا کہ حدیث قرطاس کا راوی زہری ہے، قصہ فدک کا راوی زہری ہے، بخاری سے

جتنی روایات شیعہ اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں ان میں سے اکثر کا راوی زہری ہے۔ چنانچہ بعض جذباتی لوگوں نے اس بات کو بھی مان لیا۔ بڑے خوش ہوئے کہ بہت بڑی تحقیق ہوگئی ہے۔ جب صحیح بخاری ہی نا قابل اعتماد ہوگئی تو تاریخ کا دفاع کون کرے گا۔ لیکن اب جب تمنا عمادی (معروف منکر حدیث) کی کتابیں جمع القرآن اور اعجاز القرآن سامنے آئیں، اس میں اس نے بتایا کہ یہ جو بخاری کی احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عثمانؓ جامع القرآن ہیں، ان حدیثوں کا مرکزی راوی بھی زہری ہے اور وہ شیعہ ہے۔

یہ جمع قرآن کا افسانہ شیعوں نے گھڑا زہری نے پھیلایا اور بخاری نے اس کو قبول کر کے صحیح بخاری میں لے لیا۔ اب منکرین حدیث ان کے جامع قرآن ہونے کا بھی انکار کر رہے ہیں۔ اسدی صاحب (ابوالخیر اسدی ساکن مخدوم رشید ملتان) حیات مسیح علیہ السلام کا انکار کر رہے ہیں اور یہی کہہ رہے ہیں کہ حیات مسیح کی دو اعلیٰ ترین حدیثیں جو بخاری میں ہیں ان دونوں کا راوی زہری ہے اور وہ شیعہ ہے۔ اس لئے حیات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ غلط ہے، شیعوں کا گھڑا ہوا ہے۔ امام مہدیؓ کے بارہ میں ساری احادیث بھی اس کے نزدیک شیعہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔

میں نے ایک اس کے چیلے سے پوچھا کہ تو نماز کیسے پڑھتا ہے؟ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرتا ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا اس کا راوی تو زہری ہے (بخاری ص ۱۰۲، ج ۱) میں نے پوچھا نماز میں سورت فاتحہ پڑھتا ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا اس کا راوی تو زہری ہے (بخاری ص ۱۰۴، ج ۱) میں نے پوچھا تو سجدوں کو جاتے اور سجدوں سے اٹھتے وقت تکبیر کہتا ہے؟ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا اس کا راوی تو زہری ہے (بخاری ص ۱۱۰ ج ۱) اب تو وہ بہت گھبرایا۔ پھر میں نے اسے سمجھایا کہ جس راستے پر آپ کو منکرین حدیث اور ان کے ایجنٹوں، خارجیوں اور یزیدیوں نے لگا دیا ہے اس کی آخری منزل اسلام کو ہی سلام کرنا ہے۔ بہر حال یہ

سارا جال منکرین حدیث کا تنا ہوا ہے۔ یہ تو بے چارے ان کے ایجنٹ ہیں۔ کلمہ نبی پاک کا پڑھتے ہیں اور ایجنٹی منکرین حدیث کی کرتے ہیں۔

یزید کے ہاتھ میں ہاتھ

آپ نے لکھا ہے: "ابن زیاد کے ہاتھ پر یزید کی بیعت! تو خدا کی قسم یہ بات میری موت کے بعد ہی ممکن ہے۔ ہاں اگر باعزت طریقہ سے معاملہ فہمی مقصود ہے تو پھر مدینہ کو واپسی یا سرحد پر چلے جانے کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو تا کہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھے گا فیصلہ خود کرے گا (البدایہ والنہایہ ص ۷۰ ج ۸) اور یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ" کے ہاتھ میں رکھ دوں تو وہ میرے اور اپنے بارے میں جو مناسب رائے ہو قائم کرے گا۔ (طبری ص ۲۳۵، ج ۶)

اب میں آپ کے سامنے اصل عربی عبارت رکھ دیتا ہوں یہ آپ تلاش کر دیں کہ آپ کی تحریر کس عبارت کا ترجمہ ہے:

۱..... ہانی بن ثبت الحضرمی جو عمرو بن سعد اور امام حسین کی گفتگو کے درمیان امام حسین کے نمائندہ تھے، فرماتے ہیں کہ کافی رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں:

حتی ذهب من الیل هنیع ثم انصرف کل واحد منهما الی عسکره با صحابه وتحدث الناس فیما بینهما ظنًا یظنونه ان حسینًا قال لعمرو بن سعد اخرج معی الی یزید بن معاویه وندع العسکرین (طبری ص ۳۱۳، ج ۴) فتکلما طویلاً حتی ذهب هنیع من الیل ولم یدر احد ما قالا ولکن ظن بعض الناس انه ساله ان یذهب معه الی یزید بن معاویه الی الشام ویترکا العسکرین متواقفین (البدایة والنهایه ص ۱۷۷ ج ۸) یه سارا قصه ۲ محرم جمعرات کا ہے (البدایہ ص ۱۷۶ ج ۸) ۱۰

محرم جمعہ کو جب قیس بن الاشعث نے کہا کہ آپ ابن زیاد کی بات مان لیں تو فرمایا: اوالله ولا اعطیهم بیدی عطاء الاصل ولا اقر اقرار البید عباد الله انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون - اعوذ بربی وربکم من کل متکبر لا یو من بیوم الحساب۔ (الکامل ص ۵۶۲ ج ۲)

۲..... عقبہ بن سمعان کی روایت: قال لقد صحبت الحسین من مکة الی حین قتل والله ما من کلمة قالها فی موطن الا وقد سمعتها وانه لم یسال ان یذهب الی یزید فیضع یده الی یده ولا ان یذهب الی الثغور من ثغر ولکن طلب منهم احدا مرین اما ان یرجع من حیث جاء واما ان یدعوه یذهب فی الأرض العریضة حتی ینظر ما یصیر امر الناس الیه (البدایہ ص ۱۷۷ ج ۸ - طبری ص ۳۱۳ ج ۴)

۳..... عمار ذہبی شیعہ کی روایت: قال له الحسین " : اختر واحدةً من ثلاث اما ان تدعونی فانصرف من حیث جئت واما ان تدعونی فاذهب الی یزید واما ان تدعونی فالحق بالثغور فقبل ذلك عمر فکتب الیه عبید الله بن زیاد لا ولا کرامة حتی یضع یده فی یدی فقال الحسین " : لا والله لا یکون ذالك ابدا فقاتله فقتل اصحاب الحسین کلهم وفیهم بضعة عشر شابا من اهل بیته

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۹، ج ۸ طبری ص ۲۹۲ ج ۴)

۴..... جس کا راوی ابو مخنف ہے (شیعی محترق) اس کا استاد مجالد بن سعید ہے کذاب (الجرح والتعدیل ص ۳۶۱، ج ۶) اور الصعقب بن زہیر (شیخ) لیس بمشهور الجرح والتعدیل ص ۲۵۵، ج ۲) سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حسین اور عمر بن سعد کے دو تین مرتبہ تنہائی میں مذاکرات ہوئے تو عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتنہ کی آگ کو بجھا دیا ہے اور اتفاق ہو گیا ہے۔ حسینؓ نے مجھے

کہا ہے کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاتا ہوں یا کہیں سرحدوں کی طرف چلا جاتا ہوں، یا یہ کہ:

ان یاتی یزید امیر المومنین فیضع یدہ فی یدہ فیری فیما بینہ و بینہ رایہ (طبری ج ۴، ص ۳۱۳)

یہ آپ کے سامنے چاروں روایات ہیں۔ دوسری روایت میں شدید انکار ہے کہ سیدنا حسینؓ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں گا اور پہلی روایت میں تصریح ہے کہ لوگوں نے محض اپنے ظن اور خیال سے یہ بات پھیلا دی ہے۔ کسی نے یہ بات حضرت حسین بھی خود سے سنی نہیں اور آپ بھی جانتے ہیں:

ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کی کوئی سند صحیح یا حسن نہیں ہے۔ شیخ محمد الخضری المصری فرماتے ہیں:

ولیس بصحیح انہ عرض علیہم ان یضع یدہ فی ید یزید

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۲۸)

آپ کوئی صحیح سند اس کی پیش فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ آپ نے البدایہ والنہایہ کی طرف جو عبارت منسوب کی ہے وہ البدایہ والنہایہ کی کسی عربی عبارت کا ترجمہ ہے۔ اچھی طرح ذہن نشین کریں کہ بیان کرنے والوں نے محض ظن سے بیان کیا ہے اور رد کرنے والے نے پورے یقین سے اس بات کو رد کیا ہے۔

آپ نے جو روایت بحوالہ طبری نقل فرمائی ہے اس کا حال نمبر ۴ میں آپ دیکھ چکے ہیں جو البدایہ کے حوالہ سے لکھی ہے۔ اس نے بھی طبری سے ہی لی ہے۔ اگر طبری نا قابل اعتماد ہے تو جناب نے اس کی روایات کیوں نقل فرمائیں۔ طبری سے جو روایت آپ نے نقل کی ہے اس کا راوی ابو مخنف ہی ہے اور ساتھ اور کتنے اس سند میں خوابیدہ ہیں نمبر ۴ دیکھ لو۔

ایک اعجوبہ

آپ نے لکھا ہے کہ ابو مخنف طبری کی پیدائش سے ۵۵ سال پہلے فوت ہو چکا تھا۔ براہ راست سماع بھی نہیں۔ جناب آپ نے لسان المیزان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو مخنف کا تعارف یوں کرایا ہے: ابو مخنف دوسری صدی کا آدمی ہے اور ابن حجر نویں صدی کا جو سات سو سال بعد ہوا۔ اس کا سماع ثابت ہے نہ ہی ابن حجر کا براہ راست سماع دار قطنی سے نہ ابو حاتم سے نہ عقیلی سے۔ اگر کہو کہ ابن حجر نے پہلوں کی کتابوں سے حوالہ لیا ہے تو طبری ابو مخنف کی کتاب سے کیوں نہیں لے سکتا۔

یزید کا پہلا حکم

سیدنا امیر معاویہؓ کی وفات پر یزید نے پہلا حکم نامہ گورنر مدینہ کو لکھا:

و کتب إليه فی صحيفة كأنها اذن الفارة اما بعد فخذ حسين وعبدالله بن عمر وعبدالله بن الزبير بالبيعة اخذا شديدا ليست فيه رخصة. (والسلام)

(البدایہ والنہایہ ص ۱۴۹ ج ۸۔ ابن اثیر ص ۲۶۹، ج ۲۔ طبری ص ۲۵۰ ج ۴)

یعنی بیعت کے سلسلہ میں حسینؓ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو پوری سختی سے پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں انہیں رخصت نہ ملنے پائے۔ (والسلام)

دوسرا حکم

عليك بالحسين بن علی و عبدالله بن الزبير " فابعث اليهما الساعة فان بايعا والا فاضرب اعناقهما قبل ان يعلن الخبر الاخبار الطوال ص ۲۲۷ ابو حنيفه دينوری

تم پر لازم ہے کہ اس وقت حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلوا لو۔ اگر

وہ دونوں بیعت کرلیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں مار دو۔ یہ کام معاویہؓ کی موت کے اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہئے۔

دارالامارت میں

چنانچہ یہ دونوں حکم جب گورنر کو پہنچے تو فوراً حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دارالامارت میں بلایا گیا اور ان دونوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ بیعت اس طرح چھپ کر نہیں لی جایا کرتی۔ مروان نے گورنر ولید کو کہا:

تخرجه حتی یبایع والا ضربت عنقه۔

ان کو نکلنے نہ دینا۔ یہ بیعت کریں ورنہ ان کی گردن مار دے۔

اس پر حضرت حسین اور مروان میں تلخ کلامی ہو گئی۔ ولید نے کہا اے مروان! اللہ کی قسم مجھے ساری دنیا بھی دی جائے تو میں حسین کو قتل نہیں کروں گا۔ سبحان اللہ! میں حسینؓ کو بیعت نہ کرنے پر قتل کروں۔ خدا کی قسم! میرا یقین ہے کہ حسین کو قتل کرنے والے کی ترازو قیامت کو ہلکی ہوگی" (اس آیت کی طرف اشارہ کیا: واما من خفت موازینه فامه هاویه حضرت حسین رضی اللہ عنہ بغیر بیعت کئے نکل گئے اور یزید نے گورنر کو اس حکم (قتل) میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے معزول کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۵۰ ۱۵۱، ج ۸: طبری ص ۲۵۱، ۲۵۲ ج ۴: الکامل لابن الاثیر ص ۵۳۰ ج ۲)

ان حوالہ جات کو پڑھ کر اپنی اس عبارت پر غور کریں: "یزید کے بارے میں کسی کمزور سے کمزور روایت میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ اس نے کسی شخص کو قتل حسین کا حکم دیا ہو یا قتل حسین پر رضامندی ظاہر کی ہو۔

والحق ان رضاء یزید بقتل الحسین " واستبشاره بذالك واهانته اهل بیت النبی علیه السلام مما تواتر معناه وان كان

تفاصیله احادا فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه لعنة الله علیه و علی انصاره و اعوانه (شرح عقائد نسفی)

مکہ مکرمہ میں

حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے مکہ مکرمہ میں پناہ لی لیکن وہاں بھی ان کے لئے امان نہ تھی۔ اس لئے حضرت حسین نے کوفہ جانے کا ارادہ فرمالیا تو یزید نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دھمکی آمیز خط لکھا جس میں قتل تک کی دھمکی تھی۔ یعنی حضرت حسین کے لئے: ان سوف یترککم ما تدعون بها قتلی تهادا کم العقبان الرخم.

چنانچہ یہ خط پڑھ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور فرمایا:

والله انی لاظنك ستقتل غدا بین نسائك وبناتك کما قتل عثمان بین نساءه و بناته. اس پر حضرت حسین رضی اللہ نے فرمایا: لان اقتل بمکان کذا و کذا احب الی من ان اقتل بمکة وتستحل بی قال فبکی ابن عباس (البدایہ ص ۱۶ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین ہی کو یقین تھا کہ ان کو شہید کرنے کے لئے حرم پاک کی حرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا جائے گا۔

یزید کا خط

جب سیدنا حسین بھی مکہ مکرمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے تو یزید نے ابن زیاد کو لکھا:

وفی روایة ان یزید کتب الی ابن زیاد: قد بلغنی ان الحسین قد توجه الی نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس واحبس علی

الظنة وخذ على التهمة غير ان لا تقتل الا من قاتلك واكتب الى فى كل ما يحدث من خبر والسلام (البدایۃ والنہایہ ص ۱۱۶۷ ج ۸)

اس روایت کا راوی نامعلوم ہے۔

یزید کا اشارہ

عبید اللہ بن زیاد نے اپنے ہم سفر مسافر بن شریح الکندی کو بتایا:

اما قتلى الحسين "فانه اشار الى يزيد بقتله او قتلى فاخترت قتله (الکامل ص ۶۱۲ ج ۲۔ طبری ص ۴۰۲، ج ۴)

اور جب یزید نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ وہ حرم مکہ میں ابن زبیر پر حملہ کرے تو ابن زیاد نے کہا:

لا اجمعهما للفاسق ابدا اقتل ابن بنت رسول الله واغزوا البيت (طبری ج ۴، ص ۳۷۱)

یزید کا رونا

آپ نے لکھا ہے کہ یزید امام حسین کے سر کو دیکھ کر رو پڑا۔ اس پر آپ نے الاصابہ ص ۹۰ ج ۱، کا حوالہ دیا ہے۔ مگر مجھے الاصابہ میں سیدنا حسینؓ کے حالات میں یہ عبارت نہیں ملی۔ البتہ طبری ص ۳۵۲، ج ۴ پر یہ روایت ہے۔ مگر اس کا راوی آپ کا ممدوح ابو مخنف ہی ہے۔ اولاً تو روایت ہی صحیح نہیں، پھر برادران یوسف کی طرح رونے سے اب کیا فائدہ؟

آئے تربت پہ مری روئے کیا یاد مجھے
خاک اڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے

امام زین العابدین رحمہ اللہ سے گفتگو

جب سیدنا حسینؓ کا سر مبارک یزید کے سامنے رکھا گیا تو اس کی آنکھوں میں

آنسو آ گئے۔ اس نے ابن زیاد پر لعنت کی۔ پھر امام زین العابدینؒ سے مخاطب ہوا:

یا علی ان اباك الذی قطع رحمی و جهل حقی و نازعنی سلطانی فصنع الله به ماقد رایت فقال علی ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل أن نبرأها فقال یزید لابنه خالد اردد علیه فمادری خالد مایرد علیه فقال له یزید قل ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر (طبری ص ۳۵۲، ج ۴)

کیا ایسے موقع پر یہ بکواس ندامت کی دلیل ہے یا تکبر اور رعونت کی۔

حضرت فاطمہؓ وسکینہؓ: پہلی روایت

ثم ادخل نساء الحسین علیه والراس بین یدیه فجعلت فاطمة وسکینة ابنتا الحسین تتطاولان لتنظرا الی الراس وجعل یزید یتطاول لیستر عنهما الراس فلما راینا الراس صحن فصاح نساء یزید و اول بنات معاویه فقالت فاطمة بنت الحسین " و کانت اکبر من سکینة ابنات رسول الله سبایا یا یزید؛ فقال یا ابنة اخی انا لهذا کنت اکره قالت والله ما ترك لنا خرص فقال ما اتی الیکن اعظم مما اخذ منکن - فقام رجل من اهل الشام فقال هب لی هذه یعنی فاطمه فاخذت بثیاب اختها زینب و کانت اکبر منها فقالت زینب کذبت ولومت وما ذالك لك ولا له - فغضب یزید وقال کذبت والله ان ذالك لی ولو شئت ان افعله لفعلته قالت کلا والله ما جعل الله لك ذالك الا ان تخرج من ملتنا وتدین بغیر دیننا فغضب یزید و استطار ثم قال ایای تستقبلین بهذا؛ انما خرج من الدین ابوك واخوك قالت زینب بدین الله ودین ابی واخی وجدی اهتدیت انت وابوك وجدك قال

كذبت يا عدوة الله - قالت انت امير تشتم ظالما وتقهر بسلطانك؛ فاستحيى وسكت ثم افرض وادخلن دور يزيد فلم تبق امراة من آل يزيد الا انتهن واقمن الماتم وسألهن عما إخذ منهن فأضعفه لهن فكانت سكينة تقول ما رايت كافرًا بالله خيرًا من يزيد بن معاوية

(الکامل ج ۲ ص ۵۷۷)

دیکھئے آپ نے اس بے غیرت کی ان باتوں پر پردہ ڈالا۔ یہ تو ایک روایت تھی

دوسری روایت

اب دوسری روایت جو ابو مخنف کی نہیں ہے، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

لما قتل عبيد الله بن زياد الحسين بن علي "وبنى ابيه بعث برء وسهم الى يزيد بن معاوية " . فسر بقتلهم اولا وحسنت بذالك منزلة عبيد الله عنده ثم لم يلبث الا قليلاً حتى ندم على قتل الحسين فكان يقول وما كان على لو احتملت الاذى وانزلته معي فى داري وحكمته فيما يريده وان كان على فى ذالك و كف وهن فى سلطاني حفظا لرسول الله " . ورعاية لحقه وقرابته لعن الله ابن مرجانة فانه اخرجه و اضطره و قد كان ساله ان يخلى سبيله ويرجع فلم يفعل أو يضع يده فى يدى او يلحق بثغر من ثغور المسلمين يتوفاه الله عز وجل فلم يفعل فابى ذلك وردة عليه فقتله فبغضني بقتله الى المسلمين وزرع لى فى قلوبهم العداوة فابغضني البروالفاجر بما استعظم الناس من قتلى حسينا مالى ولابن مرجانة لعنه الله وغضب عليه

(طبری ص ۳۸۹ ج ۴)

خود یزید کی اس اپنی شہادت سے معلوم ہوا کہ اس دور کے نیک و بد سب کے سب مسلمان یزید سے بغض رکھتے تھے اور حضرت حسین بھی اللہ کے قتل کا ذمہ دار اسی کو

قرار دیتے تھے۔ گویا اس پر صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کا اجماع تھا۔ (یہی روایت الکامل ص ۵۷۸ ج ۲ - البدایہ والنہایہ ص ۲۳۵، ج ۸ پر ہے۔)

بلکہ الکامل میں تو یہ الفاظ ہیں:

ولما وصل راس الحسین الی یزید حسنت مال ابن زیاد عندہ وزادہ ووصلہ وسترہ ما فعل ثم لم یلبث الا یسیرًا حتی بلغہ بغض الناس لہ ولعنہم وسبہم فندم علی قتل الحسین " فکان یقول وما علی الخ۔

کیا ثعلبیہ سے امام نے کوفہ کا راستہ چھوڑ کر شام کا راستہ اختیار فرمالیا تھا کہ یزید کو جا کر ملیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ "مقام ثعلبیہ پر پہنچتے ہی شہادت مسلم کی خبر پہنچی۔ مسلم کے بیٹوں سے مشورہ کر کے یزید کی ملاقات کا فیصلہ کیا۔ کوفہ کی بجائے شام کا سفر شروع کیا۔ ابن زیاد اور شمر جو قاتل مسلم تھے نے سمجھ لیا کہ اگر حسین یزید کے پاس پہنچ گئے تو ساری سازش عیاں ہو جائے گی۔ پھر انہوں نے آپ کا راستہ روک لیا اور اپنے ہاتھ پر یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا " خدا کی قسم! یہ میری موت کے بعد ہی ممکن ہے۔" اس پر آپ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

اس میں یہ تو درست ہے کہ الثعلبیہ کے مقام پر دو اسدیوں کے ذریعے امام کو مسلم بن عقیل بھی اللہ اور دھانی کی شہادت کی اطلاع ملی (طبری ص ۲۹۹، ج ۴) اور یہ بات کہ وہاں سے مسلم" کے بیٹوں کے مشورہ کے بعد شام کا رخ کر لیا بالکل جھوٹ ہے۔ الثعلبیہ سے چل کر آپ زبالہ پہنچے۔ وہاں آپ کو حضرت عبداللہ بن بقطر کی شہادت کی اطلاع ملی (طبری ص ۳۰۰ ج (۴) وہاں آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جو واپس جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ اس کے بعد بطن العقبہ پہنچے۔ وہاں بھی آپ کو ایک شخص . نے پیش قدمی سے روکا۔ یہ منزلیں آپ نے ذی

الحجہ میں ملے فرمائیں۔ محرم میں آپ مقام شراف پر اترے۔ یہاں یزیدی فوج کا ہر اول دستہ جو ایک ہزار آدمی تھے امام سے ملے۔ وہاں آپ نے بوقت عصر خطبہ دیا:

فحمد الله واثنی علیه ثم قال اما بعد! أیها الناس فانکم ان تتقوا و تعرفوا الحق لاهله یکن ارضی لله ونحن اهل البیت أولی بولائة هذا الأمر علیکم من هولا المدعیین ما لیس لهم والسائرین فیکم بالجور والعدوان (طبری ص ۳۰۲، ج ۴)

پھر آپ مقام بیضہ پر اترے حر اور اس کے ساتھی بھی ساتھ تھے۔ آپ نے خطبہ دیا:

فحمد الله واثنی علیه ثم قال: ایها الناس ان رسول الله قال من رای سلطانا جائرًا مستحلا لحرم الله ناکث العهد الله مخالفا لسنة رسول الله یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغیر علیه بفعل ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله الا وان هولاء قد لزموا طاعة الشیطان وترکوا طاعة الرحمن واظهروا العناد وعطلوا الحدود واستأثروا بالغنی واحلوا حرام الله وحرموا حلاله (طبری ص ۳۰۴، ج ۴)

یہاں سے چل کر آپ "کربلا کے متصل العقر میں پہنچے۔ راستے میں کوفہ سے آنے والے چار آدمیوں سے ملاقات ہوئی، جس سے واضح ہے کہ یہ راستہ کوفہ کا تھا شام کا نہ تھا۔ یہیں عمر بن سعد مزید چار ہزار فوج لے کر پہنچ گیا اور پھر پانچ ہزار فوج نے امام" کا گھیراؤ کر لیا۔ آپ کا یہ لکھنا کہ الثعلبیہ کے مقام پر ابن زیاد اور شمر نے راستہ روک لیا بالکل غلط ہے۔ ابن زیاد تو میدان جنگ میں آخر تک نہیں آیا۔ ہاں شمر آخری دن کربلا میں پہنچا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ان خطبات سے بھی صاف ظاہر ہے کہ امام آخر وقت تک اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ وھو الصحیح۔ آپ نے جو شمر کو مسلم بن عقیل کا قاتل لکھا ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ قتل کا حکم ابن زیاد بدنہاد نے دیا تھا اور قتل بکیر بن حمران نے کیا تھا۔ (طبری ص ۲۷۹ تا ۲۸۳، ج ۴)

(تجلیات صفدر ج ۱ ص ۵۴۹ تا ۵۶۲)

یزید کے بارے میں

کھلا خط

بنام

مولانا محمد امین اورکزئی (ہنگو)

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی برداللہ مضجعہ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	یزید کے بارہ میں ایک کھلا خط	۵۱
۲	کھلا خط بنام مولانا محمد امین اورکزئی	۵۲
۳	دربارہ یزید	۵۲
۴	مولانا محمد امین صاحب اورکزئی	۵۳
۵	۱.....حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ	۵۳
۶	۲.....حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ	۵۳
۷	۳.....شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ	۵۴
۸	۴.....شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ	۵۴
۹	۵.....حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۵۴
۱۰	۶.....قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	۵۴
۱۱	۷.....حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ	۵۵
۱۲	۸.....شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ	۵۵
۱۳	۹.....امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ	۵۵
۱۴	۱۰.....حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۵۵
۱۵	۱۱.....مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	۵۶
۱۶	ابن زیاد کی شہادت	۵۷
۱۷	صحابی زادہ	۵۸
۱۸	تابعیت کا مرتبہ پانے والا	۵۹
۱۹	احتمالاً ہی سہی، مغفوریت موعودہ کا شرف رکھنے والا	۶۰
۲۰	توقف کا راستہ	۶۲
۲۱	امام محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ	۶۲
۲۲	وفد اہل مدینہ	۶۴
۲۳	آخری بات	۶۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید کے بارے میں کھلا خط

بنام حضرت مولانا محمد امین اورکزئی ہنکو ضلع کوہاٹ

ماہنامہ الخیر ملتان محرم کے شمارے میں حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا یزید کے بارہ میں لکھا ہوا ایک مضمون جسے پڑھ کر حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شاہودام ہنکو ضلع کوہاٹ نے اوکاڑوی صاحب کو خط لکھا۔ اس خط کا جواب حضرت اوکاڑوی نے تحریر فرمایا جو ''تجلیات صفدر'' کی جلد اوّل ص ۵۷۹ تا ۵۹۴ میں درج ہے۔ یہ ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں ہم نمبر اٹھتیس (۳۸) پر شائع کرنے کی سعادحاصل کررہے ہیں۔ (ادارہ)

کھلا خط بنام مولانا محمد امین اورکزئی ہنکو

دربارہ یزید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ - أَمَّا بَعْدُ!

موقر رسالہ "الخیر" میں محرم کے شمارہ میں اس عاجز کا ایک مضمون سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عنوان سے شائع ہوا۔ ظاہر ہے کہ امام مظلوم کی سیرت میں آپ کی شہادت کا واقعہ بھی آنا تھا۔ یہاں آپ کا ٹکراؤ یزید کی حکومت سے تھا۔ اب یہاں دو ہی راستے ہو سکتے تھے۔ ایک یہ کہ یزید کو خلیفہ عادل و صالح مان لیا جائے اور اس کے مخالفین کو فاسق اور باغی تسلیم کر لیا جائے یا مخالفین یزید کو عادل اور صالح مان لیا جائے اور یزید کو فاسق کہہ لیا جائے۔ یزید کے مدمقابل کون تھے: (۱) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جو صحابی بھی ہیں، اہل بیت بھی ہیں اور نوجوانان جنت کے سردار بھی ہیں۔ (۲) مدینہ منورہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں مہاجرین اور انصار شامل تھے اور مدینہ منورہ کے جلیل القدر تابعین باحسان رحمہم اللہ۔ (۳) نواسہ صدیق اکبر" حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل مکہ جس میں اس وقت صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ تھے۔ اب اگر ہم پہلا راستہ اختیار کر کے یزید کو صالح اور عادل کہتے ہیں اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان سب مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو باغی اور فاسق قرار دیں تو یہ اہل سنت والجماعت کے بنیادی عقیدہ عظمت صحابہ" اور عدالت صحابہ" کے خلاف ہے۔ کوئی اہل سنت والجماعت یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے میں نے بھی اپنے مضمون میں دوسرا راستہ اختیار کیا، کیونکہ عظمت صحابہ کرام اور عدالت صحابہ کرام پر کتاب و سنت اور اجماع کی نصوص مثل آفتاب نیمروز ماہتاب نیم ماہ روشن ہیں اور تاریخ کی باتیں اس وقت تک قابل قبول ہوں گی جب تک وہ کتاب وسنت اور اجماعی عقائد

سے نہ ٹکرائیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فسق یزید کا مسئلہ محض تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ عظمت صحابہؓ کا تعلق ہے جو عقائد کا مسئلہ ہے۔

مولانا محمد امین صاحب اورکزئی

اس مضمون کے بارہ میں مولانا محمد امین صاحب اورکزئی مہتمم جامعہ یوسفیہ شاہو دام، بنکو ضلع کوہاٹ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "مولانا اوکاڑوی صاحب کے مضمون میں یزید کے بارے میں سنیت و حنفیت سے زیادہ رفض و تشیع کی ترجمانی کی گئی ہے۔ (مولانا محمد امین اورکزئی) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے ادارے کا نام بھی جامعہ یوسفیہ حضرت کے انتساب سے رکھا ہے۔

۱.....حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ

مولانا! اگر یزید کو فاسق کہہ دینا ہی رفض و تشیع کی ترجمانی ہے تو حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ کا فرمان: یزید لا ریب فی کونہ فاسقا (معارف السنن ص ۱۸ ج ۶) کہ یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں کس مسلک کی ترجمانی ہے؟ اسی طرح حضرت اقدس رحمہ اللہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ملاحدہ اور زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکتی ہے؟ کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بتایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں اور کیا امام حسینؓ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین اور خلفہ برحق نہیں ثابت کیا گیا؟ (تقریظ بر تسکین الصدور ص ۲۱۰ طبع دوم)

۲.....حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ

مولانا! رفض و تشیع سے جو جنگ حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے لڑی ہے اس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے، مگر اس کے باوجود فرماتے ہیں: "اور یزید بدقسمت صحابہ کرام میں سے نہیں۔ اس کی بدبختی میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ اس نے جو کام کیا وہ کوئی کافر فرنگی بھی نہیں کر سکتا۔ بعض علماء نے اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے۔ اس پر راضی ہونے کی بنا پر نہیں، بلکہ رجوع اور توبہ کے احتمال کے باعث کیا ہے۔" (مکتوبات دفتر اول ۵۴)

۳.....شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

آپ نے بھی اپنے دور میں رفض و تشیع کے چھکے چھڑا دیئے۔ فرماتے ہیں: "اور گمراہی و ضلالت کے داعی شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے" (حجۃ اللہ البالغہ مبحث فتن) اور حدیث مغفور لہم پر فرماتے ہیں: "اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے اور اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب ہوا ہے یعنی حضرت حسین کو قتل کرنا مدینہ طیبہ کو تاراج و برباد کرنا، شراب خوری پر اصرار کرنا ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاف کر دے، چاہے تو عذاب دے، جیسا کہ تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ جاری ہے۔" (ابواب وتراجم بخاری ص ۳۲)

۴.....شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رفض کے خلاف جو کام کیا ان کے بعد آنے والے آج تک ان کے خوشہ چین ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: "جب اشقیاء شام و عراق نے موافق کہنے یزید پلید اور تحریص رئیس اہل بغض و فساد ابن زیاد کے امام ہمامؓ کو کربلا میں شہید کیا۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۱)

ایک شخص نے (حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ) سے سوال کیا کہ جب حضرت امام حسین اور یزید کا مقابلہ تھا تو حق تعالیٰ کس طرف تھے؟ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا میزان عدل پر تھے کہ صبر حضرت امام حسین کا اس مردود کے ظلم پر غالب آیا۔ (کمالات عزیزی ص ۱۱)

۵..... حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

آپ فرماتے ہیں: اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ رضی اللہ عنہم یعنی چار یار کو بالترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ راشد سمجھتے ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سنیوں میں سے کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔ (اجوبہ اربعین ص ۸۵)

۶.....قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ نے رافضیوں کے رد میں ایک کتاب تحریر فرمائی۔ اس میں تحریر

فرماتے ہیں اب حقیت خلفائے خمسہ کی اور تغلب یزید پلید کا مثل آفتاب کے روشن ہوگیا۔ اگر کور باطن نہ سمجھے تو کسی کا کیا قصور؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

(ہدایۃ الشیعہ ص ۹۵)

۷.....حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

آپ فرماتے ہیں: ''یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔''

(امداد الفتاوی ص ۵۴ ج ۵)

۸.....شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

آپ فرماتے ہیں: ''تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی اطلاع ان کو نہ تھی۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۷۲/ ج ۱، مکتوب نمبر ۷۸)

۹.....امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ

آپ نے رفض کو وہ ناک چنے چبوائے کہ روز قیامت تک روافض ان کے جواب سے عاجز ہیں۔ فرماتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ کے فرزند حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لئے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کو کٹوا دیا اور خود بھی جان دے دی۔ بھلا جس کے بیٹے کی استقامت وحمیت کا یہ حال ہو اس کے باپ کی نسبت یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے بخوف جان یا بطمع دنیا ظالموں اور غاصبوں کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ (ابوالائمہ حضرت علی کی مقدس تعلیمات ص ۲۴)

۱۰.....حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

آپ فرماتے ہیں: ''بہر حال یزید کے فسق و فجور پر جب کہ صحابہ کرام سب کے سب متفق ہیں خواہ مبالغین ہوں یا مخالفین، پھر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علمائے راسخین، محدثین اور فقہاء مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین

عینی علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام حافظ ابن کثیر اور علامہ الکیا الہراسی رحمہم اللہ جیسے محققین یزید کے فسق پر علمائے سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اس کے قائل ہیں۔ تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے۔" (شہید کربلا اور یزید ص ۱۵۲)

مولانا! ارشاد فرمایئے یہ بزرگ سب رفض و تشیع کی خدمت ہی کرتے رہے۔ مولانا آپ نے بات بھی پوری نہیں کی۔ میں نے پوری بات عرض کر دی ہے کہ یزید فاسق تھا اور اس کے مدمقابل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مکہ مکرمہ کے دیگر صحابہؓ و تابعینؒ عادل تھے۔ آپ نے یزید کے فسق کا تو انکار فرمایا، اب اس کے بدمقابل سب صحابہ کرام کو آپ غلط کار باغی اور فاسق کہتے ہیں یا کیا؟ بات تو پوری بتانی چاہئے۔

۱۱..... مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

آپ فرماتے ہیں: "شہادت حسین کے بعد یزید کو ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا۔ تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ یا ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اللہ نے اس کو ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ (شہید کربلا ص ۱۰۳)

اسی طرح فقیہ دوراں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ اور محدث جلیل حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ فرماتے ہیں:

"جو لوگ یزید کو خلیفہ عادل اور راشد قرار دے کر حضرت حسین کو باغی قرار دینے کی سعی میں مصروف ہیں ان کا یہ نظریہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک باطل ہے۔ یہ نظریہ خوارج کا تو ہو سکتا ہے، اہل سنت والجماعت کے مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔" (تائید رسالہ دفاع صحابہ ص ۳)

مولانا! اگر آپ یزید کے عشق میں بے قرار ہو کر ان سب کو رافضیوں میں شامل نہ فرما دیں تو آپ کے محبوب اور مخدوم اور آپ کے خلیفہ عادل و صالح کے صاحبزادہ

معاویہ بن یزید سے آپ کی تسلی کروا دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کی، آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی، اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگے۔ پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے۔ اس نے واقعی رسول اللہ کی عترت کو قتل کیا، شراب کو مباح کر دیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں نے خلافت کی حلاوت ہی نہیں چکھی تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟

اس لئے اب تم جانو اور تمہارا کام۔ خدا کی قسم! اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا سے کمالیا وہ کافی ہے۔" (الصواعق المحرقہ ص ۲۲۴)

شاید آپ ایک شہادت کو ناکافی سمجھیں تو دوسری شہادت مطالعہ فرمایئے۔ یہ آپ کے خلیفہ عادل کے گورنر ابن زیاد کی شہادت ہے: "اور یزید نے عبیداللہ بن زیاد کی طرف یہ لکھا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف جائے اور مکہ میں ان کا محاصرہ کرے۔ تو ابن زیاد نے انکار کر دیا اور کہا کہ بخدا میں اس فاسق کے لئے دو باتوں کو اکٹھا نہ کروں گا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بھی قتل کروں اور بیت الحرام سے بھی جنگ کروں اور اس کی ماں مرجانہ نے بھی اس (ابن زیاد) سے کہا: (جبکہ حضرت حسین قتل ہوئے تھے) کہ تجھ پر ہلاکت ہو۔ تو نے کیا کیا ہے اور تو کس راہ پر چلا ہے۔ اس نے اس کو بہت سخت ست کہا تھا۔" (البدایہ والنہایہ) یہ دو شہادتیں گھر کی ہوگئیں۔

ابن زیاد کی شہادت

ابن زیاد نے کہا: اما قتلی الحسین فانه اشار الی یزید بقتله او قتلی فاخترت قتله۔ اور میں نے جو امام حسین کو قتل کیا اس لئے کہ یزید نے مجھے اشارہ کیا کہ اگر تو نے امام حسین کو قتل نہ کیا تو تو قتل کیا جائے گا۔ اس لئے میں نے اپنے قتل سے بچنے کے لئے امام حسین کو قتل کیا (الکامل فی التاریخ ص ۶۱۲ ج ۲) مرجانہ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اے خبیث! تو نے رسول اللہ صلی علیم کے نواسے کو قتل

کیا ہے۔ تو کبھی بھی جنت نہ دیکھے گا (البدایہ) کیا پھر بھی ابن زیاد قتل سے بچ سکا؟

صحابی زادہ

مولانا! آپ جانتے ہیں کہ نبی زادہ بھی بگڑ سکتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سے آپ واقف ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ خیر القرون میں بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے جو منافق یا فاسق تھے اور ان ہی میں حجاج یزید بن معاویہ اور مختار ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح بھی یہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت انصاف پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ بنی امیہ میں سے یزید نامی ایک شخص اس میں شگاف ڈالے گا۔ (مجمع الزوائد ص ۲۴۱، ج ۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "میری امت کی تباہی قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ (بخاری ص ۱۰۴۶ ج ۲)

بخاری شریف کے حاشیہ پر کرمانی شرح بخاری کے حوالہ سے درج ہے: ان لونڈوں میں سے پہلا لونڈا یزید تھا جس نے شہروں میں معمر لوگوں کو عہدوں سے ہٹا کر نوعمروں کو مسلط کیا۔ (حاشیہ نمبر ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دو قسم کے علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ کئے ہیں۔ ان میں سے ایک علم کو میں پھیلاتا ہوں، اگر دوسرے کو پھیلاؤں تو میری شہ رگ کاٹ ڈالی جائے گی۔ (بخاری ص ۲۳ ج ۱)

حاشیہ پر فتح الباری شرح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو علم آپ نہیں پھیلاتے تھے ان احادیث میں ظالم بادشاہوں کے نام تھے۔ ہاں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے ۶۰ھ اور لونڈوں کی حکومت سے بچانا۔ ان کا اشارہ یزید بن معاویہ کی طرف تھا، کیونکہ وہی ۶۰ھ میں بادشاہ بنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ کی دعاء قبول فرمائی اور ان کا وصال ۵۹ھ میں ہوگیا۔

صحابہ کے ایک جم غفیر کا امام تھا" میں نے یہ جملہ بار بار پڑھا کیونکہ یہ یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسی بے بنیاد بات لکھ سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے کسی مسجد میں اس کو امام رکھا ہوا تھا۔ ہاں مجبوراً کسی جہاد وغیرہ کے موقع پر نماز

فاسق کے پیچھے بھی جائز ہے۔ جب وہ فاسق معلن ہوا کسی ایک صحابی کا بھی اس کے پیچھے با اختیار خود ایک نماز بھی ثابت نہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین حضرت عبداللہ بن حنظلہ بن الغسیل نے مدینہ منورہ میں حلفیہ اعلان فرمایا:

واللہ ماخر جنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان کان رجلا ینکح امھات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ الصواعق المحرقہ ص ۲۲۱) خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اس وقت تک نہیں اٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی ان لونڈیوں سے صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔

مولانا! صحابہ تو فرماتے ہیں وہ سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتا اور آپ اسے جم غفیر صحابہ کا امام بنا رہے ہیں۔ اس نے اہل مدینہ پر جو مظالم ڈھائے ان میں ایک یہ بھی تھا:

وبطلت الجماعۃ من المسجد النبوی ایامًا واختفت اھل المدینۃ ایاما فلم یکن احدا دخول مسجدھا حتی دخلتہ الکلاب والذیاب وبالت علی ممبرہ (الصواعق المحرقہ ص ۲۲۲)

مسجد نبوی میں کئی دن جماعت نہ ہو سکی۔ اہل مدینہ روپوش رہے اور کوئی مسجد میں نہ آسکا، یہاں تک کہ کتے اور بھیڑیے مسجد نبوی میں آتے تھے اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کرتے تھے۔ مولانا! نمازی مساجد کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں؟ پھر اس نے حرم مکہ پر حملہ کروایا۔ غلاف کعبہ تک جل گیا۔ کیا نمازیوں کی یہی کرتوتیں ہیں؟ مولانا؟ سبائی پانچ دن مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں جماعت کراتے رہے اور صحابہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ آپ ان سبائیوں کو اپنا پیرو پیشوا مان لیں گے کہ صحابہ کرام کے ایک جم غفیر نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔

تابعیت کا مرتبہ پانے والا

مولانا! قرآن کی آیت بھی حب یزید نے آپ کو بھلا دی: والذین

اتبعوھم باحسان میں تابعیت کے ساتھ نیکی کی شرط ہے اور جس کے فسق پر سب صحابہؓ اور ائمہ کا اجماع ہو وہ اس تابعیت میں کیسے آسکتا ہے؟

احتمالاً ہی سہی، مغفوریت موعودہ کا شرف رکھنے والا

مولانا! آپ کی تو حدیث پر وسیع نظر ہے۔ کیا ابوداؤد شریف کی یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گزری کہ اسلم ابی عمران کہتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت امیر حبیش حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید تھے۔ یہ عبدالرحمن بن سیف اللہ ۴۶ھ میں حمص میں ہی وصال فرما گئے۔ یہ پہلا لشکر تھا۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس میں یزید شامل تھا؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر حدیث کے خلاف اس تاریخی احتمال کو مان لیا جائے کہ اس لشکر میں جو تھے وہ سب مغفور لہم تھے اور اس کا مطلب لیا جائے اب آخر عمر تک ان کے خلاف زبان کھولنا یا ان کو فاسق کہنا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے اور ائمہ اہل سنت میں سے کسی نے یہ مطلب نہیں لیا، خود آپ کے امام عادل کو بھی یہ مطلب نہیں سوجھا۔

مولانا! آپ کو معلوم ہے کہ سیدنا حسین بھی اسی لشکر میں شامل تھے۔ آپ کے امام عادل نے ان کو جس بے دردی سے شہید کروایا وہ ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اگر مغفور لہم کو فاسق کہنا اس حدیث کی مخالفت ہے تو اس لشکر میں شامل ہونے والے کو شہید کروانا اس حدیث پر ایمان ہے؟

مولانا! آپ جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر بھی اس لشکر میں شریک تھے اور مغفور لہم کے وعدہ میں شامل تھے۔ مگر آپ کے امام عادل انہیں ملحد قرار دیتے ہیں۔ ان کو حرم پاک میں بھی معاف نہیں کرتے۔ ان کے لئے حرم پاک گراتے ہیں اور جلاتے ہیں۔ مدینہ منورہ پر جب حملہ کیا وہاں بھی کئی صحابہ اور تابعین موجود تھے جو اس لشکر میں شریک تھے اور مغفور لہم کے وعدہ کے مصداق تھے۔ مگر آپ کے امام عادل نے مدینہ میں بھی معاف نہیں کیا۔ ان کی جانوں اور مال کو مباح قرار دے دیا۔

مولانا! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس جہاد میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی شریک تھے۔ وہ آپ کے امام عادل کو کیا خط لکھ رہے ہیں؟ لکھتے ہیں: "تو نے جو مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا

کروں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں، سو ایسا بالکل نہیں ہوسکتا۔ نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز۔ اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا ہے حالانکہ تم نے حسین اور جوانان عبدالمطلب کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں انہیں قتل کیا گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا۔ ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں اور بھوکے بجو باری باری ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے تا آنکہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی قوم کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ تھے۔

ان لوگوں نے آکر ان کو کفن دیا اور دفن کیا حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تمہیں یہ عزت ملی ہے اور تجھے اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جس جگہ اب بیٹھا ہوا ہے۔ اب میں خواہ سب چیزیں فراموش کردوں مگر اس بات کو فراموش نہیں کرسکتا کہ تو نے ہی حسین رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سے حرم الٰہی میں پہنچایا۔ پھر تو اپنے سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا رہا اور مسلسل لگا رہا تا آنکہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا۔ چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جالیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان اہل بیتؓ کی عداوت میں کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک اور صاف کر دیا تھا۔ حسین نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیشکش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ وہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال کیا جا سکتا ہے موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں اور کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔

بس میرے نزدیک اب اس سے زیادہ کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے، حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ

رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے، ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے۔
(الکامل فی التاریخ ص ۶۰۴ ج ۲)

توقف کا راستہ

آپ کا یہ فقرہ پڑھ کر کہ ہمارے امام فقیہ الامت رحمہ اللہ کی دور بین نگاہ نے اس لئے توقف کا راستہ دکھایا ہے۔" مجھے خود توقف ہوا کہ ایسی بے بنیاد باتیں ان پڑھ واعظوں کا شیوہ تو ہو سکتی ہیں مگر ایک شیخ الحدیث اور وسیع النظر کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ آپ تو اتفاق اور اختلاف کے مقامات کو جانتے ہیں۔ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان اهل السنة والجماعة اختلفوا فی تکفیر یزید بن معاویة۔

اہل سنت والجماعت میں یزید کی تکفیر میں اختلاف ہے، بعض کافر اور بعض مسلم۔ پھر لکھتے ہیں: وعلی القول بانه مسلم فهو فاسق شریر سکیر جائر اور جو اس کو مسلمان کہتے وہ اس کو فاسق، شریر، نشہ کرنے والا اور ظالم کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں: وبعد اتفاقهم علی فسقه اختلفوا فی جواز لعنه باسمه
(الصواعق المحرقۃ ص ۲۲۲)

یعنی اس کے فاسق ہونے پر تو اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں امام صاحب کا توقف کا قول ملتا ہے۔ فسق میں آپ کا توقف کا قول ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر لعن والے قول کو یہاں چسپاں کرتے ہو تو یحرفون الکلم عن مواضعه سے توبہ لازم ہے اور اگر کوئی مفتی بہ قول فسق میں توقف کا ہے تو ضرور پیش فرمائیں۔

امام محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت جو کہ یزید کی معاصر بھی ہے کی شہادت کیا ہمارے اقلام والسنہ کو روکنے کے لئے ناکافی ہے؟ محترم! موصوف کی شخصیت تابعین میں واقعی عظیم ہے، لیکن صحابہ کرام" کے اجماع کے مقابلہ میں اس کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ میں نے مطالبہ کیا تھا کہ کسی

ایک صحابی نے قتل حسینؓ جنگ مدینہ منورہ اور جنگ مکہ مکرمہ میں یزید کو عادل اور صالح کہا ہو، اس کا حوالہ پیش کرنا تھا۔ آپ صحابہؓ سے ہٹ کر ایک تابعی کی طرف لپکے۔ مگر یہ قول ان سے کسی قابل اعتماد سند سے ثابت ہی نہیں۔ اگر آپ ثابت فرمادیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ پھر صحابہ کرام کے اجماع اور متواتر تعامل مخالفت یزید کے خلاف کوئی ایسا قول بسند صحیح بھی مل جاتا تو وہ شاذ ہوتا جس طرح قرآن پاک کی متواتر آیت میں ہے:

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته - اب درمنثور وغیرہ میں یوں بھی ہے: یایھا الرسول بلغ ما انزل الیك فی ولایة علی والائمة تو یہ شاذ ہے۔ متواترات کے خلاف شواز پیش کرنے کا سبق کہیں روافض سے تو نہیں پڑھ لیا۔ ذرا تفصیل ملاحظہ ہو۔ آپ کے استاذ محترم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حرم مکہ میں پناہ لی اسی لئے ان کو عائذ البیت کہتے تھے اور مکہ مکرمہ میں وہ غالب رہے اور یزید حاکم مدینہ کو حکم دیتا تھا کہ اہل مدینہ سے لشکر تیار کر کے مکہ مکرمہ پر حملہ کرو۔ یہ حکم اور اس قسم کے بعض دوسرے احکام کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی جس کے نتیجہ میں مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ پیش آیا جس میں مدینہ منورہ میں سینکڑوں صحابہ اور صحابہ زادے قتل کئے گئے۔ اور (علاوہ دیگر کے) ایک ہزار کنواری لڑکیوں سے زنا کیا گیا، جیسا کہ کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ میں بہت بڑا شر اور بہت بڑا فساد پھیل گیا جیسا کہ تاریخ ہمیں بیان کرتی ہے، فانا للہ وانا الیہ راجعون (معارف السنن ص ۷، ج ۶)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں فرماتے تھے:

یزید القرود شارب الخمور تارك الصلوات منعکف علی القینات (البدایہ ص ۲۲۲، ج ۸)

بندروں والا یزید، شرابیں پینے والا نمازوں کا تارک گانے والیوں کو چھٹنے والا۔" یہ خطبہ وہ حرم پاک میں دیتے تھے۔ میرے خیال میں کوئی سنی یہ سوچ بھی نہیں

سکتا کہ صحابی رسول، نواسہ صدیق حرم پاک میں برملا جھوٹ بولتے ہوں اور کوئی ایک آدمی بھی سارے مکہ مکرمہ میں ان کو ٹوکنے والا نہ ہو۔

وفد اہل مدینہ

جبکہ ایک طرف یزید اہل مدینہ کو بار بار مجبور کرتا تھا کہ مکہ مکرمہ پر حملہ کرو۔ ادھر مکہ مکرمہ والے اس کو برملا فاسق کہتے تھے تو اہل مدینہ نے اشراف اہل مدینہ (صحابہ وجلیل القدر تابعین رحمہم اللہ) کا ایک بہت بڑا وفد تشکیل دیا۔ اس وفد کے سربراہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ "صحابی اور حضرت عبداللہ بن مطیع "صحابی تھے۔ یہ تحقیقاتی کمیشن جب واپس لوٹا تو اس کی رپورٹ کیا تھی: ولما رجع وفد المدینة الیها اظهروا شتم یزید وعیبه وقالوا: قدمنا من عند رجل لیس له دین یشرب الخمر وتعزف عنده القینات بالمعازف وانا نشهد کم انا قد خلعناه فتابعهم الناس علی خلعه۔ اور منذر بن زبیر نے بھی کہا کہ وہ شراب میں بدمست رہتا ہے اور نماز بھی نہیں پڑھتا۔ (البدایہ ص ۳۱۸، ج ۸)

اور یہ بھی کہا کہ: ان یزید یشرب الخمر ویترك الصلوة ویتعدی حکم الکتاب (البدایہ ص ۲۳۶، ج ۸)

خلاصہ اس تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ کا یہ تھا کہ یزید ایک بے 1 دین آدمی ہے، شراب پیتا ہے، احکام الٰہی سے تجاوز کرتا ہے، نماز نہیں پڑھتا گانے والیاں باجوں طبلوں کے ساتھ اس کے اردگرد گاتی بجاتی رہتی ہیں۔ تو سب اہل مدینہ نے اس تحقیق کو تسلیم کر کے یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔ یزید نے تقریباً بارہ ہزار کا لشکر بھیجا۔

فخرج اهل المدینة بجموع کثیرة وهیئة لم یر مثلها

(البدایہ ص ۲۲۵، ج ۸)

اہل مدینہ بھی اتنی کثرت سے نکلے کہ اس طرح نکلنا کبھی دیکھا نہ گیا۔ گویا کہ ان سب نے وفد کی تحقیقات کو مانا۔ اس لڑائی میں سات سو مہاجرین وانصار شہید ہوئے اور ان کے علاوہ دس ہزار آدمی اور شہید ہوئے۔ تین دن تک یزید کی فوج نے مدینہ منورہ کو مباح قرار دیا جو سامنے آتا اس کو قتل کرتے، اہل مدینہ کے مال لوٹتے۔ ایک ہزار عورتوں نے بغیر خاوندوں کے بچے جنے۔ (البدایہ ص ۲۲۴، ج ۸)

حافظ ابن کثیر رحمہا اللہ آخر میں لکھتے ہیں کہ یزید نے یہ فاحش خطا کی کہ مدینہ منورہ کو تین دن مباح قرار دیا اور صحابہؓ اور صحابہ زادوں کو قتل کیا۔ اس نے عبید اللہ بن زیاد سے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل کروایا۔ ان تین دنوں میں مدینہ منورہ میں ایسے ایسے مفاسد پیش آئے جن کو نہ گنا جا سکتا ہے، نہ بیان کیا جا سکتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ یزید نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ اس کی حکومت مضبوط ہو، لیکن خدائے قاہر نے اس کو عذاب میں پکڑ لیا۔

فقصمه الله قاصم الجبابرة اخذه واخذ عزيز مقتدر و كذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى وهى ظالمة ان اخذه اليم شديد (البدایہ ص ۲۲۵ ج ۸)

اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور وہ جابروں کی کمر ایسے ہی توڑتا ہے۔ اس کو ایسا پکڑا جو غالب اور قادر کی پکڑ ہوتی ہے، ہلنے تک نہ دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو پکڑتا ہے اور اس کی پکڑ بڑی دکھ دینے والی اور سخت ہے۔ مولانا! ان سب صحابہ و تابعین رحمہم اللہ کے مقابلہ میں آپ ایک محمد بن الحنفیہ کی بات جو بے سند ہے پیش کرتے ہیں، جس کی بات کو تمام اہل مدینہ نے رد کر دیا وہ آپ کو پسند آ گئی۔

آخری بات

آخر میں موضوع سے ہٹنے کی یہ بدترین مثال آپ نے پیش کی ہے کہ یزید کو ملعون، مردود اور پلید کہہ کر حضرت معاویہؓ اور اکابر صحابہؓ کے بارہ میں جو عامۃ الناس کے اذہان کو سوء ظن سے محفوظ رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ "مولانا! آپ اپنے امام عادل کو عادل و صالح ثابت کریں، اسے چھوڑ کر آپ حضرت معاویہ اور اکابر صحابہؓ کا ذکر کرنے لگے۔ تقریباً چودہ سو سال تک اہل سنت والجماعت کا اجماع فسق یزید پر رہا۔ ذرا اسلامی لٹریچر سے دکھائیں کہ اس فسق یزید کے قول سے کتنے عوام صحابہ کرام سے بدظن ہوئے؟ مولانا! کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ یا کسی اور صحابی کے مشورہ سے یزید نے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرایا تھا؟ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے میں کون سے صحابی کا مشورہ شامل تھا؟ حرم کعبہ پر گولے برسانے میں کسی صحابی کا مشورہ شامل تھا؟ کسی ایک صحابی نے ان کاموں میں اس کو عادل اور

صالح قرار دیا ہو؟ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں اس قسم کی کھلم کھلا بے حیائیاں اس نے نہ کی تھیں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض۔ بالفرض اس وقت کسی درجہ میں فاسق تھا تو کسی شرعی مصلحت کے لئے فاسق کی تولیت اور امارت فتنہ سے بچنے کے لئے کسی فاسق کی بیعت کس اصول اہل سنت کے موافق گناہ ہے؟ ذرا واضح فرمائیں۔

ہاں! یہ فرمائیں کہ اگر واقعی صالح اور عادل تھا تو اس کے خلاف سیدنا امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے خروج کا کیا حکم ہے؟ کیا یزید کو صالح اور عادل مان کر آپ اس کو فسق سے بچا سکتے ہیں؟ اگر یزید عادل تھا تو سات سو مہاجرین و انصار اور دس ہزار دیگر اہل مدینہ نے جو اس کی بیعت توڑ کر جانیں تک قربان کر دیں اور سینکڑوں صحابہؓ، تابعین روپوش رہے کیا آپ ان جلیل القدر صحابہؓ کو فسق کے فتویٰ سے بچا سکتے ہیں؟ آپ خود سوچیں کہ ان سب کو فاسق کہنا عظمت صحابہؓ کے موافق ہے یا عظمت صحابہؓ کے تحفظ کے لئے ایک یزید کو فاسق کہہ دینا بڑا جرم ہے؟ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور تمام اہل مکہ نے صالح اور عادل کی بیعت توڑ کر نیکی کی یا گناہ کیا؟ آپ ان سب کو جن میں صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ ہیں فاسق قرار دیتے ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ایک یزید کو عادل کہنے سے کتنے صحابہؓ، جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ اور اہل بیت کو فاسق کہنا لازم آتا ہے؟ ناموس صحابہ کرام کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ اس کو فاسق کہا جائے۔

آخر میں عرض ہے کہ اگر کوئی جملہ سخت نکل گیا ہو تو درگزر فرمائیں اور غور فرمائیں کہ ناموس صحابہ کے تحفظ کے لئے کونسا راستہ درست ہے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ اور اکابر والا یا آپ کا؟ مرید دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔ فقط

محمد امین عفی عنہ

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

(تجلیات صفدر ج ۱ ص ۵۷۹ تا ۵۹۴)

مسئلہ فسق یزید

حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	مسئلہ فسق یزید	۷۰
۲	حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی صف نعال	۷۴
۳	تبصرہ	۷۵
۴	حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریظ کا سباق	۷۷
۵	اصحاب ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ میں فرق مراتب اور بعض بزرگوں میں تقابل	۷۸
۶	حامد رضا خان صاحب کی شاگردی	۷۹
۷	غیر صحابی کا صحابی سے تقابل	۷۹
۸	لطیفہ	۸۰
۹	دفاع معاویہؓ	۸۰
۱۰	دفاع معاویہؓ یا دفاع قاضی صاحب	۸۱
۱۱	توضیح عبارات	۸۱
۱۲	حضرت قاضی صاحبؒ کو حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت	۸۵
۱۳	بیعت یزید	۸۵
۱۴	عوامی انداز یا علمی	۹۱
۱۵	حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک	۹۲
۱۶	حضرت حسینؓ کی یزید کی بیعت پر آمادگی	۹۵
۱۸	لفظ امیر المؤمنین	۱۰۰
۱۹	امام زین العابدینؒ	۱۰۱
۲۰	حضرت نعمان بن بشیرؓ	۱۰۴
۲۱	یزید کے مامورین کفار یا مؤمنین؟	۱۰۴
۲۲	مسئلہ تکفیر و لعن یزید	۱۰۶
۲۳	مومن کو کافر کہنا کفر ہے	۱۰۷
۲۴	حافظ ابن تیمیہ حنبلی	۱۰۸
۲۵	حافظ ابن تیمیہ اور یزید	۱۰۹
۲۶	بارہ خلفاء	۱۱۲
۲۷	مسئلہ لعنت	۱۱۳
۲۸	فاسق و فاجر بنانا یا بتانا	۱۱۳
۲۹	حضرت حسینؓ کا سر	۱۱۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ فسق یزید

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان ۱۴۲۵ھ کی اشاعت میں حضرت مولانا محمد انور اوکاڑوی مدظلہم رئیس شعبہ دعوت وارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان کا ایک مضمون محرم الحرام کے حوالہ سے شائع ہوا۔

اس پر کسی صاحب نے خط لکھا، آپ نے جواب لکھا، تسلسل کے ساتھ دوسرے صاحب کے خط کو اندراج کرنے کی بجائے ضرورت کے تحت ان کے اشکالات مختصراً درج کر کے ان کے جوابات دے دیئے گئے۔ خالصتاً علمی بحث ہے اور باحوالہ ہے۔ ''تجلیات انور'' کی پہلی جلد کے ص ۲۸۶ سے ۳۳۶ سے یہ مقالہ لے کر ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کے نمبر انتالیس (۳۹) پر شائع کر رہے ہیں۔

خالص علمی اور معلوماتی بحث ہے۔ مغلق اور پیچ در پیچ بھی ہے۔ اہل علم توجہ سے پڑھیں گے تو بہت انبساط حاصل ہوگا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ فسق یزید

معزز قارئین کرام! گزشتہ محرم ۱۴۲۵ھ کے شمارہ (ماہنامہ الخیر ملتان) میں بندہ نے ضرورت اتحاد اور ''ضرورت اتحاد'' پر مضمون لکھا تھا۔ میرے مخاطب تمام وہ فرقے تھے جو اہل سنت سے کسی نہ کسی مسئلہ میں شذوذ اختیار کر گئے ہیں مگر محرم کی مناسبت سے کچھ رفض وخروج کی مثالیں زیادہ ذکر کر دیں۔ اب بھی بندہ اس موقف کو درست سمجھتا ہے کہ اسلاف سے کٹ کر نئے فرقے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسلاف پر عدم اعتماد سے صرف ایک آدھ مسئلہ نہیں چھوٹے گا بلکہ پورے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ پہلے اسلاف سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور بعد میں بدزبانی اور اولیاء اللہ پر بدزبانی ایمان لیوا ثابت ہوتی ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے گا میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور اس خداوندی محاربہ سے ایمان کا سلامت رہنا مشکل ہے۔ اس کی بہت سی واقعاتی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مرزائیت، نیچریت، انکار حدیث، موجودہ دور کے اکثر لامذہب فرقے اس درخت کا کڑوا پھل ہیں۔ ایک یہ بات بھی قارئین کرام کے پیش نظر رہے کہ دنیا اور دین کے تمام شعبوں میں اہل فن کے خلاف کوئی نہ کوئی شاذ قول مل جاتا ہے۔ وہاں جس طرح دنیاوی شعبوں میں جمہور اہل فن کی رائے کو آخری فیصلہ سمجھا جاتا ہے اس طرح ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں بھی علیکم بالسواد الاعظم کے فرمان ذیشان سے شاذ اقوال کو چھوڑ کر اہل سنت کے سواد اعظم سے وابستہ رہنے کا حکم فرمایا ہے اور شذوذ کی صورت میں جہنم کی وعید سنائی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

بندہ نے اپنے مضمون میں سیدنا امیر معاویہؓ اور یزید کے بارہ میں جمہور اہل سنت کا موقف سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ سیدنا حضرت علیؓ کے ساتھ محاربہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں رافضیت اور ناصبیت کی دو متضاد رائے افراط وتفریط کا نتیجہ

ہیں کہ رافضی ان کی طرف خطائے عنادی کا قول کر کے ایمان کے ہی منکر ہو گئے اور ناصبی ان کو درجہ عصمت دینے کی فکر میں ہیں جب کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک معتدل یہ ہے کہ حضرت علیؓ برحق تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے خطاء اجتہادی ہوئی جس پر انہیں ایک اجر ملے گا یہ بات اہل سنت والجماعت کی تقریباً تمام کتابوں میں موجود ہے اور بندہ نے یہ لکھا تھا کہ کچھ لوگ خطاء اجتہادی کا لفظ سن کر آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ روافض کی طرح حضرت امیر معاویہؓ کو معصوم سمجھتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

ایک دفعہ ایسا ہی ایک شخص مجھے کہنے لگا کہ ہدیۃ الشیعہ میں مولانا نانوتویؒ نے حضرت امیر معاویہؓ کی توہین کی ہے۔ میں نے کہا کہ اس وقت ہدیۃ الشیعہ میرے پاس نہیں اس سے قبل آپ نے دفاع معاویہؓ پر اعتراض کیا تھا مگر اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین والا مفہوم آپ اس سے نکالتے ہیں وہ اس میں موجود نہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے بھی بعد میں وہ کتاب دیکھی تھی، اس میں وہ بات نہیں۔ میں نے کہا اسی طرح حضرت نانوتویؒ کی عبارت اگر آپ غور سے پڑھیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ اس میں کوئی توہین نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب دیکھنے پر پتہ چلا کہ حضرت نانوتویؒ نے حضرات شیخینؓ یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے شیخین کی زندگی کو زاہدانہ اور حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی کو ملوکانہ لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔ بس اس عبارت کے سیاق و سباق کو چھوڑ کر لفظ ملوکانہ کو لے کر حضرت نانوتویؒ کو گستاخ صحابہ کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ حضرت نانوتویؒ نے ساتھ ہی یہ لکھ دیا تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی حکومت جابرانہ تھی کیونکہ ان کا عدل دُنیا میں مشہور ہے۔ طرز زندگی میں فرق ہوتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی زاہدانہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی ملوکانہ تھی۔ (ملخص ہدیۃ الشیعہ)

میں نے بعد میں یہ پوری عبارت دکھا کر ساتھیوں کو مطمئن کیا کہ اس میں کوئی توہین والا پہلو نہیں، اگر لفظ ملوکانہ سے توہین ہے تو وہی لفظ حضرت نانوتویؒ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے استعمال کیا ہے حالانکہ وہ نبی ہیں تو جو لفظ ایک نبی کے لئے

استعمال ہونا توہین نہیں تو صحابی کے لئے وہ توہین کیسے بن گیا؟ کیا ان لوگوں میں حضرت امیر معاویہؓ کی عظمت حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ ہے؟

بہر حال میرے گزشتہ محرم کے مضمون پر بہت جگہ ماتم ہوا۔ اکابرین پر تبرا کا رُخ میری طرف پھر گیا، تقریروں کے علاوہ ایک سترہ صفحے کی تحریر بھی اسلام آباد سے موصول ہوئی جس میں یہ لکھا کہ اس مضمون میں حضرت امیر معاویہؓ کی صراحہ اور دیگر بعض صحابہؓ و تابعین کی اشارۃ توہین کی گئی ہے اور اپنے خط کے جواب لکھنے کا اولا بندہ سے اور پھر حضرت مہتمم صاحب قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ سے اور حضرت مولانا محمد از ہر صاحب سے پرزور مطالبہ کیا گیا۔ اس لئے بندہ اس مضمون کی وضاحت کے لئے قلم اٹھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سہو ونسیان سے امن وحفاظت میں رکھیں۔ وما ذالك على الله بعزيز!

۱..... پہلا سوال انہوں نے خطاء اجتہادی کو عبارت اور اس پر اجر ملنے پر کیا ہے کہ یہ بات تکملہ فتح الملہم اور نووی کی وضاحت کے خلاف ہے۔

میں نے خطاء کی دو قسمیں ذکر کی تھیں۔ عنادی اور اجتہادی۔ خطاء محض پر اجر ذکر نہیں کیا۔ ترمذی شریف میں اصلاح بین الناس کے لئے جھوٹ کو حلال کہا گیا ہے یعنی اصلاح کے ساتھ کذب اپنے اصلی حکم لعنت سے خارج ہو جاتا ہے، اس کو شیخ۔ سعدی نے فرمایا: دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

دروغ مصلحت کی آمیزش سے بہتر بن جاتا ہے۔ اسی طرح خطا اجتہاد کی آمیزش سے خطائے محض یعنی رفع عن امتی الخطاء والنسیان سے خارج ہو کر اجتہادی حکم میں مدغم ہو گئی اور اگر عناد سے ملتی تو گناہ کے اندر داخل ہو جاتا۔ بہر حال یہ بات تو مسلم ہے کہ مجتہد تخطی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ خطاء اجتہادی کی صورت میں ماجور ہیں خواہ آپ خطاء پر اجر نہ مانیں اجتہاد پر مانیں۔ اصل مسئلہ جس پر سارا ماتم ہو رہا ہے وہ خطائے اجتہادی کا ہے۔ صاحب فتح الملہم اور امام نووی بھی اس کے قائل ہیں۔ ہر باطل گروہ اصول اکابر سے چوری کر کے نتیجہ اسلاف کے خلاف نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ منکرین حدیث یہ اتفاقی اصول اکابر سے لیتے ہیں کہ خلاف قرآن جو

حدیث ہو وہ واجب الرد ہے اور پھر تمام روایات جو ان کے ذہن کے موافق نہ ہوں ان کو قرآن کے مخالف کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں بلکہ ان کے کشیدہ کردہ غلط مفہوم کے مخالف ہوتی ہیں۔ اسی طرح آپ نووی اور صاحب فتح الملہم سے صراحۃً ذکر کردہ خطاء اجتہادی کو نہیں لیتے۔ آپ کے عقیدہ کے مطابق تو یہ دونوں گستاخ صحابہ ہوں گے پھر ان کے اقوال نقل کرنے میں آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟

۲..... خطائے اجتہادی جس سے بھی ہو اس کو ایک اجر ملے گا مگر صفینی اجتہاد میں آیت استخلاف اور اجماع اہل سنت سے حضرت علیؓ کا حق پر ہونا ثابت ہے اس لئے جانب مخالف میں خطاء یقینی ہوگئی اس لئے اگر کوئی اس کے خلاف حضرت علیؓ کو خطاء اجتہادی کا مرتکب کہے تو وہ قرآن اور اجماع اہل سنت کا مخالف ہے اس لئے آپ کا یہ عقلی احتمال ختم ہو گیا۔ ویسے آپ خلیفہ راشد کے بارہ میں یہ خطاء کا احتمال ذکر کرنے گستاخ علیؓ تو نہیں ہے؟ نیز تھوڑا سا غور کریں کہ گستاخ قرآن اور انکار اجماع کے مرتکب تو نہیں ہو گئے؟

۳..... آیت استخلاف اور اجماع امت کی مخالفت سے بچانے کے لئے جب خطاء اجتہادی کا کم قول کیا جائے تو وہ حضرت امیر معاویہؓ کی برأت کے لئے ہے نہ محض تخطہ کے لئے۔

۴..... حضرت قاضی صاحب کی پوری عبارت پڑھیں تو آپ کا اعتراض غلط ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہیں معصوم نہیں لکھا۔ آیت استخلاف ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم کہ خلافت راشدہ میں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین مروج ہو گا اس سے حضرت علیؓ سے خطاء اجتہادی کے احتمال کی نفی کی ہے، اگر ذاتی طور پر معصوم ہوتے تو اس آیت کی مخالفت کی دلیل ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

تو حضرت کا یہ فرمان کہ اللہ کی مرضی کے خلاف وہ کام کر ہی نہیں سکتے یہ آیت ارتضی لھم دینھم کی وجہ سے ہے نہ عصمت ذاتیہ کی وجہ سے آپ کے اس خطا کے ذکر کرنے سے تو اس وعدہ خداوندی کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطاء فرمائے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی صف نعال

آپ نے اس فرق مراتب کے انداز کو حضرت امیر معاویہؓ کی توہین وتنقیص شمار کیا ہے اور ایک کو دوسرے کے جوتوں میں بٹھلانا اور سوء ادب قرار دیا ہے۔

محترم! یہ عبارت آپ نے بھی تسلیم کر لی ہے کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی ہے اور مولانا نعمانی نے ان کے حوالہ سے لکھی ہے۔ آپ نے میرے بارہ میں لکھا ہے کہ آپ نے اس عبارت کی تصدیق کرتے ہوئے اس کو عقیدہ اہل سنت قرار دیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ: "حضرت لکھنوی کی شخصیت کے پیش نظر اس کی کوئی مناسب توجیہ تو کی جائے گی۔" (الخ)

جواباً عرض ہے کہ بندہ نے تو اس کی توجیہ بھی ذکر کی تھی۔ جناب کی نظر شفقت میں باریابی حاصل نہیں کر سکی۔ بندہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: "یہ بالکل اہل سنت کے عقیدہ کی وضاحت تھی کہ اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اہل سنت کے ہاں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں حضرت امیر معاویہؓ شامل نہیں۔"

(الخیر ص (۲۱) کیا یہ بات الفاظ کی ہے یا معنی کی؟)

اور بندہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ صرف نعال کا بھی محاورہ میں حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ مجازاً مقام خدام لیا جاتا ہے، یا آخری صف مراد ہوتی ہے۔ اس میں کوئی پہلو توہین والا نہیں۔ (ص ۲۲)

میں نے تو حضرت لکھنوی کی عبارت کی یہ بھی توجیہ کی تھی اور لکھا تھا کہ ان الفاظ کا حقیقی معنی مراد نہیں مگر آپ پھر بھی لکھ رہے ہیں کہ: ایک کو دوسرے کے جوتوں میں بٹھلانا سوء ادب اور توہین ہے۔ (خط، ص ۴) آپ نے لکھا ہے کہ: "ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت لکھنوی نے یہ بات کس موقع پر اور کس سیاق وسباق میں کہی۔ اور پھر لکھا ہے کہ اس انداز کو توہین کے شائبہ سے بھی پاک جان کر اس کی تصحیح ہرگز ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔" (خط، ص ۳) اور پھر لکھا ہے کہ: "اس کو اس طرح صحیح بتلانا بالکل غلط ہے اصول اہل سنت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ (خط، ص ۴)

نیز آپ نے لکھا ہے کہ اس میں عظمت معاویہؓ کو فراموش کرنا ہے۔ (مفہومہ خط ص ۴)

تبصرہ

مکرمی! جب آپ کو حضرت لکھنویؒ کی بات کے سیاق و سباق کا ہی علم نہیں تو آپ مولانا لکھنویؒ پر ایسے سخت فتوے لگا کر رافضیوں کو خوش کر رہے ہیں کہ زندگی بھر دفاع صحابہؓ کرنے والے شخص کو بھی عظمت صحابہؓ کا پاس نہیں تھا۔ آپ کا سیاق کلام کے بغیر ادھوری بات لینا اس شخص کی طرح نہیں جو کہا کرتا تھا:

لا تقربوا الصلواۃ زنہیم بخاطر است
و از امر یاد ماندہ کلوا واشربوا مرا

اسی طرح آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے بارہ میں فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ نفیس شاہ صاحب کا انداز بیان سے کیا مطلب ہے۔ الفاظ بہر حال غلط ہیں ۔(خط، ص ۳) اور اس پر بھی آپ نے توہین کا حکم لگایا ہے۔ (ص ۳) اور لکھا ہے کہ: نفیس شاہ صاحب نے حضرت معاویہؓ کو نیچا دکھانے بلکہ بنانے کے لئے استدلال کیا ہے۔ (خط ص ۴)

محترمی! جب آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز بیان ہی معلوم نہیں تو آپ اتنے سخت فتوے ان پر کیسے لگا رہے ہیں۔ میں نے لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحب تو ناقل ہیں اور ناقل جب حوالہ دے دے تو وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ (الخیر ص ۲) آپ نے لکھا ہے کہ یہ اصول مودودی صاحب اور لعل شاہ صاحب پر بھی لاگو ہوگا۔ نیز کیا روافض حضرات صحابہؓ کی توہین و تنقیص بلکہ تکفیر تک میں بھی قرآن و حدیث اور سنی کتب تک کے حوالے نہیں دیا کرتے۔ (خط، ص ۴) اور آپ نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے صرف حوالہ نہیں دیا بلکہ استدلال کیا ہے، اگر وہ حوالہ سے بری الذمہ بھی ہو جائیں تو استدلال سے بری الذمہ نہیں ہونگے۔ (بمفہومہ خط، ص ۴) تو جواباً عرض ہے کہ مودودی صاحب اور لعل شاہ صاحب اور روافض کے بہت سے حوالے غلط ہوتے ہیں۔ بہت سے مقامات پر آپ کی طرح سیاق و سباق سے کاٹ کر عبارت نقل کرتے ہیں اور بعض

جگہ عبارت سے آپ کی طرح غلط مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو ان پر قیاس کرنا اور ان کے انداز بیان سے لاعلمی کے ساتھ ان پر اعتراض کرنا مودودیت اور رافضیت ہے یا بغض اہل بیت کا شاہکار ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے نہ کوئی اپنا دعویٰ کیا ہے، نہ استدلال۔ انہوں نے مولانا نعمانی کے اس دعوئی کو کہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی میں غیر معمولی اعتدال تھا ان کی دلیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور صرف یہ لکھا ہے کہ اس زمانے میں محمود عباسی کی تحریروں سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیدنا معاویہؓ کا دفاع کرتے ہوئے جادہ حق سے تجاوز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علیؓ المرتضی کرم اللہ وجہہ کی تنقیص و تنقید کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی افراط و تفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ (تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہؓ ص ۱۹)

اس کے بعد حضرت نے مولانا نعمانی کی عبارت ان کے دعوئی اور دلیل کے ساتھ نقل کی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے بندہ الفرقان لکھنؤ کی پوری عبارت نقل کرتا ہے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کے حالات لکھتے ہوئے غیر معمولی اعتدالؒ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: "مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقول نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی المرتضی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حضرت علیؓ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علیؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے سعادت اور باعث فخر ہے۔ (الفرقان لکھنو وفیات نمبر، اپریل مئی، جون ۱۹۷۷ء ص ۱۰۵)

لیجئے! بندہ نے امام اہل سنت مولانا لکھنوی کی بات کا سیاق وسباق بھی آپ کو دے دیا اور مولانا نعمانی کا دعویٰ غیر معمولی اعتدال اور مولانا لکھنوی کا حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے فرق درجات کا دعوی اور مبحوث عنہا عبارت کا بطور دلیل مذکور ہونا بتلا دیا ہے۔ امید ہے کہ اب اگر بُغضِ اہل بیت نہ ہو تو حضرت شاہ صاحب کا پیچھا چھوڑ دیں گے اور روئے سخن امام اہل سنت کی طرف کریں گے تا کہ ناصبیت کے ساتھ ساتھ رافضیت سے بھی آپ کو داد ملے، مگر یہ سوچ لیں کہ یزیدیت اور رافضیت نے حضرت حسینؓ کے اخلاق کی قدر نہیں کی تو آپ کی قدر کیسے کریں گے؟ اور یا روئے سخن ناقل اور مدعی اول حضرت مولانا نعمانی کی طرف کریں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریظ کا سیاق

قارئین کی اطلاع کے لئے کہ صاحب خط نے حضرت شاہ صاحبؒ پر جو حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ سراپا غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت کا ماقبل ذکر کرتا ہوں، حضرتؒ فرماتے ہیں:

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جزو ایمان ہے۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کے قلوب میں ان کی محبت وعقیدت موجزن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ سے ادنی صحابیؓ بھی اس مقام رفیع پر فائز ہے جہاں اُمت کے دوسرے افراد کی رسائی نہیں، چاہے وہ غوث ہوں، قطب ہوں، ابدال ہوں، فقہاء ہوں، محدثین ہوں یا مجددین ہوں۔ تیرہ بخت ہیں وہ لوگ جن کے سینہ و دل صحابہ کرامؓ کے بغض و کینہ کی کمین گاہیں ہیں۔ چاند پر تھوکا اپنے منہ پر گرتا ہے۔ جس مقدس جماعت کی شان پر قرآن کریم شاہد ہو اور جس کی مدح میں خود سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم رطب اللسان ہوں اسے مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں، لیکن افسوس ہے ان پر جنہوں نے ان پاک بازانِ اُمت کی عداوت میں اپنا ظاہر و باطن سیاہ کر لیا۔ آخرت میں جب اپنے انجام کو پہنچیں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے تو سوائے حرمان و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ان نفوس قدسیہ کے درجات عالیہ تو لحظہ بہ لحظہ ترقی پذیر ہیں۔ خاک اڑانے والے اپنے ہی سروں پر

خاک ڈالتے رہیں گے۔ یوں تو پوری جماعت صحابہؓ ہی ان ظالموں کے سب وشتم کا نشانہ ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ امام مظلوم حضرت سیدنا عثمانؓ اور حضرت سیدنا معاویہؓ ان کے زہر آلود تیروں کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدبختوں سے پوری اُمت کو محفوظ فرمائے۔ (تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہؓ ص ۱۸، ۱۹)

آپ خود فیصلہ کریں کہ ایسی ذات کے بارہ میں یہ حکم لگانا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی توہین کرتے ہیں کتنا بڑا ظلم ہے۔

اصحاب ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ میں فرق مراتب اور بعض بزرگوں میں تقابل

آپ نے لکھا ہے کہ..... اگر کوئی خارجی یا ناصبی یہی طریقہ اصحاب ثلاثہ اور حضرت علیؓ میں فرق مراتب بیان کرتے ہوئے اپنائے اور یوں کہے کہ اصحاب ثلاثہ کی صف نعال میں بھی اگر حضرت علیؓ کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے اور ایسے ہی اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت مدنی کی صفِ نعال میں بھی حضرت رائے پوری کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے یا کوئی یوں کہے کہ حضرت قاضی صاحب کی صف نعال میں بھی حضرت نفیس شاہ صاحب کو جگہ مل جائے تو یہ ان کی سعادت ہے تو کیا آپ کے نزدیک فرق مراتب بیان کرنے کا یہ انداز صحیح ہوگا؟ کیا آپ کے نزدیک اس انداز بیان میں کوئی قباحت نہیں؟ (خطص ۳)

تو جواباً عرض ہے کہ اصحاب ثلاثہ اور حضرت علیؓ میں فرق مراتب نص اور اجماع جیسے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے اور باقی بزرگوں میں کوئی واضح دلیل نہیں، لہذا اصحاب ثلاثہ اور حضرت علیؓ میں اگر امام اہل سنت حضرت لکھنوی جیسا شخص یہ فرق مراتب بیان کرے اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ جیسا شخص جو کلام کے معانی، حقیقت ومجاز کے فرق کو سمجھنے والا ہو نقل کرے تو اس میں یقیناً کوئی توہین نہیں ہوگی، البتہ آپ جیسا جلا بھنا ناصبی اگر بیان کرے جو محاوراتی معانی سے ناواقف ہو تو اس کے لئے یقیناً ناجائز ہوگا۔ یہ بات کر کے آپ نے ان بزرگوں کے متعلقین میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے شیطان کی طرح شہد کی انگلی لگائی ہے۔ جب ان بزرگوں کے حالات سے واقف ہر شخص

جانتا ہے کہ وہ تو ایک دوسرے پر جان نثار کرنے کے لئے تیار تھے اور الحمد للہ ان کے متعلقین کی بھی یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی الفت ومحبت پر خاتمہ فرمائے۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

حامد رضا خان صاحب کی شاگردی

حضرت تھانویؒ کی عبارت حفظ الایمان کو آپ کی طرح سیاق وسباق سے جدا کر کے احمد رضا خان نے کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ پوری عبارت کے مفہوم سے واقفیت کے بعد فتوی دینے والے علمائے حرمین شریفین نے اپنے فتوی سے رجوع کر لیا لیکن احمد رضا کی ذریت اسی پر ڈٹی رہی کہ اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ حامد رضا نے کہا کہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی جگہ اپنے پیر حضرت تھانوی کا نام لکھ کر یہی عبارت شائع کریں تو ہم مان جائیں گے کہ اس میں توہین نہیں مگر مولانا نعمانیؒ ہرگز ایسا نہیں کریں گے جو اس کی دلیل ہے کہ یہ عبارت توہین والی ہے۔ تو جواباً مولانا نعمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کا نام لکھ کر وہ عبارت الفرقان میں شائع کر دی تو حامد رضا نے کہا کہ نعمانی صاحب نے اپنی مسلکی لاج رکھنے کے لئے یہ عبارت لکھ دی ہے ورنہ سمجھتے وہ بھی ہیں کہ یہ عبارت توہین والی ہے۔ مولانا نعمانی نے فرمایا کہ تم عدالت میں مقدمہ کرو، میں عدالت میں ثابت کروں گا کہ یہ عبارت توہین والی نہیں ہے۔ اس پر ان کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ آپ نے بھی رضاخانی طرز اختیار کیا ہے۔

غیر صحابی کا صحابی سے تقابل

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت قاضی مظہر حسینؒ صاحب حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے معتمد علیہ ہیں اور حضرت شاہ صاحب حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوری کے معتمد علیہ ہیں۔ ان کے بارہ میں توہین صحابہ کرامؓ کا سوچنا صحیح نہیں۔ آپ نے فوراً ان کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کو لا کھڑا کیا کہ سیدنا امیر معاویہؓ امام الانبیاء اور صحابہ کرامؓ کے معتمد ہیں۔ (خلاص ۴)

میں نے تو آپ جیسے معترضین کو سمجھانے کے لئے لکھا تھا کہ آپ سے زیادہ ان میں حب صحابہؓ ہے کیونکہ یہ بزرگوں کے معتمد علیہ ہیں۔ اس کے جواب میں آپ اپنا کسی اللہ والے سے تعلق ثابت کر دیتے اور کوئی نہیں ملتا تھا تو یہی لکھ دیتے کہ ہم محمود عباسی کے معتمد علیہ ہیں۔ آپ نے ان بزرگوں کے مقابلہ میں صحابی رسول کو لا کھڑا کیا اور عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ یہ بزرگ صحابہ کرامؓ کے خلاف ہیں حالانکہ یہ آپ کے غلط نظریہ کے خلاف ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مرزائی اجرائے نبوت کا غلط نظریہ قرآن کی طرف منسوب کرتا ہے علماء جب اس کی تردید کرتے ہیں تو وہ شور مچاتا ہے کہ مولوی قرآن کی تردید کرتے ہیں۔ ہم نہ مرزائی کے غلط نظریے کو قرآن ماننے کے لئے تیار ہیں اور نہ آپ کے غلط نظریے کو تعلیم نبوی اور نظریہ صحابہ کرامؓ ماننے کے لئے تیار ہیں۔

لطیفہ

بورے والا کے علاقہ میں ایک ایسے ہی نظریہ کا شخص حب یزید میں مخمور مجھے کہنے لگا کہ تم ہمارے سامنے ہندوستانی مولویوں یعنی حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہی، حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو پیش کرتے ہو ہم صحابہؓ کے مقابلہ میں ان ہندوستانی مولویوں کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا کہ آج تک تو ہم یہی سمجھتے آئے ہیں کہ ان بزرگوں کے ذریعہ ہمیں حب صحابہ ملی ہے مگر آپ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ بزرگ صحابہ کرامؓ کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ کی یہ بات بالکل ایسے ہی ہے جیسے غیر مقلد کہتا ہے کہ ہم نبی کے مقابلہ میں اماموں کو نہیں مانتے، ہم ان کو بھی سمجھاتے ہیں کہ اماموں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو امت تک پہنچایا اور دین کی خدمت کی، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کیا۔ اسی طرح ہم آپ کو بھی سمجھاتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے عظمت صحابہ کرامؓ سے لوگوں کو روشناس کرایا ہے، صحابہ کرامؓ سے مقابلہ نہیں کیا۔

دفاع معاویہؓ

میرے ان الفاظ پر کہ میں نے وہ کتاب دیکھی نہیں، آپ نے لکھا کہ "جب

دیکھی نہیں تو اس کے بارہ میں تمہاری رائے غیر معتبر ہے۔ آگے میں نے لکھا تھا کہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ یہ الفاظ میں نے کتاب دیکھ کر ہی لکھے تھے مگر آپ کی نظر ان پر نہیں پڑی۔

دفاع معاویہؓ یا دفاع قاضی صاحب

آپ نے لکھا ہے کہ قاضی صاحب نے اس کتاب میں اپنا دفاع کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کا دفاع نہیں اور حضرت قاضی صاحب کی تیرہ (۱۳) عبارتیں اپنا گستاخانہ مفہوم ڈال کر ان کو حضرت امیر معاویہؓ کی گستاخی کا مرتکب قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ ان میں بارہ (۱۲) عبارتیں خارجی فتنہ کی ہیں اور ایک دفاع معاویہؓ کی اور حضرت قاضی صاحب کو مودودی بنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے کہ جن لوگوں نے ساری زندگی شیعیت کی تردید کی آج آپ انہیں شیعہ بنا دیں اور جنہوں نے ساری زندگی مودودی کی تردید کی آپ اسے مودودی بنا دیں۔ محترم! میں نے اپنے اصل مضمون میں بھی مودودیت اور اکابر اہل سنت میں فرق لکھا تھا کہ مودودی صاحب خود لکھتے ہیں کہ: "میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں، اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔" (خلافت وملوکیت، ص ۳۴۳)

مگر حضرت قاضی صاحب بار بار اس کو خطاء اجتہادی فرماتے ہیں جس پر ایک اجر ملتا ہے۔ مولوی مظہر حسین نے بھی آپ کی طرح قاضی صاحب کی عبارات کو بگاڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ جمہور کا مسلک جو قاضی صاحب نے پیش کیا ہے اس میں بھی حضرت معاویہؓ کی توہین ہے تو حضرت قاضی صاحب نے بتایا کہ حضرت امیر معاویہؓ پر اس لئے طعن نہیں کہ وہ مجتہد تھے تو یہ حضرت امیر معاویہؓ کا دفاع ہوا نہ کہ حضرت قاضی صاحب کا اپنا دفاع۔

توضیح عبارات

آپ نے لکھا ہے: "(حضرت امیر معاویہؓ) نے بہر صورت اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ (خارجی فتنہ، ص ۴۶۲، ۴۶۱) اور پوچھا ہے کہ یہ حضرت امیر معاویہؓ کی توہین نہیں؟

جواب: یہ سب آپ کے ہاتھ کا کرشمہ ہے ورنہ حضرت کی اصل عبارت دیکھیں، حضرت آیت استخلاف کے ترجمہ کے بعد فرماتے ہیں: "جبکہ حضرت علیؓ المرتضی آیت استخلاف کے امر و وعدہ کے مطابق برحق خلیفہ (صاحب امر) ہیں تو ان کا حکم رعیت کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور سندیلوی صاحب کے اپنے استدلال مذکور کے تحت ان کی خلافت بھی نص قرآنی سے ثابت ہے جس سے لازم آئے گا کہ اگر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا وہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا اور رسول کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے، اس لئے سندیلوی صاحب اس بحث میں بڑے پریشان ہیں اور مختلف بولیاں بول کر اپنا جی بہلا لیتے ہیں۔ (خارجی فتنہ، ص ۴۶۲، ۴۶۱)

اس عبارت کو مکرر سہ کرر پڑھیں کہ حضرت قاضی صاحب سندیلوی صاحب کو یہ الزام دے رہے ہیں کہ جب آپ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق مان لیا (جواب شافی، ص ۱۰) تو یہ بھی خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی طرح عبوری خلافت نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ عزل کے قابل ہوگی تو اگر آپ حکمین کی خطائے اجتہادی کا قول نہیں کریں گے تو بہر صورت اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت لازم آئے گی یعنی خطائے عنادی کو لازم ماننا پڑے گا اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا بھی قابل معزول ہونا لازم آئے گا۔ آپ نے بغیر سوچے سمجھے اس الزامی بات کو حضرت قاضی صاحب کے ذمے لگا دیا۔ حضرت قاضی صاحب تو خطائے اجتہادی کا قول کر کے حکمین اور حضرت معاویہؓ کو آیت کی صریح مخالفت سے بچا رہے ہیں اور آپ اور سندیلوی صاحب ان کو صریح مخالفت کا مرتکب بنا رہے ہیں۔ آپ حضرت امیر معاویہؓ کے نادان دوست ہیں اور قاضی صاحب کی تمام عبارتیں تقریباً اسی طرح بگاڑ رہے ہیں۔ اصل میں حضرت قاضی صاحب یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کو خلیفہ موعود خلیفہ راشد مان لیا تو ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے اور ان سے لڑنے والے آیت استخلاف کے مخالف اور قصوروار ٹھہرتے ہیں۔ ہاں خطائے اجتہادی کی تاویل سے وہ صرف معذور ہی نہیں بلکہ ماجور باجر

واحد بھی ہوں گے اور جو خطائے اجتہادی کے مسلک کے قائل نہیں ان کے نزدیک نص قرآنی وحدیثی کی مخالفت لازم آئے گی جو گناہ ہوگا اور سخت نافرمانی۔ اسی طرح حضرت قاضی صاحب جا بجا حضرت معاویہ کو رضی اللہ عنہ لکھ رہے ہیں مگر آپ نے دُور دُور کے صغرے کبرے ملا کر لکھا کہ قاضی صاحب کے نزدیک وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مصداق نہیں اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔

مکرمی! آپ نے حضرت قاضی صاحب کی آخری عبارت ادھوری یہ لکھی کہ:

وہ صحابی نہ ہوتے تو ان کا حکم اور تھا۔ (خط، ص ۶) آپ کی اس ناقص عبارت سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ حضرت امیر معاویہؓ کی صحابیت کو دفاع حضرت معاویہؓ کے طور پر بیان فرما رہے ہیں کہ ان کی صحابیت ان کے دفاع کے لئے کافی ہے اور ساتھ ہی حضرت نے ان کے اجتہاد کا ذکر کیا تھا جو اجر واحد کا سبب ہے اس کو آپ نے درمیان سے حذف کر کے اپنے بغض کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت کی پوری عبارت یہ ہے:..... حضرت معاویہؓ اگر صحابی نہ ہوتے اور پھر مجتہد ہونے کی وجہ سے ان کا اختلاف بلکہ جنگ وقتال اجتہاد پر مبنی نہ ہوتا تو پھر ان کا حکم اور تھا۔ (خارجی فتنہ، ص ۵۵۰ جلد ۱)

آپ نے خط کشیدہ الفاظ کو عبارت سے حذف کر دیا اور پھر اسی صفحہ پر حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں فرماتے ہیں: "اس وقت حضرت امیر معاویہؓ معذور تھے۔ مختلف حالات کے پیش نظر انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا اور آخر میں اس مطالبہ سے بھی دستبردار ہو گئے۔" (خارجی فتنہ، ص ۵۵۰، جلد ۱)

لیجئے! حضرت قاضی صاحب حضرت امیر معاویہؓ کا دفاع کر رہے ہیں کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی معزولی کا اگر انہوں نے کچھ معروضی حالات کی بناء پر مجبوراً مطالبہ کیا تھا تو بعد میں اس سے دستبردار ہو گئے تھے۔ سندیلوی صاحب اس مطالبہ کو صحیح قرار دینے والے حضرت امیر معاویہؓ کے نادان دوست ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتاب "خارجی فتنہ" کی تائید

بہت سے علمائے حق نے کی ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:
بلاشبہ ان دو مسئلوں میں (یعنی حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کا خلیفہ راشد ہونا اور ان کے مقابلہ میں آنے والوں سے خطاء اجتہادی کا صدور) جناب مصنف نے اہل حق کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہل حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج ونواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے اور جس طرح خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اہل حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔ (بینات، جنوری ۱۹۸۴ء)

البلاغ اکتوبر ۱۹۸۳ء نے لکھا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری اور ان کی مخالفت رفض وشیعیت ہے اور محبت اہل بیتؓ کے باوجود صحابہ کرامؓ کی تعظیم وتوقیر سنیت ہے۔ مولانا مظہر حسین صاحب نے دو حصوں میں ان کے خیالات پر تنقید کی ہے اور پہلے حصہ میں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اکابر علمائے حق کے اقوال اور ان کے تحریری اقتباسات پیش کئے ہیں اور ہر طرح مسلکِ اہل سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ یہ کتاب محض تحفظ مسلک حق کی خاطر تحریر کی گئی ہے۔ (الخ)

ماہنامہ الحق نے لکھا حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے بھی زیر تبصرہ کتاب میں ماانا علیہ واصحابی کے اُصول کے پیش نظر اصلاً خوارج اور ضمناً اہل تشیع کا زبردست نوٹس لیا ہے۔ (الحق، مارچ ۱۹۸۳ء)

ماہنامہ الخیر نے لکھا کہ مودودی صاحب جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کو حقیقۃً باطل پر سمجھتے ہیں اور سندیلوی صاحب اور عباسی صاحب حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کے بھی قائل نہیں ہیں لیکن اہل حق اس افراط وتفریط کے خلاف اعتدال پر قائم ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس موضوع پر قاضی صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ جمہور اہل سنت کا مختار اور راجح موقف ہے۔ (الخیر، فروری ۱۹۸۴ء) ان تبصروں کو مکرر سہ کرر پڑھیں کہ قاضی صاحب اہل سنت کے ترجمان ہیں یا آپ؟

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت

حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ میں بندہ کو بفضلہٖ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ منیٰ میں شب جمعہ ۹/ ذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ ناکارہ سے معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضرت؛ بندہ نے کتاب خارجی فتنہ لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ حضرت معاویہؓ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔ (دفاع معاویہ ص ۱۸۷)

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں خواب گو شرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات میں سے ہوتے ہیں۔

بیعت یزید

آپ نے لکھا کہ یزید کی بیعت صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان نے کی، حتیٰ کہ (نوٹ خط میں خط نویس نے حتیٰ کہ کو اسی طرح لکھا ہے شاید رسم الخط پہ بھی یزید کی مار پڑی ہے) یزید کی بیعت کرنے پر حضرت حسینؓ بھی آمادہ ہو گئے تھے جیسا کہ کتب تواریخ میں موجود ہے۔ تمام اطراف میں یزید کی بیعت ہو گئی تھی اور صحابہؓ وتابعین، آل ابی طالب اور بنی عبدالمطلب آخر تک یزید کی بیعت پر قائم تھے۔ (خط ص ۶)

جواب

یہ بات تو صحیح ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے جب یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تو اکثر حضرات نے ولی عہدی کو تسلیم کر لیا، البتہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور قبل ازیں حضرت معاویہؓ نے زیا

سے مشورہ لیا تو اس نے بھی اس کی ولی عہدی کو ناپسند کیا تھا اور عبید بن کعب نمیری کو حضرت امیر معاویہؓ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے پہلے یزید کو زیاد کی طرف سے سمجھایا کہ وہ ولی عہدی کا مطالبہ نہ کرے اس لئے کہ اس کا اس بات کو ترک کرنا اس کے کوشش کرنے سے بہتر ہے تو یزید بھی اس مطالبہ سے باز آ گیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی ولی عہدی کے ترک پر ان سے اتفاق کر لیا۔ زیاد کی ناپسندیدگی کی وجہ یزید کے لہو ولعب اور شکار کا رسیا ہونا تھا۔ زیاد کے فوت ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے بعض لوگوں کے مطالبہ پر پھر نامزدگی کا ارادہ فرمایا تو ان پانچ صحابہ کرامؓ نے ولی عہدی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ احنف بن قیس (جو مخضرمین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں) نے حضرت امیر معاویہؓ کے حکم سے یزید کی مجالست کے بعد اس کی ولی عہدی کی ناپسندیدگی کا جو اظہار کیا وہ (البدایہ والنہایہ ص ۱۸۳ جلد ۸) پر مذکور ہے۔

اسی طرح مذکورہ صفحہ پر حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت سعیدؓ کا اس بارے میں ناپسندیدگی والا مکالمہ حضرت امیر معاویہؓ سے مذکور ہے۔ بہر حال یہ ابتدائی معاملہ ہے انجام کار کیا ہوا بندہ نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا کہ اکثر صحابہ کرامؓ نے اس کی بیعت توڑ دی تھی۔ چنانچہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ یزید کے معاصی میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی۔ چنانچہ واقدی نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ غسیل ملائکہ حضرت حنظلہؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے یزید کے خلاف بغاوت اس وقت تک نہیں کی جب تک ہمیں اس بات کا خطرہ نہ ہو گیا کہ ہم پر اب آسمان سے پتھروں کی بارش نہ شروع ہو جائے۔ یزید یقیناً ایسا شخص تھا۔ جو امہات اولاد اور بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا تھا اور شراب پیتا تھا اور بالعموم نماز کا تارک تھا، اور علامہ ذہبی نے فرمایا کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ حشر کیا جو کیا اور اس کے خمر پینے اور منکرات کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے لوگ اس کے سخت مخالف ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی عمر میں برکت نہیں ہوئی۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ ذہبی کے قول کہ اہل مدینہ سے جو حشر کرتا تھا کیا اس سے ۶۳ھ کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ یزید کو یہ خبر پہنچی کہ اہل مدینہ نے بغاوت کر کے اس کی بیعت کو توڑ دیا ہے تو اس نے ایک عظیم لشکر اہل مدینہ کی طرف بھیجا اور اس کو اہل مدینہ کے قتل کا حکم دیا، تو وہ لشکر اہل مدینہ تک پہنچا اور مدینہ طیبہ کے دروازے پر حرہ کا معرکہ واقع ہوا اور تجھے کیا معلوم کہ حرہ کی لڑائی کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے ایک مرتبہ حرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی قسم! کہ قریب تھا کہ اہل مدینہ میں سے کوئی ایک بھی نہ بچتا۔ اس حرہ کی لڑائی میں صحابہؓ وغیرہ میں سے ایک عظیم مخلوق قتل ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (الصواعق المحرقہ، ص ۲۲) نیز حافظ ابن حجر مکی فرماتے ہیں واقعہ حرہ میں تین سو صحابہؓ شہید ہوئے۔ (الصواعق، ص ۲۲۲) اور قرآن کے سات سو قاری شہید ہوئے۔ (الصواعق، ص ۲۲۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حرہ کی لڑائی کا سبب یہ بنا کہ اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی اور قریش کا گورنر حضرت عبداللہ بن مطیع کو بنا دیا اور انصار کا گورنر عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر کو بنا دیا۔ ۶۳ھ کے شروع میں انہوں نے اس بات کا اظہار کر دیا اور منبر کے پاس جمع ہو گئے۔ کوئی شخص اپنے سر سے پگڑی اتار کر پھینکتا کہ میں نے جس طرح یہ پگڑی پھینکی اسی طرح یزید کی بیعت پھینکی، کوئی جوتا پھینک کر کہتا کہ میں نے یزید کی بیعت اس طرح پھینکی جیسے جوتا پھینکا، یہاں تک کہ بہت سی پگڑیاں اور جوتے وہاں جمع ہو گئے۔ پھر سب نے اتفاق کیا کہ یزید کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان جو یزید کا چچازاد تھا اس کو اور بنو امیہ کو مدینہ سے نکال دیا جائے۔ بنو امیہ مروان بن الحکم کے مکان میں جمع ہو گئے اور اہل مدینہ نے ان کا احاطہ کر لیا۔ امام زین العابدین اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے آپ کو ان لوگوں سے الگ تھلگ رکھا اور یزید کی بیعت نہیں توڑی بلکہ اپنے اہل خانہ کو بھی بیعت توڑنے سے سختی سے منع کیا اور انہوں نے اہل مدینہ سے موت پر بیعت لینے پر بھی انکار کیا اور کہا کہ ہم تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے میدانِ جنگ سے نہ بھاگنے پر بیعت کرتے تھے (نہ موت پر) اور بنی عبد المطلب میں سے کسی نے بیعت نہیں توڑی اور محمد بن الحنفیہ خود بھی بغاوت سے بچے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش کی۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۲۲۰، ۲۲۱، جلد ۸)

ان چند نفوس قدسیہ کی وجہ سے یہ لکھنا کہ سب صحابہؓ وتابعین یزید کے طرف دار تھے صحیح نہیں۔ خود ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک گروہ یزید پر لعنت کا قائل ہے اور دوسرے حضرات لعنت سے روکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عدم لعنت کے باوجود وہ حاکم فاسق تھا اور حاکم صرف فسق کی وجہ سے زیادہ صحیح قول کے مطابق معزول نہیں ہوتا بلکہ فتنہ فساد، خونریزی، لوٹ کھسوٹ اور عورتوں کی بے حرمتی وغیرہ ان مفاسد کی بناء پر جو حاکم کے فسق سے کئی گنا زائد ہیں بغاوت کی اجازت نہیں۔ (البدایہ ص ۳۲۶، ۳۲۷، جلد ۸)

تو جن حضرات نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا وہ یزید کو صالح نہیں کہتے تھے بلکہ ان مفاسد عظیمہ کی وجہ سے وہ رکے رہے، تو جب صحابہ کرامؓ میں سے اکثر نے بیعت توڑ دی اور بقول ابن شہاب زہری کے یزیدی لشکر نے بڑے بڑے مہاجرین وانصار میں سے سات سو کو اور ان کے علاوہ دس ہزار آزاد اور غلام لوگوں کو قتل کروایا۔ (البدایہ، ص ۲۲۴، جلد ۸) نیز حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سادات صحابہؓ میں سے ایک بہت بڑی جماعت لشکر یزید کے خوف سے چھپ گئی تھی جن میں حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت ابوسعید بھی تھے۔ (البدایہ، ص ۲۲۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اہل مدینہ کی پسپائی پر جب عورتوں اور بچوں کو چیختے چلاتے دیکھا تو فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! یہ شہادت عثمانؓ کے ساتھ ملتا جلتا ظلم ہے۔ (البدایہ، ص ۲۲۴) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں جو حرم مکہ میں خطبہ میں فرمایا کرتے تھے، بندروں والا یزید، شراب پینے والا، نمازیں ترک کرنے والا، گانے والیوں کے پاس بیٹھنے والا۔ (ابن کثیر، ص ۲۲، جلد ۸) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: یکون خلف من بعد ستین سنة اضاعوا الصلوة واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا۔ (ابن کثیر، ص ۲۳۳، جلد ۸)

غور فرمائیں کہ صحابی رسول قرآن پاک کی اس آیت کا مصداق زمانے کے اعتبار سے متعین فرما رہے ہیں اور ابن کثیر یزید کے ترجمہ میں اس روایت کو ذکر کر کے اس کا اولین مصداق یزید کو قرار دے رہے ہیں۔ گویا حضرت ابو سعید بھی یزید کو تارک صلوٰۃ اور شہوات کا پیرو اور جہنمی قرار دے رہے ہیں۔ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے مکہ پر چڑھائی کے لئے جب حکم دیا تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اس فاسق کی وجہ سے دو کام اکٹھے نہیں کروں گا کہ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کیا ہے اور اب مکہ پر حملہ کروں۔ (البدایہ ص ۲۲۲)

یزید کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ (جس کو اسلاف مسرف بن عقبہ کہتے تھے) نے حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت عمروؓ کو بلایا جو واقعہ حرہ میں غیر جانبدار بن کر گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے اور ان سے کہا کہ تیرا مقصد یہ ہے کہ اگر اہل مدینہ غالب آجائیں تو تو کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر اہل شام غالب آجائیں تو تو کہے کہ میں امیر المومنین کا صاحبزادہ ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے کارندوں کو حکم دیا، انہوں نے ان کی داڑھی اکھیڑ دی جو بڑی بڑی تھی۔ (البدایہ، ص ۲۲۳، جلد ۸) حضرت سعید بن المسیب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کسی نے یہ کہہ کر چھڑوایا کہ یہ مجنون ہے۔ (البدایہ، ص ۲۲۴) حضرت جابر بن عبداللہ کے دو صاحبزادے محمد اور عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ ہم ایام حرہ میں اپنے باپ کے ساتھ مدینہ سے نکلے، ان کی نظر جا چکی تھی۔

انہوں نے فرمایا: "ہلاک ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفزدہ کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ ابا جی! کیا کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوفزدہ کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے کہ جس نے انصار کے اس قبیلے کو خوفزدہ کیا اس نے میرے ان دو پہلوؤں کے درمیان والی چیز (دل) کو خوفزدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا۔ (البدایہ ص ۲۲۴، جلد ۸) حافظ ابن کثیر واقعہ حرہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ تیرے لئے مدینہ تین دن کے لئے مباح ہے خطائے فاحش کی کیونکہ یہ بہت بڑا کبیرہ

گناہ ہے اور اس کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد کا قتل بھی ملا ہوا ہے اور یہ بات بھی پہلے گزر چکی ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کروایا اور حرہ کے ان تین ایام میں مدینہ منورہ میں غیر محدود اور نا قابل بیان مفاسد واقع ہوئے جن کا پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس نے مسلمہ بن عقبہ کو بھیج کر بلا منازعت اپنی سلطنت وحکومت کو مضبوطی اور دوام کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد کے خلاف اس کو عذاب دیا اور اس کی خواہشات کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے ہلاک کرنے کی طرح اس کو ہلاک کیا اور غالب قدرت والے کی گرفت کی طرح اس کی گرفت کی۔ و کذالك اخذ ربك اذا اخذ القری وھی ظالمة ان اخذہ الیم شدید (یعنی تیرے رب کی گرفت ایسے ہی ہے جب ظالم بستیوں کی گرفت کرتا ہے، بیشک اس کی گرفت دردناک شدید ہے) (الہدایہ ص ۲۲۵، جلد ۸)

ان چند حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی صحابہ کرامؓ اور تابعین اور خیر القرون والے یزید کے ساتھ نہیں تھے اور یہ کہنا تو بہت بڑی ڈھٹائی ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام آخر تک یزید کی بیعت پر قائم رہے۔ تو جب صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کی اکثریت یزید کے خلاف تھی تو اب خیر القرون اور صحابہ کرامؓ کی عظمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ یزید کو فاسق، فاجر جانا جائے ورنہ اگر یزید کو عادل، صالح مانا جائے تو صحابہ کرامؓ پر حرف آئے گا کہ انہوں نے ایک عادل، صالح کے خلاف خروج کیوں کیا؟ باقی خروج کرنے والے سمجھتے تھے کہ ہم میں قوت ہے کہ ہم حکومت کو تبدیل کریں اور بعض حضرات جنہوں نے خروج نہیں کیا انہوں نے یزید کے حق میں کوئی صفائی کا کلمہ نہیں کہا۔ البتہ وہ خونریزی اور دوسرے مفاسد کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس کی واضح دلیل حضرت ابن عباس کا خط ہے جو آپ نے یزید کو لکھا۔ چنانچہ شقیق بن سلمہ فرماتے ہیں کہ شہادت حسینؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دی۔ حضرت ابن عباسؓ نے بیعت نہ کی تو یزید نے لشکر یہ کا خط لکھا اور دوسرے لوگوں کو بھی

بیعت سے روکنے کا کہا۔ حضرت ابن عباس نے جواب میں بڑا سخت خط لکھا کہ میں نے ابن زبیر کی بیعت ترک کر کے تیرے احسان اور تیری تعریف کا ارادہ نہیں کیا۔ میری جو نیت تھی اس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ تو اپنے احسان کو مجھ سے دور رکھ، میں اپنے احسان کو تجھ سے دور رکھتا ہوں اور تو نے کہا ہے کہ میں لوگوں کے دل میں تیری محبت اور ابن زبیر کا بغض ڈالوں اور اس کی نصرت چھوڑنے پر آمادہ کروں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس میں کوئی خوشی اور عزت نہیں، میں یہ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ تو نے حضرت حسینؓ اور عبدالمطلب کے نو جوانوں کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور نشان راہ کے ستارے تھے اور تو نے ان کے کفن دفن کا بھی انتظام نہ کیا۔ تیرے دل میں خدا اور اس کے رسول اور اس کے ان اہل بیت کی عداوت تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست کفر و شرک کو دور کر کے ان کو خوب پاک صاف کر دیا تھا اور تم نے ان کو ایسے قتل کیا جیسے عجمی کافروں کو قتل کیا جاتا ہے، میرے لئے اس سے بڑی عجیب بات نہیں کہ تو میری محبت کا طالب ہے حالانکہ تو نے میرے باپ کی اولاد کو قتل کر دیا اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے، اب تو میرے انتقام کا ہدف ہے۔ آج تیرا ہم پر فتح پانا تجھے اچھا نہ لگے کیونکہ ضرور ہم بھی ایک دن تجھ پر فتح پائیں گے۔ والسلام

(ملخص کامل ابن اثیر، جلد ۲ ص ۲۰۴)

عوامی انداز یا علمی

آپ نے فرمایا کہ علماء کو عوامی انداز کی بجائے علمی انداز کو اختیار کرنا چاہئے۔

(خطص ۱) جناب! عرض ہے کہ مشاجرات صحابہ کرامؓ کے مسئلہ میں تو علماء کا انداز ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو اس پاک خون میں ملوث ہونے سے بچایا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو بھی ان پاکباز ہستیوں کے مشاجرات سے بچائیں گے۔ مگر جب اہل تشیع نے عوام میں غلط روایات پھیلانی شروع کیں اور ناصبیوں نے بھی تردید شیعہ کے عنوان سے اکابر کی ڈاڑھیاں عوام کے ہاتھ میں پکڑا دیں تو اب عوام کا منہ صاف کرنے کے لیے عوامی انداز ہی ہمیں مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔ آخر آپ کی عباسی پارٹی نے عوام کو جو

ذہن دیئے ہیں کہ خطاء اجتہادی کا مفہوم سمجھائے بغیر عوام میں یہ بات پھیلانی شروع کی کہ دیکھو مولویوں نے صحابی رسول کو خطا کار کہہ دیا۔ ہندستانی مولویوں (مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ وغیرہ) نے حضرت امیر معاویہؓ کی توہین کی ہے۔ ہم صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں عطا اللہ شاہ صاحب بخاری اور ان ہندوستانی مولویوں کو نہیں مانتے۔ ہمارے اکابر فقہ اور حدیث پڑھتے پڑھاتے رہے شہادت حسینؓ تاریخی مسئلہ تھا اسکی ان کو پوری تحقیق نہ ہوئی۔ یہ اکابر غیر شعوری طور شیعہ ذہنیت سے متاثر ہو گئے۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے بارے میں عوامی جلسوں میں یہ کہنا کہ میں آج کے بعد ان کو حجۃ الاسلام نہیں بلکہ حجو، حجو، حجو کہوں گا کیونکہ انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی نعوذ باللہ توہین کی ہے یہ اور اس جیسے ہزاروں عنوان آپ کی پارٹی نے عوام کو دیے جس کی وجہ سے عوام کا ذہن صاف کرنے کی ضرورت سے ہمیں مجبوراً اس انداز کو اپنانا پڑا۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے

نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

ویسے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے میرے انداز کو عوامی انداز کیوں کہہ دیا۔ شاید مثالوں سے عوام کو مسئلہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے تو ان مثالوں سے آپ الرجک ہیں۔ تو یاد رکھیں کہ مثالوں سے مسئلہ کو سمجھانا یہ قرآن سنت کا انداز ہے امثلہ قرآنیہ وحدیثہ پر نظر کریں تو پتہ چلے گا کہ یہ انداز علمی بھی ہے اور عوامی بھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک

آپ نے ازالۃ الخفا کے حوالہ سے لکھا ہے اگر کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں جس میں یہ شرائط (خلافت) نہ پائی جائیں تو اس کی خلافت کے بانی گنہگار رہوں گے۔ (خلاصہ ۷) کیا حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر لاعلمی میں ایسا خطاب ہو جائے تو بھی بنانے والے گنہگار رہوں گے یا بنانے کے بعد وہ فسق فجور کرنے لگے تو

بنانے والے گنہگار ہوں گے یا کسی بڑی خرابی سے بچنے کے لئے اہون البلیتین سمجھ کر اس کو اختیار کیا تو تب بھی وہ گنہگار ہوں گے۔

محترم! یہ شیعوں کا پرانا اعتراض تھا کہ یزید کو خلیفہ منتخب کرنے والے گنہگار ہیں اور یزید کے تمام افعال ناشائستہ میں وہ نعوذ باللہ برابر کے شریک ہیں۔ اور اکابرین اہلسنت نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یزید اول صالح تھا۔ بعد خلافت کے خراب ہوا تھا۔ (تالیفات رشیدیہ، ص ۲۴۲) اور اگر اس میں کچھ فسق و فجور تھا وہ ظاہر نہیں تھا اور اُمت کے اتحاد کے پیش نظر وہ کوتاہیاں قابل نظر انداز تھیں۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا داعیہ پیدا ہوا اسکی وجہ اُمت کے اتفاق اتحاد کی مصلحت تھی۔ بنو امیہ کے اہل حل وعقد اس پر متفق ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی پر راضی نہ ہوتے اور اس وقت قریش کی سربرآوردہ جماعت رہی تھی اور اہل ملت کی اکثریت ان ہی میں سے تھی اس لئے حضرت معاویہؓ نے ان کو ترجیح دی اور افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا۔ حضرت معاویہؓ کی عدالت اور صحابیت اس کے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے (ابن خلدون بحوالہ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، ص ۱۱۷، ۱۱۸) اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب حضرت حسن کا وصال ہو گیا تو یزید کا معاملہ حضرت معاویہؓ کے نزدیک قوت پکڑ گیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو اس امارت کا اہل سمجھا اور یہ بات باپ کی اپنی اولاد سے شدت محبت کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ جب امیر معاویہؓ اس میں دنیوی شرافت خیال کرتے تھے اور اس میں شہزادوں جیسی علامتیں اور فنون جنگ سے واقفیت اور انتظام سلطنت اور اس کی ذمہ داری پوری کرنے کی صلاحیت دیکھتے تھے۔ اور ان کا گمان یہ تھا کہ کوئی صحابی اس انتظام کو اتنا قائم نہیں رکھ سکے گا اسی وجہ سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں خوف کرتا ہوں کہ اپنے بعد رعایا کو ان منتشر بکریوں کی طرح نہ چھوڑ جاؤں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۸۳، جلد ۸)

یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کی نامزدگی کے بعد یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! اگر میں نے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ اس بنا پر کیا ہے کہ مجھے اس میں یہ فضیلت نظر آئی ہے تو اس کو میرے مقصد تک پہنچا اور اس کی مدد کر اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس کی محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اس نامزدگی کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض کر لے۔

(تاریخ ذہبی بحوالہ حضرت معاویہؓ، تاریخی حقائق، ص ۱۱۰)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات نامزدگی میں مخلص تھے ان کی نیت پر شبہ کرنا رافضیت ہے البتہ نامزد ہونے کے بعد اگر یزید نے باپ کی وصیت پر عمل نہیں کیا تو اس میں ان پاکباز ان صحابہ کرامؓ کا کیا قصور؟ کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی خود اس نے کوشش کی (سورۃ نجم) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مجرم اپنے جرم پر خود ہی ماخوذ ہوگا دوسرے سے اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث کا مقصد یہ ہے کہ اگر غیر عادل سمجھ کر بغیر کسی مجبوری کے خلیفہ بنایا تو من سن سنة سيئة والی حدیث کے تحت وہ اس گناہ میں شریک ہوں گے اور یزید کی نامزدگی کا قصہ بالکل اس کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو گیا۔ پھر اگر آپ کو شاہ ولی اللہ محدث پر ہی اعتماد ہے تو ان کی واضح عبارت دیکھ لیتے، صفرے کبرے ملانے کی ضرورت نہ رہتی۔ حضرت فرماتے ہیں دعاۃ ضلال یعنی گمراہی کی دعوت دینے والے شام میں یزید اور عراق میں مختار تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ص ۲۱۳، جلد ۲)

نیز حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ خیر القرون کے ہر شخص کو غیر خیر القرون کے شخص پر فضیلت دینا ممکن نہیں کیونکہ خیر القرون میں بالاتفاق وہ شخص بھی ہیں جو منافق یا فاسق ہیں اور ان میں سے حجاج، یزید بن معاویہؓ اور مختار بھی ہیں (حجۃ اللہ ص ۲۱۵ ج ۲) اور حضرت شاہ صاحب شرح تراجم بخاری میں یزید کو قتل حسینؓ، مدینہ کو ویران کرنے اور

شراب وخمر پر اصرار جیسے قبائح کا ارتکاب کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ (بخاری، ص ۶۲ مقدمہ) شاہ صاحب اپنے کلیوں کو زیادہ سمجھتے تھے ان کے کلیے نقل کر کے ان کے خلاف جزوی نتیجے نکالنا ہر باطل فرقہ کا کام ہے نہ اہل حق کا شیوہ۔

حضرت حسینؓ کی یزید کی بیعت پر آمادگی

آپ نے البدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ بھی غیر عادل کی بیعت پر آمادہ ہو گئے اور اس کے ثبوت میں آپ نے البدایہ، الاصابہ، اور نبراس کے تین حوالے دیئے ہیں۔ البدایہ میں حافظ ابن کثیر نے مختلف روایات نقل کی ہیں۔

۱..... عبداللہ بن سلیم اور مذری بن مشمول اسدی کی اس میں حر بن یزید نے حضرت حسینؓ کو تیسرا راستہ اختیار کرنے کا اور یزید کو خط لکھنے کا حکم دیا ہے اور قتل کی دھمکی پر حضرت حسینؓ نے وہ شعر پڑھے جن کا ترجمہ ہے کہ: "میں یقیناً اپنے مقصد پر چل رہا ہوں اور جب انسان کا مقصد حق ہو اور اسلام کی حالت میں جہاد کرے تو اس پر موت عار نہیں۔ اور اس روایت کے آخر میں یہ ہے کہ اہل کوفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا اگر تم نے مجھے ناپسند کیا ہے تو میں تمہیں چھوڑ کر واپس جاتا ہوں (البدایہ، ص ۱۷۶ جلد ۸) ابن زیاد نے یزید کی بیعت پر مجبور کرنے کا حکم دیا۔ پھر عمرؓ بن سعد رات گئے حضرت حسینؓ کے ساتھ دونوں لشکروں میں کافی دیر اس بارہ میں ہم کلام رہا لیکن کس کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا باتیں ہوئیں لیکن بعض لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت حسینؓ نے عمرؓ بن سعد سے کہا کہ میرے ساتھ یزید کے پاس شام چل اور ہم دونوں لشکر یہاں چھوڑ دیں لیکن عمرؓ بن سعد نے کہا کہ ابن زیاد میرا مکان گرا دے گا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں تیرا مکان پہلے سے عمدہ بنا دوں گا، عمرؓ بن سعد نے کہا کہ وہ میری جائیداد پر قبضہ کر لے گا۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں اپنی حجاز کی عمدہ جائیداد تجھے دوں گا تو عمرؓ بن سعد یہ بات سن کر ناراض ہو گیا اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت حسینؓ نے اس سے سوال کیا کہ دونوں یزید کے پاس چلیں یا

حضرت حسینؓ کو حجاز یا ترکوں کی لڑائی کے لیے کسی سرحد پر جانے کی اجازت دے عمرؓ بن سعد نے عبید اللہ کو لکھا، عبید اللہ بن زیاد راضی ہو گیا مگر شمر نے اسے کہا کہ تو اپنے ہاتھ پر بیعت لے۔ (البدایہ، ص ۱۷۷، جلد ۸)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تین شرطوں والی روایت محض اٹکل ہے ورنہ حقیقت حال کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا باتیں ہوئی پھر اس روایت میں بھی یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے بیعت کا کوئی ذکر نہیں اس کے بعد ابن کثیر نے عقبہ بن سمعان کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے لے کر حضرت حسینؓ کی شہادت تک ان کے ساتھ رہا ہوں اللہ کی قسم انہوں نے کسی مقام پر کوئی بات نہیں کی جو میں نے نہ سنی ہو اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھیں اور نہ کسی سرحد کی طرف جانے کا مطالبہ کیا، ہاں دو چیزوں میں سے ایک کا مطالبہ کیا تھا کہ یا جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلیں جائیں یا انہیں چھوڑ دیں اور وہ اللہ کی وسیع زمین میں چلیں جائیں تا کہ دیکھیں کہ لوگوں کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔

(البدایہ ص ۱۷۷، جلد ۸)

اس روایت میں ابن کثیر واضح طور پر آپ والی روایت کا انکار کر رہے ہیں اور اسی بات کو علامہ محمد خضری نے نقل کیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ نے ان پر یہ بات پیش کی تھی کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھتا ہوں۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۲۸)

نیز البدایہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت حسینؓ کو آخری رات حضور ﷺ نے خواب میں بشارت دی کہ شام تک تو ہمارے پاس آ جائے گا۔ آپ نے آخری رات ساری عبادت میں گزاری اور اپنے ساتھیوں کو حکم دے دیا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لیے تم میں سے جو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔ لیکن ساتھیوں نے اپنی جانثاری کا عہد کیا۔ پھر حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے فرمایا" اے لوگو! مجھے چھوڑ دو

میں زمین سے اپنے امن کی جگہ لوٹ جاؤں تو لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس بات سے کیا چیز مانع ہے کہ آپ اپنے چچازاد بھائیوں کے فیصلے سے راضی ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ ہے۔ انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں ہر ایسے متکبر سے جو قیامت کے دن پر ایمان نہ لاتا ہو۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۱۸۱ جلد ۸) اسی طرح جب قیس بن الاشعث نے بیعت کا مطالبہ حضرت حسینؓ کے واپسی کے مطالبہ پر کیا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا، میں ان کو اپنا ہاتھ ذلت کے طور پر نہیں دوں گا، اور نہ ان کے حق میں غلاموں جیسا اقرار کروں گا۔ (البدایہ، ص ۱۸۱، جلد ۸)

پھر اسی صفحہ پر حر بن یزید کا قول تین خصال میں سے ایک کو قبول کرنے کا ہے مگر ان کی تفصیل نہیں اور زہیر بن قین کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ اس نے ابن زیاد کے لشکر کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس (حسینؓ) اور اس کے چچازاد بھائی کے معاملہ میں نہ آؤ اس کو جہاں چاہے جانے دو۔ (البدایہ، ص ۱۸۳، جلد ۸)

پھر حر بن یزید کا اہل کوفہ کا خطاب نقل کیا ہے کہ تم نے حسینؓ کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کی مدد چھوڑ دی اور تم نے کہا تھا کہ ہم اس کے لیے جان دے دیں گے۔ پر تم ان کے مخالف ہو کر انہیں قتل کرنا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ان وسیع و عریض شہروں میں ان کو جانے سے روکتے ہو جہاں سے کتے اور خنزیر کو بھی نہیں روکا جاتا اور تم ان کے اور فرات کے اس جاری پانی کے درمیان حائل ہو گئے ہو جس سے کتے اور خنزیر بھی پانی پیتے ہیں۔ (البدایہ ص ۱۸۲، جلد ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مطالبہ وسیع عریض شہروں میں واپسی کا تھا ایک روایت ابن کثیر نے عمار دہنی شیعہ کی تین شرطوں والی ذکر کی جس میں فاذھب الی یزید کے لفظ ہیں۔ (البدایہ، ص ۱۹۹، جلد ۸) اس میں بھی بیعت کا کوئی لفظ نہیں آپ ابن کثیر کے وہ لفظ دکھائیں جن سے صرف بیعت یزید کی آمادگی معلوم ہوتی ہو۔ اگر آپ کے ذہن

میں کوئی شیعہ کی ایسی روایت ہے جس میں تیسرا مطالبہ ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کا تھا۔ تو جناب ہاتھ میں ہاتھ رکھنا یہ بیعت کرنے پر نہ عبارۃ النص ہے نہ اشارۃ النص اور نہ اقتضاء النص، یہ استدلال بھی غیر مقلد کا ہوگا۔ پھر وضع کا لغت میں معنی ذلیل ورسوا کرنا بھی آتا ہے تو اس وہمی اور شیعہ کی روایت کا معنی یہ ہوسکتا تھا اگر دو مطالبے نہیں مانتے تو میں اس کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ کو بامر مجبوری رسوا کرسکتا ہوں۔ اس کا معنی معاملہ نپٹانا بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایک پروفیسر نے تو مرادی معنی پنچہ آزمائی بھی کیا ہے۔ بہر حال یہ روایت عقبہ بن سمعان کے قول کے مطابق جھوٹی ہے اور صفحہ ۷۷ والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف بعض لوگوں کا وہم وگمان تھا، اور اگر آپ والے الفاظ کہیں سے ثابت بھی ہو جائیں تو یہ تین مطالبوں میں سے ایک مطالبہ تھا اگر آپ اس مردود روایت پر ہی اپنے دعوئی کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ تین مطالبوں کی وجہ سے حضرت حسینؓ ۳/۱ حصہ بیعت کی طرف مائل ہوئے تھے جو معقولیوں کے ہاں ظن اور شک سے بھی کم درجہ یعنی وہم بیعت کا بنتا ہے۔ اگر آپ سو فیصد آپؓ کا بیعت کا ارادہ ثابت کرتے تو آپ کا ایک وہمی روایت کی بنا پر سو فیصد مدعی ثابت ہو جاتا اور اگر ساٹھ فیصد آپ کا اس طرف رجحان ثابت کردیتے تو ہم مان لیتے کہ ایک جھوٹی وہمی روایت کی بنا پر آپ کا دعوی یقینی نہیں ظنی طور ثابت ہوگیا۔ آپ دو مطالبوں کے ضمن میں اس مطالبہ کو ۵۰ فیصد ثابت کردیتے تو آپ کے دعوی کا ثبوت مشکوک ہوتا مگر کیا کریں آپ نے تو تین مطالبوں کے ضمن میں اس کا تیسرا حصہ ثابت کیا ۳ فیصد وہم کا بھی ادنی درجہ ہے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ ایک جھوٹی اور وہمی بات لے کر ایک اور وہم میں ڈوب گئے۔ پھر شریعت کا بھی یہ اصول ہے اور عرف میں بھی یہی ہے الیقین لا یزول بالشک کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا حضرت حسینؓ کی یزید سے مخالفت یقینی ثابت ہے اور آپ اس یقینی بات کو شک نہیں بلکہ وہم سے دور کرنا چاہتے ہیں کیا آپ نے سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں کوئی اصول شرع اور قوانین عقلیہ کی حفاظت کرنے والا نہیں رہا؟

فائدہ

واضح رہے قرآن پاک نے الامتحرفا لقتال (الانفال) میں لڑائی میں پینترا بدلنے کی اجازت دی ہے حضور اللہ نے بھی فرمایا: الحرب خدعة کہ لڑائی دھوکا ہے یعنی لڑائی میں دھوکا دینے کی اجازت ہے لہذا اگر ایسے الفاظ کہیں ثابت مان بھی لیں تو اس کو عربی میں "مخادعہ" کہا جائے گا۔ کیا البدایہ میں اور باقی کتب میں یہ واقع نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے جب مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو خط لکھا کہ میری بیعت کے بارہ میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ ابن زبیر، حضرت حسینؓ سے شدید مواخذہ کر تو ولید بن عقبہ نے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیر کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر دی اور بیعت کا کہا تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت کرے؟ اور ایسی بیعت تو شاید تو بھی مجھ سے کافی نہ سمجھے اور لیکن جب لوگ جمع ہو گئے تو ہم کو ان کے ساتھ بلانا تا کہ معاملہ متحد رہے۔ (البدایہ ص ۱۵۰، جلد ۸) اور اس کے بعد موقع پا کر مکہ تشریف لے گئے جس طرح یہ مخادعۃ حربیۃ تھی۔ اس روایت کو بھی مخادعت پر محمول کرنا موزوں ہوگا۔

واضح حکم کو چھوڑ کر مبہم استدلال ہر باطل فرقے کا کام ہے۔ آپ بھی ابن کثیر صغرے کبرے ملا کر یزید کی عدالت ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا ابن کثیر نے واضح طور پر یزید کو فاسق فاجر نہیں لکھا اور صحابہؓ اور تابعین کے صریح اقوال بندہ پہلے نقل کر چکا ہے۔ حافظ ابن حجر کی اصابہ سے بھی آپ نے یدی فی ید یزید والی منکر روایت ذکر کر کے یزید کی عدالت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی واضح عبارات کو چھوڑ دیا۔ (تہذیب التہذیب، ص ۳۶۱) پر تفصیل کے ساتھ انہوں نے یزید کے افعال قبیحہ کا ذکر کیا ہے جو البدایہ کے حوالے سے پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔ اور تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ یزید اس کا اہل ہی نہیں کہ اس سے کوئی روایت نقل کی جائے۔ (تقریب، ص ۳۸۴)

صاحب نبراس مولانا عبدالعزیز صاحب پر ہاروی سے بھی آپ نے وہی

روایت بیان کی ہے اور عدالت یزید ثابت کی ناکام کوشش کی ہے۔ واضح رہے کہ نبراس کے لفظ لا بایعہ پر محشی نے اعتراض کیا ہے کہ یہ الفاظ میں نے کہیں نہیں دیکھے البتہ تاریخ الخلفاء میں ہاتھ دینے کی روایت ہے۔ (شاید آپ کی طرح کسی نے یہ روایت بالمعنی کر دی ہے جس کی تردید پہلے ہو چکی) یہاں بھی آپ نے مولانا عبدالعزیز صاحب کے واضح فیصلے چھوڑے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے کہ اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑ دی اور اس کو معزول کر دیا اور ان میں صحابہؓ اور تابعین بھی تھے۔ (نبراس، ص ۵۴۰ ص ۵۴۱) اور آپ نے عبارت نقل کی ہے اس کی ایک سطر پر اس کے کچھ کفریہ شعر بھی نقل کئے گئے ہیں اور یہ فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے اس کو صالح سمجھ کر نامزد کیا پھر دُعا کی کہ اے اللہ! اگر یزید میرے گمان کے مطابق ہے تو درست ورنہ اس کو جلدی موت دے دینا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی دُعا قبول ہوئی، چنانچہ اس کی سلطنت لمبی نہ ہوئی۔ (نبراس، ص ۵۴۱) پھر فرماتے کہ کہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ ہم نے یزید کے خلاف بغاوت اس وقت تک نہیں کی جب تک ہمیں آسمان سے پتھروں کے برسنے کا خوف نہیں ہوا۔ (نبراس، ص ۵۴۲)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ تحقیقی بات ہے کہ یزید سے اور بہت سے فسق و فجور والے منکر امور صادر ہوئے ہیں اور سب سے زیادہ وہ منکر معاملہ ہے جو اس نے اہل بیعت سے کیا۔ (نبراس، ص ۵۵۱)

اسی صفحہ پر یزید کو امیر المومنین کہنے پر بیس کوڑوں کی سزا نقل کی ہے۔ نیز فرماتے ہیں یزید کے قبیح افعال مشہور ہیں اور حب اہل بیتؓ واجب ہے۔ (نبراس، ص ۵۵۵)

ایسی واضح عبارات چھپا کر مبہم استدلات ذکر کرنا علم اور دیانت کا خون کرنا ہے۔

لفظ امیر المؤمنین

اگر اضافت تشریفی کی بنا پر ہو تو فاسق فاجر کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید کے لئے اس لفظ کے استعمال کرنے پر (۲۰) بیس کوڑے لگوائے اور اگر شرافت سے قطع کر کے صرف اضافی معنی

مراد ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ نے جو حضرت نعمان بن بشیر اور امام زین العابدین کے اور البدایہ ابن تیمیہ کے جو حوالے دیئے ہیں وہ سارے اس دوسرے مفہوم کے اعتبار سے ہیں، اس اعتبار سے تو آپ اپنے دور کے تمام ظالم حکمرانوں کو اس لقب سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ابن کثیر اس لقب کے استعمال کے باوجود یزید کو فاسق فاجر لکھتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

امام زین العابدینؒ

امام زین العابدین کا پورا واقعہ آپ نے نقل نہیں کیا کہ واقعہ حرہ میں مسلم بن عقبہ جس کو اسلاف مسرف بن عقبہ کہتے تھے، نے مدینہ کو تین دن مباح قرار دیا اور اشراف مدینہ اور قراء مدینہ میں سے خلق عظیم کو قتل کیا اور وہاں کے اموال لوٹے اور عظیم شر اور بڑا فساد واقع ہوا تو اس نے امام زین العابدین کو بلایا جو مروان بن الحکم اور عبد الملک بن مروان کے ساتھ امان حاصل کرنے کے لئے آئے، ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ یزید نے ان کے بارہ میں مسلم کو کوئی حکم دیا ہے۔ جب امام زین العابدین اس کے سامنے بیٹھے تو مروان نے کوئی پینے کی چیز منگوائی۔ مسلم بن عقبہ شام سے جو برف لایا تھا اس کو اس میں ملایا گیا۔ مروان نے تھوڑا سا پی کر اپنا جھوٹا امام زین العابدین کو دیا تا کہ اس سے ان کے لئے امان ثابت ہو جائے۔ مروان امام زین العابدین سے مودت ہی چاہتا تھا مگر یزید کے سپہ سالار مسلم بن عقبہ نے جب پیالہ حضرت امام زین العابدین کے ہاتھ میں دیکھا تو کہا کہ ہمارا مشروب مت پی، پھر حضرت سے کہا کہ تو ان دونوں کو اس لئے ساتھ لایا ہے کہ ان کی وجہ سے امن حاصل کرے؟ تو امام زین العابدین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ نہ وہ پیالہ رکھتے تھے نہ پیتے تھے، پھر مسلم نے کہا کہ اگر تو پینا چاہتا ہے تو پی لے اور اگر تو چاہتا ہے تو اور پانی منگوالیں تو امام زین العابدین نے فرمایا کہ جو میرے ہاتھ میں ہے میں اس کا ارادہ رکھتا ہوں، پھر پانی پی لیا۔ (البدایہ، ص ۲۲۳، جلد ۸)

آپ نے ابن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے۔ اس کے راوی محمد باقرؒ ہیں۔ وہ

روایت بیان کرتے ہوئے مسلم کو مسرف کہتے ہیں اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کو قتل کرنے کے بعد یزیدی سپہ سالار نے پوچھا کہ امام زین العابدین یہاں ہیں، لوگوں نے کہا ہاں، تو اس نے کہا میں ان کو دیکھنا کیوں نہیں۔ یہ بات حضرت الامام کو پہنچی تو وہ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے دو بیٹے عبداللہ اور احسن بھی تھے۔ جب اس نے آپ کو دیکھا تو مرحبا کہا اور اپنے ساتھ بٹھایا اور کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے تیرے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اس حسن سلوک کا صلہ دے۔ (طبقات ص ۱۶۶، جلد ۵)

اس میں صنعت مشاکلت ہے جیسے جزاء سیئۃ کو سیہ قرآن پاک میں کہا ہے حالانکہ برائی کا برائی کے برابر بدلہ لینا برائی نہیں مگر پہلے لفظ کی مشاکلت کی وجہ سے اس کو سیئۃ کہا ہے۔ اسی طرح چونکہ مسلم بن عقبہ نے وصلی اللہ امیر المومنین کہا تھا تو جواب میں انہوں نے بھی وہی الفاظ استعمال کر دیئے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جزاء الاحسان بالاحسان کے بطور کہا تھا پھر اس کی وصیت پر بھی جو عمل کیا البدایہ کی روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ قتل کی دھمکیاں اس کے باوجود دی جا رہی ہیں، پھر انہی امام محمد باقر کی روایت طبقات ابن سعد میں ہے کہ امام زین العابدین جمرات کی طرف پیدل جاتے تھے اور آپ کا مکان منیٰ میں تھا۔ اہل شام آپ کو تکلیف دیتے تھے تو آپ قرین ثعالب یا اس کے قریب منتقل ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد، ص ۱۶۹، جلد ۵)

منہال بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام زین العابدین کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تندرست رکھیں، آپ نے کیسے صبح کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس شہر کے تجھ جیسے شیخ کے بارہ میں میرا خیال نہیں تھا کہ اسے معلوم نہ ہو کہ ہم نے کیسے صبح کی ہے۔ بہر حال جب تجھ کو علم نہیں ہے تو تجھے خبر دیتا ہوں ہم نے اپنی قوم میں ایسے صبح کی ہے جیسے بنی اسرائیل آل فرعون میں صبح کرتی تھی کہ وہ ان کے بچوں کو ذبح کرتے تھے اور بچیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ ہمارے دشمن کا قرب ہمارے شیخ اور

ہمارے سردار کو منبروں پر سب وشتم سے حاصل کیا جاتا ہے اور قریش سمجھتے ہیں کہ ہمیں تمام عرب پر اس لئے فضیلت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں، ان کی یہی فضیلت شمار کی جاتی ہے اور تمام عرب ان کے لئے اس فضیلت کا اقرار کرنے والے ہیں اور تمام عرب عجم پر اس لئے اپنی فضیلت شمار کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں، ان کی فضیلت اس کے ساتھ ہے اور اہل عجم ان کی اس فضیلت کا اقرار کرنے والے ہیں۔ تو اگر عرب اس بات میں پیچھے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے اور قریش اس بات میں بچے ہیں کہ ان کو باقی عرب پر فضیلت ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں تو بیشک ہم اہل بیت کو بھی باقی قریش پر فضیلت ہے اس لئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ ہمارا حق لیتے ہیں اور ہمارے کسی حق کو پہچانتے نہیں۔ ہم نے اس طرح صبح کی ہے اگر تو یہ نہیں جانتا کہ ہم نے کس طرح صبح کی ہے۔ (ابن سعد، ص ۱۷۰، جلد ۵)

ان حالات میں حضرت خود بھی صبر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت کے پوتے علی بن محمد فرماتے ہیں کہ اہل خراساں نے حضرت امام زین العابدین کے پاس اپنے احکام کے ظلم کی شکایت کی تو آپ نے ان کو صبر اور لڑائی سے رکنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں تو ایسے ہی کہتا ہوں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۶۷، جلد ۵)

اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے مگر یہ کہ اس کو خطرہ ہو۔ پوچھا گیا کہ خطرے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کسی جبار سرکش کا خوف ہو کہ وہ زیادتی کرے اور یا سرکشی کرے۔ (ابن سعد، ص ۱۶۵، جلد ۵)

تو جو وقت کے حکام سے اس طرح خوفزدہ ہو اور ان کو فرعون کے ساتھ تشبیہ دے اس کے ساتھ صنعت مشاکلت کے طور پر امیر المؤمنین بھی کہہ دے تو اس سے اضافت تشریفی کہاں سے مفہوم ہوگئی؟

حضرت نعمان بن بشیرؓ

حضرت نعمان بن بشیر نے بھی اضافت تشریفی کے طور پر امیر المؤمنین نہیں کہا بلکہ وہ تو امیر المؤمنین کہہ کر یہ فرماتے ہیں: انشدك الله فی عشیرتك وانصار رسول الله صلی الله علیه وسلم (البدایہ، ص ۲۲۱، جلد ۸) یعنی اے امیر المؤمنین! میں نے آپ کو اپنے قبیلہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کے بارہ میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں (یعنی اہل مدینہ پر چڑھائی نہ کریں) تو وہ اس گناہ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اس سے باز نہ آیا۔ ابن تیمیہ کی عبارت میں آپ نے خود تسلیم کرلیا ہے کہ کوئی شخص بزور شمشیر فاسق و فاجر مسلمانوں پر مسلط ہو جائے اور اس کا حکم نافذ ہو تو اس کو خلیفہ اور امیر المؤمنین کہہ سکتے ہیں۔ (خط ص ۸، بحوالہ خارجی فتنہ)

تو عرض ہے کہ آپ اپنے نقل کردہ حوالے کے مطابق یزید کو فاسق فاجر بزور شمشیر مسلط ہونے والا مان کر امیر المؤمنین کہہ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت یہ اضافت تشریفی نہیں ہوگی۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اضافت تشریفی کے طور پر یہ لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر (۲۰) بیس کوڑے لگوائے تھے وہ شخص اگر ساتھ ساتھ اس کو فاسق فاجر بھی کہہ دیتا تو یقیناً کوڑے نہ کھاتا۔

خلاصہ یہ کہ:..... صرف اضافی معنی مراد ہو تو اس کا استعمال فاسق فاجر پر جائز ہے اور اضافت تشریفی کے طور پر جیسے کہ آج کل عام یزیدی کرتے ہیں درست نہیں۔

یزید کے مامورین کفار یا مؤمنین؟

آپ نے اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس کے مامورین خیر القرون، عالم اسلام، صحابہ کرامؓ و تابعین تھے اور یہ سب مؤمنین ہیں تو یزید امیر المؤمنین ہوا اور آپ

مامورین کو مؤمن نہیں مانتے تو یزید دشمنی میں آپ دور خیر القرون صحابہؓ و تابعین اور اہل بیت سب کو کافر کہہ رہے ہیں۔ (خلاصہ خط ص ۷)

جواب:..... یزید کے مامورین کافر ذمی بھی تھے اور معاہد حربی بھی تھے اور وہ مومنین بھی تھے جو یزید کو شرابی، زانی، تارک صلوٰۃ، دشمن اہل بیت، سرکش، جبار، ارجاء کے عقیدہ والا خیال کرتے تھے اور انہی وجوہ کی بناء پر بیعت کرنے والوں میں سے تقریباً سب نے بیعت توڑ دی، سوائے ایک دو صحابہ کرامؓ کے۔ بہرحال آپ کا یہ کہنا کہ اگر امیر المومنین نہیں تو امیر الکافرین ہوگا اور اس سے تمام صحابہ کرامؓ اور تابعین اور خیر القرون کو کافر کہنا لازم آئے گا۔ میں نے تو امیر المؤمنین کی حیثیت اضافت تشریفی والی متعین کر دی ہے۔ باقی اس کے جو لوازمات آپ ذکر کر رہے ہیں یہ لوازمات تو بریلی سے صادر ہوا کرتے تھے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی عموم قدرت باری تعالیٰ کی عبارت لے کر لکھ دیا کہ اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا، سونا، پاخانہ پھرنا، پیشاب کرنا، جلنا، ڈوبنا، مرنا سب کچھ داخل ہیں۔ (الکوکبۃ الشہابیہ ص ۱۵)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا مولانا احمد رضا خان بریلوی کی میں نے ایک کتاب جس میں سو کفریات وہابیہ کے نام سے لکھی ہے، دیکھی کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو، آگے اس پر حاشیہ لگایا کہ گویا رسول کو بھی نہ مانو، فرشتوں کو بھی نہ مانو قیامت کو بھی نہ مانو کیونکہ یہ سب اللہ کے سوا ہی تو ہیں اور یہ تین کفر ہوئے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے۔ (مجالس حضرت رائے پوری، ص ۱۷۴)

ایسے لوازمات کی وجہ سے نہ احمد رضا خان ہمارے بزرگوں کو خائف کر سکا تھا اور نہ ہی آپ کر سکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے کچھ اقوال میں پہلے لکھ چکا ہوں، اگر امیر المؤمنین نہ کہنے سے آپ کے بقول اگر صحابہ کرامؓ اور تابعین کو نعوذ باللہ کافر کہنا لازم آتا ہے تو اگر آپ سے کوئی پوچھ لے کہ دور یزید میں جو ذمی کافر تھے امیر المؤمنین کہنے سے ان سب کفار کا مومن ہونا تو لازم نہیں آتا۔ یہ آپ کا لزوم آپ کو لے ڈوبے گا۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

مسئلہ تکفیر ولعن یزید

اس بارہ میں، میں نے امام احمد اور ابن جوزی وغیرہ کا قول نقل کر کے آگے لکھ دیا تھا کہ محققین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ درست قوی طریق کفر یزید میں توقف کرنا ہے اور اس کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے اس لئے کہ وہ مخفیات کا جاننے والا ہے اور پوشیدہ رازوں پر مطلع ہے۔ پس ہم اس کی تکفیر کے پیچھے بالکل نہیں پڑیں گے کیونکہ یہی زیادہ لائق اور سلامتی کا راستہ ہے۔ (الخیر، محرم الحرام ص ۲۳، ۱۴۲۵ھ) اور اس کے بعد ابن حجر مکی کے حوالے سے یہ بھی لکھا تھا کہ اس قول پر کہ وہ مسلمان ہے پس وہ فاسق شریر، نشہ باز ظالم ہے۔ (الخیر، ایضا) آپ نے یہ آخری قول جو محقق ہے یہ نہ دیکھا اور تکفیر اور لعنت کی فضول بحث شروع کر دی۔ یاد رکھیں کہ بندہ جمہور کی طرح فسق یزید کا قائل ہے تکفیر کا نہیں۔ پہلا قول اس لئے لکھا تھا کہ یزید کو عادل اور صالح ثابت کرنے والے جان لیں کہ اہل سنت کے اس کے بارہ میں صرف دو قول ہیں (۱) کفر)، (۲) فسق، صالح اور عادل والا قول کسی کا نہیں، تکفیر اور لعن شخصی کی بحث آپ نے خط میں فضول چھیڑی ہے۔ البتہ اس فضول بحث میں بھی آپ نے بہت سی فضول باتیں کی ہیں۔

(۱) سند کی بحث کی ان روایات کی سند نہیں۔ آج کل غیر مقلدین بھی آپ کی طرح فقہ کے ہر مسئلہ کی امام صاحب تک سند کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر قدوری، ہدایہ وغیرہ کے مسائل کی سند نہ ہو تو اس کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا جعل سازی قرار دیتے ہیں حالانکہ متواترات اور مشہورات کے لئے سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بات صرف اصول فقہ اور اصول حدیث ہی کی نہیں بلکہ تمام فنون کا دارو مدار اس پر ہے۔ کوئی جوارش جالینوس کی جالینوس تک سند تلاش کرے تو ہرگز نہیں ملے گی، نمک سلیمانی کا استعمال بغیر سند کے نہ کرے تو اپنا ہی نقصان اٹھائے گا جو کتب مشہور ہو چکی ہیں ان کی سند تلاش کرے۔ صرف کی کتاب کی واضع صرف تک اور نحو کی ہر کتاب کی واضع نحو تک سند بیان کرو تو اس کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ ان فنون کو تباہ و برباد کرنا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ متواترات بلا سند کا درجہ خبر واحد باسند سے قوی ہے۔ اس کے مقابلہ میں سند متروک ہوتی ہے، اس کی صرف ایک مثال ذکر کرتا ہوں کہ امام بخاری نے چھ سندوں کے ساتھ والذکر والانثیٰ کی قراءۃ نقل کی ہے اور وما خلق الذکر والانثی والی ایک سند بھی ذکر نہیں کی جبکہ یہ دوسری قراءۃ متواتر ہے۔ اب اس کی وجہ سے چھ سندوں والی قراءۃ چھوڑی دی جائے، نہ کہ سند کا لحاظ کر کے اس متواتر قراءۃ کو چھوڑا جائے۔

ہمارے ایک دوست قاری عبدالاحد صاحب کسی دعوت میں شریک ہوئے جس میں غیر مقلد مولوی بھی مدعو تھے تو ایک غیر مقلد کو شرارت سوجھی، قاری صاحب سے کہنے لگا کہ تمہاری نماز حنفی کی سند ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو یاد نہیں، تو انہوں نے شور مچا دیا کہ تمہاری بے سندی نماز معتبر نہیں اس کو چھوڑ دو۔ اس سے توبہ کرلو، قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں کچھ شرمندہ سا ہوا مگر فوراً ذہن میں ایک بات آئی، میں نے اس غیر مقلد سے سوال کیا کہ تو اپنا نسب آدم علیہ السلام تک سند سے ثابت کرے گا؟ اس نے کہا نہیں، تو میں نے کہا کہ میری تو نماز گئی تیرا نسب ہی گیا۔ اب بتا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو تو نہیں اب ہم تجھے کس طرف منسوب کریں۔

یاد رکھیں کہ یزید کے افعال ناشائستہ پوری اُمت میں شہرت سے پھیلے ہوئے ہیں اس لئے بیان سند کی ضرورت نہیں۔ تلقی بالقبول مستقل دلیل ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ان افعال ناشائستہ کو حلال سمجھ کر کرتا تھا یا حرام سمجھ کر، جن کو پہلی بات محقق ہوگئی۔ انہوں نے کفر کا قول کیا مگر جمہور اہل سنت کہتے ہیں کہ ان افعال کی حلیت قطعی طور پر ثابت نہیں اس لئے کفر میں کف لسان ضروری ہے۔

مومن کو کافر کہنا کفر ہے

آپ نے اس بارہ میں مسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو اگر وہ کافر نہ ہو تو کفر اس پر لوٹتا ہے۔ (مسلم ص ۵۷) آپ اس کے نیچے نووی کا حاشیہ بھی دیکھ لیتے کہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن کو

بعض علماء نے اس وجہ سے مشکلات میں سے شمار کیا ہے کہ اس کا ظاہری معنی مراد نہیں اور یہ اس لئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ کسی مسلمان کی زنا قتل جیسے معاصی کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اور اسی طرح کسی کا اپنے بھائی کو کافر کہنا دین اسلام کے بطلان کے اعتقاد کے بغیر کفر نہیں۔ (نووی، ص ۵۷)

معلوم ہوا کہ یہ کفر کا حکم اس وقت لگے گا جب دین اسلام سے بغض رکھ کر کسی مسلمان کو کافر کہے۔ یزید کو جن حضرات نے کافر کہا ہے اس کی وجہ اس کے افعال ناشائستہ ہیں، دین اسلام سے بغض نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ڈانٹ اور تشدید پر محمول ہے۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم مراد نہیں۔ اگر آپ نے اس حدیث کا خلاف اہل حق ظاہری ہی مطلب لینا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے ائمہ مجتہدین جن کی امامت یزید کے فسق و فجور کی طرح متواتر ہے کو کافر بنانا ہے تو سب لوگوں کو یقین ہو گا کہ آپ کی تکفیر سے وہ تو ان شاء اللہ محفوظ رہیں گے تو تکفیر امام احمد بن حنبل کس گھر کی طرف لوٹے گی؟ حب یزید میں مست ہو کر آپ کے اپنے بقول یہ کڑوا گھونٹ آپ کو نہ بھرنا پڑے۔ باقی امام احمد کے مسلک کو آج تک تمام نے قبول کیا ہے اس لئے یہ کہنا کہ آپ کے اس تکفیری اصول سے ڈر کر امام احمد بن حنبل اپنے مسلک کو چھوڑ دیں گے یا لوگ ان سے اعتماد اٹھالیں گے، ان شاء اللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بہتر ہے کہ آپ ہی اپنی اداؤں کو چھوڑ دیں۔ باقی یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خیر القرون اس کے فسق و فجور پر متفق تھا ایک آدھ آدمی نے اگر اس کے خلاف کام نہیں کیا تو اس کو امام عادل وغیرہ بھی قرار نہیں دیا۔ بیعت کے توڑنے والے حوالے پہلے آچکے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ

امام احمد کے مسلک کو بقول آپ کے زیادہ جانتے تھے، لہذا ابن حجر مکی کی نقل درست نہیں۔ (ملخصا)

جواباً عرض ہے! امام ابن تیمیہ نے بھی منہاج السنہ میں فرمایا ہے کہ: ونقلت

عنه روایة فی لعن یزید کہ امام احمد کی روایت لعن یزید کی بھی ہے۔ (بحوالہ خارجی فتنہ، ص ۱۳۵) مگر اس روایت کو منقطع شمار کیا ہے مگر جس روایت پر آپ کی نظر ہے وہ کس سند متصل سے منقول ہے وہ تو آپ ذکر کرتے، پھر آپ نے ملا علی قاری پر اعتماد کیا ہے وہ بھی شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: وَلَعَلَّهُ وجه ما قال الامام احمد بتکفیرہ (شرح فقہ اکبر ص ۸۷) یعنی خمر کو حلال سمجھنے اور یزید کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ میں نے قتل حسینؓ سے بدر کا بدلہ لیا ہے شاید اس کی بنا پر امام احمد نے اس کی تکفیر کی ہے۔ پھر حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت صالح فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ یزید سے محبت کرتے ہیں، تو امام احمد نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! یزید سے کوئی ایسا آدمی محبت کر سکتا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو؟ میں نے کہا اے ابا جی! آپ کسی وجہ سے اس پر لعنت نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تو نے کب اپنے باپ کو کسی پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟

(فتاوی ابن تیمیہ، جلد ۳، ص ۴۱۲، ایضاً، جلد ۴، ص ۴۸۳)

مہنا فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے یزید بن معاویہؓ بن ابی سفیان کے بارہ میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہی شخص ہے کہ جس نے مدینہ میں وہ کام کیا جو اس نے کیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو قتل کیا اور بھی کچھ کیا، میں نے پوچھا کہ اور کیا کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس نے مدینہ کو لوٹا میں نے کہا کہ اس کی حدیث لی جائے تو امام احمد نے فرمایا کہ اس کی حدیث نہ لی جائے۔ (فتاوی ابن تیمیہ، ص ۴۸۳، جلد ۴) اور ایک قول میں یہ بھی فرمایا کہ یزید کی روایت میں کوئی تکریم نہیں۔ (فتاوی ابن تیمیہ، جلد ۳، ص ۴۱۲) لیجئے حافظ ابن تیمیہ کے بقول حضرت امام احمد بن حنبل یزید کی محبت کو خدا اور آخرت پر ایمان سے متضاد سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ اور یزید

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ یزید کے بارہ میں دو گروہ افراط و تفریط کا شکار

ہیں۔ایک گروہ اس کو کافر کہتا ہے اور دوسرا گروہ اس کو امام عادل، ہادی، م□دی، صحابی، ولی بلکہ بعض اس کو نبی تک کہتے ہیں۔دونوں طرفوں کا یہ غلو اہل علم و ایمان کے اجماع کے خلاف ہے۔ (فتاوی، جلد ۳، ص ۴۱۰)

پھر فرماتے ہیں کہ یزید ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو دین اور صلاح میں مشہور ہیں۔ (ایضاً، ص ۴۱۰) اور فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے بعد بعض مسلمانوں کی رضا اور بعض کی عدم رضا کے باوجود حاکم بن گیا۔ (ایضاً ص ۴۱۰) نیز فرماتے ہیں کہ یزید سے قتل حسینؓ کے انکار کا ظہور نہیں ہوا اور اس نے اس کا انتقام اور قصاص جو اس پر واجب تھا نہیں لیا۔ پس اہل حق اس پر ترک واجب اور بہت سے اُمور کی بنا پر اس پر ملامت کرتے ہیں۔ (فتاوی، ص ۴۱۰، جلد ۳) نیز فرماتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے اس کی بیعت توڑی اور اس کے نائبین کو مدینہ سے نکال دیا تو اس نے اہل مدینہ کی طرف لشکر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ اگر یہ تین دن تک اطاعت نہ کریں تو مدینہ میں تلوار داخل کی جائے اور اس کو تین دن کے لئے مباح قرار دیا جائے تو یزید کا لشکر مدینہ نبویہ میں قتل و غارت کرتا رہا اور حرام شرم گاہوں کے پردہ بکارت زائل کرتا رہا، پھر اس نے مکہ کی طرف لشکر بھیجا۔ انہوں نے ملکہ کا محاصرہ کیا۔ اس حال میں یزید فوت ہو گیا اور یہ سب ظلم و زیادتی یزید کے حکم سے ہوئی۔ (فتاوی، جلد ۳ صفحہ ۴۱۲)

حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت اور ائمہ امت کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ اس پر سب کی جائے اور نہ اس سے محبت کی جائے۔ (فتاوی، جلد ۳، ص ۴۱۲) نیز فرماتے ہیں کہ یزید علمائے ائمۃ المسلمین کے نزدیک ایک بادشاہ ہے، وہ یزید سے صالحین اور اولیاء جیسی محبت نہیں رکھتے اور نہ اس پر سب کرتے ہیں۔ (فتاوی، جلد ۳، ص ۴۱۲) اور فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود اہل سنت کا ایک گروہ اس پر لعنت کو جائز قرار دیتا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ، جلد ۳، ص ۴۱۳)

اگر چہ جمہور کی طرح ابن تیمیہ اس رائے کو پسند نہیں کرتے مگر اس رائے رکھنے والوں کو اہل سنت کہتے ہیں جبکہ آپ ایسے عقیدہ والوں کو اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں نیز وہ تین گروہوں میں سے راجح اس گروہ کو قرار دیتے ہیں کہ اس کی حسنات بھی ہیں اور سنیات بھی وہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں پیدا ہوا اور وہ کافر نہیں تھا لیکن اس کی وجہ سے حضرت حسینؓ شہید ہوئے اور اہل حرہ کے ساتھ اس نے جو سلوک چاہا کیا۔ وہ صحابی اور ولی نہیں تھا۔ یہ عام عقلاء علماء اور اہل السنۃ والجماعت کا قول ہے، پھر ان اہل سنت کے تین گروہ نقل فرمائے۔ ایک وہ جو لعنت کرتا ہے اور دوسرا جو اس سے محبت رکھتا ہے، تیسرا نہ سب کرتا ہے اور نہ محبت، پھر اس تیسرے گروہ میں امام احمد کو ذکر کیا کہ جو فرماتے ہیں کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ یزید سے محبت نہ کی جائے اور اس کو صحابہ کرامؓ کا قاتل اور مدینہ کو لوٹنے والا اور پاک دامن عورتوں کی عصمتوں کو تار تار کرانے والا اور اس کی روایت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ باتیں بیان کرنا سب نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے اور پھر یزید سے ترک محبت کے تحت لکھتے ہیں کہ محبت خاصہ تو صرف نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ یزید ان چار جماعتوں میں سے کسی سے نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے، اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے وہ اس بات کو اختیار نہیں کرے گا کہ وہ یزید یا اس جیسے ان بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں۔ (فتاوی، جلد ۴ ص ۴۸۴)

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یزید کو غیر عادل کہنا اور مومن کا یزید کی معیت کو پسند نہ کرنا یہ سب نہیں بیان حقیقت ہے۔ پھر یزید سے ترک محبت کے دو ماخذ ذکر کرتے ہیں:

۱..... اس سے کوئی ایسا عمل صالح صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس کی محبت واجب ہو، تو وہ ان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہوا جو بزور مسلط ہونے والے ہیں اور اس قسم کے اشخاص کی محبت جائز نہیں۔

۲..... دوسری یہ بات ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوئے ہیں جو اس کے اوصاف میں ظلم وفسق کا تقاضا کرتے ہیں اور اس سے حضرت حسینؓ اور اہل حرہ کے معاملے کا صدور ہوا۔ (فتاوی، ص ۴۸۵، جلد ۴)

اس کے بعد یزید سے محبت رکھنے والوں کے دو ماخذ ذکر کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ساری اس کی خطائے اجتہادی تھی اور کچھ تاریخی روایات کا درست نہ ہونا اور دوسرے اس کا امیر جیش لشکر قسطنطنیہ ہونا اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ لعنت اور محبت والے دونوں قول اجتہادی ہیں اس لئے کہ مرتکب معصیت پر لعنت کرنے میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اسی طرح جو حسنات اور سیئات دونوں کا مرتکب ہو اس سے محبت بھی ہو سکتی ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس میں منافات نہیں کہ ایک آدمی میں تعریف اور مذمت دونوں، اسی طرح اجر وثواب دونوں کا اجتماع ہو جائے اور اسی طرح اس میں بھی منافات نہیں کہ دو مختلف اعتبارے ایک شخص کے حق میں دعا بھی کی جائے اور لعن طعن بھی کی جائے۔ (فتاوی ابن تیمیہ، ص ۴۸۶، جلد ۴)

ابن تیمیہ کی مختلف عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو انہوں نے اہل محبت کہا ہے وہ بھی یزید کو عادلین، صلحاء میں شمار نہیں کرتے بلکہ اس کی خطاؤں کو اجتہادی قرار دے کر فاسق نہیں قرار دیتے۔ ان عبارات سے ابن تیمیہ کا مسلک بھی واضح ہو گیا کہ وہ یزید کو عادل اور صالح ماننے کے لئے تیار ہیں اور امام احمد کا مسلک بھی انہوں نے بتا دیا۔ کہ اگرچہ ان سے کفر کی روایت منقطع ہے مگر وہ اس کو فاسق، فاجر مانتے تھے۔

بارہ خلفاء

آپ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی، ملا علی قاری، سید سلیمان ندوی جیسے حضرات اس کو بارہ خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ (الخ) (ص ۱۰)

محترم! بات فسق یزید کی ہو رہی ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص سے اس کا عادل ہونا ثابت کر دیں، مجھے تو آپ طعنہ دیتے ہیں کہ سند ذکر نہیں کرتا اور صدیوں کی

چھلانگ لگاتا ہے مگر آپ نے تو یہاں حوالہ بھی ذکر نہیں کیا بلا سند اور بلا حوالہ آٹھویں صدی تک پہنچ گئے ہیں اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ابن تیمیہ اس کو فاسق فاجر وغیرہ بہت کچھ مانتے ہیں، پھر ملا علی کی روایت کے مطابق لا یزال الامر عزیزاً ہے کہ بارہ خلفاء تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ سارے عادل اور صالح ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ یزید کو ان بارہ میں داخل کرنے کے باوجود بھی ملا علی قاری اس کو مبتدعین میں شمار کرتے ہیں۔ (مرقاۃ، ص ۵۲، جلد ۴)

اور اسی شرح فقہ اکبر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اکابر یزید، حجاج اور زیاد جیسے لوگوں سے خائف تھے اور ان ارباب عناد کے خلاف بغاوت بھی کامیاب ہوتی نظر نہ آتی تھی، بلکہ اس بغاوت پر بہت سے فساد مرتب ہوتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیر گو دعوی خلافت سے روکتے اور منع کرتے تھے اوجود یکہ حضت ابن زبیر بلا اختلف خلافت کے زیادہ لائق اوحقدار تھے ان علم امراء سے۔ (شرح فقہ اکبر، ص ۱۷۷) بہر حال بارہ خلفاء میں شامل کرنے والے بھی اس کو خلیفہ عادل نہیں کہتے تھے۔

مسئلہ لعنت

شخصی لعنت چونکہ کافر جس کا خاتمہ یقیناً کفر پر ہوا ہو اس پر جائز ہے، باقی کسی پر جائز نہیں۔ اس لئے اس کا عدم فسق یزید سے کوئی تعلق نہیں جن لوگوں نے لعنت سے روکا ہے وہ اکثر اس یزید کو غیر عادل مانتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ وغیرہ کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

فاسق و فاجر بنانا یا بتانا

آپ نے حضرت قاضی (مظہر حسینؒ) صاحب کے بارہ میں لکھا کہ یزید کو فاسق و فاجر کہنے اور بنانے کے لئے بزعم خود خدمت دین کا عظیم کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے سات آٹھ سو صفحات کی کتاب لکھ ماری۔ (خط، ص ۱۱)

مرزائی وغیرہ تمام باطل فرقوں کا یہی طریق کار ہے کہ اہل حق جب ان کو ان کا کفر بتاتے ہیں تا کہ وہ اپنی اصلاح کرلیں تو وہ عوام میں یہی شور مچاتے ہیں کہ دیکھو مولوی کافر بناتے رہتے ہیں لیکن یہ بات اس وقت تو بچی ہوگی جب کوئی مولوی ان کو کہے کہ تم مرزائی عقائد اپنالو مگر علماء تو مرزائیت سے عوام کو بچاتے ہیں اور اگر کوئی اس بیماری میں مبتلا ہوں جائے اس کا اس کو اس کا کفر بتاتے ہیں، جیسے ڈاکٹر عوام کو بیماریوں سے بچاتے ہیں مگر بیمار ہونے کے بعد اس کو اس کی بیماری بتاتے ہیں اور یہ ان کا فرض ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ڈاکٹر لوگوں کو بیمار بناتے ہیں تو یہ غلط پروپیگنڈا ہوگا۔ اسی طرح پہرے دار عوام کو چوری سے بچاہے ہے، اگر کوئی چوری کا ارتکاب کرلے تو وہ اس کا چور ہونا بتاتا ہے مگر چور یہی شور مچائے گا کہ یہ پہرے دار لوگوں کو چور بناتا رہتا ہے۔

اگر تو حضرت قاضی صاحب نے یزید کو مشورہ دیا تھا کہ تو یہ فسق و فجور کرا وو ان کے مشورہ کے بعد فسق و فجور میں مبتلا ہوتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ قاضی صاحب نے اس کو فاسق بنایا، مگر افسوس ہے کہ آپ کو بنانے اور بتانے کا فرق معلوم نہیں۔ یزید کو فاسق بنانے والوں میں تو سرجون بن منصور عیسائی تھا جس سے یزید نے حضرت حسینؓ کے بارہ میں مشورہ کیا تھا۔ اور اس نے کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو امام حسینؓ اور واقعہ کربلا، مصنفہ حافظ ظفر اللہ شفیق، ص ۲۶۹ تا ۲۷۲) ششم (ا) و (ب) از ص ا) اس ساری بحث کا تعلق بھی تکفیر سے ہے جو ہمارا موضوع نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے بدر کے بدلہ کے بارہ میں یہ قول نقل کر دیا ہے کہ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں اس کا نانا عقب اور عقبہ کا بھائی شیبہ اور اس کا ماموں ولید بن عتبہ قتل ہوئے تھے تو حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے اسی بدلہ کا ذکر کیا تھا۔ باقی اگر ایسے الفاظ اس نے کہے تو سب لکھتے ہیں کہ یہ کفریہ کلمات ہیں مگر چونکہ تاریخی روایات کی وجہ سے جمہور نے اس کے قبول کرنے میں احتیاط کی ہے۔

حضرت حسینؓ کا سر

آپ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے پاس نہیں گیا اور حافظ ابن تیمیہ کا حوالہ خارجی فتنہ سے دیا اور ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے مگر ابن کثیر کی عبارت نقل کر کے فرمایا کہ ابن کثیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سر کاٹے جانے میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ یزید کے پاس لے جانے میں ہے اور خود ابن کثیر کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے پاس سر بھیجا گیا تھا۔ واللہ اعلم! (خارجی فتنہ، حصہ دوم، ص ۳۷۹)

حافظ ابن کثیر نے (البدایہ، جلد ۸، ص ۱۹۳) پر غاز بن ربیعہ جرشی حمیری کی روایت یزید کے سامنے سر لانے کی نقل کی ہے اور پھر وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ: وہ تلواریں ان جوانوں کی کھوپڑیوں کو توڑ دیتی ہیں جو ہم پر گراں ہوتے ہیں اور وہ بڑے نافرمان اور ظالم تھے۔" (ابن کثیر، ص ۱۹۳، جلد ۸)

پھر اگلے صفحہ پر ابن کثیرؒ نے حضرت مجاہدؒ سے یزید کے سامنے سر جانے اور اس کے چند شعر پڑھنے کا ذکر کیا ہے، جن کے آخری شعر کا ترجمہ یہ ہے: "ہم نے تمہارے دگنے سرداروں کو قتل کیا ہے اور ہم نے بدر کی کجی کو سیدھا کیا ہے۔" اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر شام میں یزید کے پاس گیا یا نہیں؟ دو قولوں میں سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ابن زیاد نے اس سر کو یزید کے پاس بھیجا اور اس کے بارہ میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ (ابن کثیر، ص ۱۹۴، جلد ۸)

یہ حوالہ حضرت قاضی صاحب نے بھی (خارجی فتنہ ص ۳۷۹ حصہ دوم) پر نقل کیا ہے۔ آپ کو ابن تیمیہ کا قول تو نظر آ گیا مگر وہیں یہ حوالہ نظر نہیں آیا کہ خارجی فتنہ کے حوالہ سے اس کو بھی نقل کر دیتے، ایک آنکھ سے دیکھنا اور دوسری کو بند کر لینا علمی خیانت ہے۔ پھر ابن کثیر نے اسی صفحہ پر قاسم بن بخیت اور امام جعفر صادق اور حضرت حسن

بصری سے بھی سر مبارک پر چھڑی مارنے کا ذکر کیا ہے اور پھر (البدایہ ص ۱۹۶ اور ص ۱۹۷) پر پھر یزید کے سامنے سر جانے کا ذکر کیا ہے اور (ص ۱۹۹، جلد ۸) پر امام محمد باقرؒ کی روایت سر مبارک کو چھڑی مارنے والی ذکر کی ہے اور پھر اما رأس الحسین رضی اللہ عنہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ و اہل سیر کے نزدیک مشہور یہ بات ہے کہ ابن زیاد نے سر مبارک کو یزید کے پاس بھیجا تھا اور بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور میرے نزدیک پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۲۰۵، جلد ۸)

پھر حضرت قاضی صاحب نے یہ عنوان باندھا تھا سر حسینؓ یزید کے دربار میں (مورخ خضری) اس میں علامہ الخضری کے (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ، جلد ۲ ص ۱۲۹) سے ثابت کیا تھا کہ سر مبارک یزید کے پاس گیا تھا۔ آپ نے خط میں حضرت قاضی صاحب کا حوالہ دے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ کا مسلک بھی تمہارے والا ہے اور آپ نے ابن کثیر کی جو عبارت نقل کی ہے و الصحیح انه لم یبعث برأس الحسین الی الشام یہ مذکورہ بالا ابن کثیر کی عبارات کے خلاف ہے اور ابن کثیر میں یہ عبارت ہمیں تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملی۔ شاید غَارِ سُرَّ مَنْ رَاٰی میں چھپے ہوئے نسخے سے نقل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل حق سے وابستہ رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین! (تجلیات صفدر ج ۱ ص ۲۸۶ تا ۳۳۴)

حب آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جناب سیّد ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبِّ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''قربت کی راہیں'' مولانا پروفیسر سید ابوبکر غزنوی مرحوم کی کتاب میں ایک مضمون ''حبِّ آل محمد ﷺ'' کے عنوان پر ہے۔ مضمون مختصر مگر جامع ہونے کے باعث اتنا قابل قدر اور موثر و موثر ہے کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

کتاب ''سیدنا علی و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما'' میں ضمیمہ کے طور پر ہمارے مخدوم حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ نے اس کا انتخاب کیا تھا، جسے ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' کی اس جلد (۸) میں نمبر چالیس (۴۰) پر ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

حبِ آلِ محمد ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى ذُرِّيَّتِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

حضور اقدس ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو جو انہیں محبوب تھا، ہم بھی انہیں چاہیں اور ان سے پیار کریں۔ جن جن سے تعلقِ خاطر تھا، ہم بھی ایک قلبی رابطہ ان سے محسوس کریں اور ان کا ادب و احترام، ان کی تعظیم و توقیر جی کی گہرائیوں میں محسوس کریں؛ اگر ہم ایسا محسوس نہیں کرتے تو خود حضور ﷺ سے ہماری محبت میں نقص ہے، اور ہزار ہم محبِ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کریں، اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو یہ حبِ رسول محض ایک فریبِ نفس ہے۔ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے، وہ لباس جو محبوب پہنتا ہے اور جس میں اس کی خوشبو بھی ہوتی ہے، جی کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ایک عاشق نے کہا:

اے گل بتو خورسندم، تو بوئے کسے داری

''اے پھول! تو اس لئے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ سے یار کی خوشبو آتی ہے۔''

اس گھر کے در و دیوار پر پیار آتا ہے، جس میں محبوب نے زندگی بسر کی ہو، قیس عامری کہتا ہے:

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى ۔۔۔ أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ ۔۔۔ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

''میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں۔ کچھ ایسی بات نہیں کہ ان کے گھروں کے پتھروں اور اینٹوں پر میں ریجھا ہوا ہوں، نہیں، یہ تو اس کی محبت کا تقاضا ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا۔''

وہ راہیں جن سے یار گزرتا ہے، ان راہوں پر پیار آتا ہے:

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر و گل
جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

قیس عامری کہتا ہے:

مَنْ آلِ لَیْلٰی وَأَیْنَ لَیْلٰی

''لیلیٰ اب کہاں ہے، لیلیٰ کے بچوں کے چہروں میں لیلیٰ کی جھلک دیکھتا ہوں۔''

یہ محبت کی عام واردات ہیں۔ محبت تو جہاں بھی ہوگی، اس کے برگ و بار یہی ہیں۔ ان کیفیتوں کا حال صحابہ کرامؓ سے پوچھو، آپ ﷺ کے وضو سے جو پانی بچ جاتا، صحابہؓ اس پر جھپٹ پڑتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس؛ نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الانتفاع بفضل الوضوء)

صحابہؓ اسے تبرکاً اور تیمناً جسم پر ملتے تھے۔ آپ ﷺ کا لعاب مبارک صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں پر گرتا تھا۔ آپ ﷺ حجامت کرواتے تو عاشقوں کا آپ کے گرد ہجوم ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے بالوں کو سر سے اترتے ہی اُچک لیتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی قرب النبی ﷺ)

صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کی ان نشانیوں کو آخرت کا توشہ سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اپنے آپ سے جدا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینے کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں۔ حضرت انسؓ فوت ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کی کہ:

''میرے لاشے پر حنوط ملو تو اس میں حضور ﷺ کے پسینے میں بسا ہوا عطر بھی ملا لینا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الاستیذان)

حضرت معاویہؓ کے پاس آپ ﷺ کی ایک قمیص، ایک تہبند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے۔ انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں دفناؤ اور یہ موئے مبارک میرے ساتھ رکھو۔

ایک دن حضور ﷺ حضرت اُم سلیمؓ کے گھر تشریف لائے، گھر میں مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ حضرت اُم سلیمؓ

نے مشکیزے کا دہانہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میرے آقا ﷺ کے مقدس ہونٹوں نے اس دہانے کو لمس کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے؛ اس کی گلیاں عزیز، اس کا آستانہ عزیز، اس کا پیراہن عزیز، اس کی جوتیاں عزیز، اس کا گھرانہ عزیز اور اس کے خادم عزیز۔

پس اس ذات اطہر و اقدس کی محبت کا ایک بدیہی تقاضا ہے کہ اہل بیتؓ سے محبت ہو جیسا کہ خود رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أَحِبُّونِي لِحُبِّ اللهِ وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي"

اللہ کی محبت کی بناء پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو۔ (ترمذی)

پھر گھرانہ بھی وہ کہ خود خدا آخری صحیفہ آسمانی میں ان سے خطاب کرتا ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان کرتا ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ (الاحزاب:۳۳)

"اے پیغمبر کے گھر والو! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی دور کر دے اور تمہیں ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ پاک صاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔"

وہ جن کی عظمت و عزت کا یہ عالم کہ قرآن مجید میں ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا، جب یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (الاحزاب:۵۶)

"بلا شبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔"

تو ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟

''اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، آپ ہمیں سکھائیں کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (صحیح مسلم، جلد اول)

وہ جن کے مجد و شرف کا یہ مقام کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں کتاب اللہ کے ساتھ آپ ﷺ نے ان کا ذکر کیا: ''اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَهْلَ بَيْتِيْ''۔ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ چلا ہوں، اللہ کی کتاب اور میرے گھرانے کے افراد۔ (صحیح مسلم)

وہ جن کی فضیلت کعبے کا دروازہ تھام کر آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:(۱)

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَّكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ.

دیکھو! میرے اہل بیتؓ کی مثال تم میں کشتیِ نوح کی سی ہے، جو اس میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا، جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا۔ (مسند امام احمد عن ابی ذرؓ)

وہ جن کے احترام کو ملحوظ رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا. (ترمذی)

کتاب اللہ اور اہل بیتؓ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ وہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔ پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

(سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا)

---

(۱) متن میں یونہی مذکور ہے، صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے کعبے کا دروازہ تھام کر یہ حدیث مبارک روایت کی۔ (در السحابۃ ص ۲۶۸)

بالخصوص حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا۔ ان کی پیدائش کے وقت خود حضور ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی تھی، (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ) کی صدا ان کی روح میں اتاری تھی اور اپنا لعاب مبارک ان کے دہن میں ڈالا تھا۔ آپ ﷺ انہیں چومتے تھے اور سینے سے لگا کر بھینچتے تھے۔ مسند امام احمد میں ہے: "يَضُمُّ اِلَيْهِ حَسَنًا وَّحُسَيْنًا"۔

وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کے انوار و برکات کی معرفت حاصل ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی سعادتِ عظمیٰ ہے جو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے حصے میں آئی۔ بارگاہِ رسالت میں جن کی محبوبیت کا یہ عالم کہ آپ ﷺ فرمائیں:

هٰذَانِ اِبْنَايَ وَابْنَا ابْنَتِيَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا۔ (ترمذی)

"حسنؓ اور حسینؓ، یہ میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت کر۔"

وہ جن کے بارے میں آپ ﷺ فرمائیں: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (ترمذی) "حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

وہ جن پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور دونوں کو گود میں اٹھایا اور فرمایا:

صَدَقَ اللهُ "اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" نَظَرْتُ اِلٰى هٰذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰى قَطَعْتُ حَدِيْثِيْ وَرَفَعْتُهُمَا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

"اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے، تمہارا مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی تو ہیں، میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور اپنی بات قطع کرتے ہوئے میں نے انہیں اٹھا لیا۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت حسینؓ کی عمر پانچ برس اور بعض روایتوں کے مطابق سات برس تھی۔

البدایہ والنہایہ میں ہے: كَانَ الصِّدِّيْقُ يُكْرِمُهُ وَيُعَظِّمُهُ وَكَذٰلِكَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ.

حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے تھے اوران کی تعظیم بجالاتے تھے اور یہی حال حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا تھا۔

یہ بیان حضرت حافظ ابن کثیرؒ کا ہے جو نہایت محتاط مؤرخ اور بلند پایہ محقق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے محبت کرتے تھے بلکہ اس پانچ سات سال کے بچے کی تعظیم بجالاتے تھے۔

اسی طرح تمام صحابہ کرامؓ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسینؓ سے ملے اور کہا کہ ذرا پیٹ کھولئے، جہاں حضرت سرور عالم ﷺ نے بوسہ دیا تھا وہاں میں بھی بوسہ دوں گا۔ انہوں نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور آپ نے وہیں بوسہ دیا۔ (احمد)

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہنے لگے: ''میں تمہیں بتاؤں کہ زمین پر رہنے والوں میں سے آج آسمان والوں کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ یہی جو جارہا ہے۔''

صحابہ کرامؓ کو جو محبت اور عقیدت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے تھی، اس کا سرچشمہ وہی عشق اور والہانہ شیفتگی تھی جو صحابہ کرامؓ کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے تھی۔

اک بات اس میں پائی تھی شوخیٔ یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کے ساتھ

پس جس گھرانے کی محبوبیت کا یہ عالم ہو، اس کی محبت اور یاد میں جو صبحیں اور شامیں بسر ہو جائیں، حاصلِ عمر رائیگاں ہیں۔ ان کی مدح وتوصیف میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، کم ہیں۔ ان کی یاد، روح کی پاکیزگی اور دل کی طہارت کا ساماں ہے۔

ساتھیو! اپنے حریمِ دل میں جھانک کر دیکھو! اگر اس دل میں اہلِ بیتؓ کی محبت اور بالخصوص حسین بن فاطمہ رضی اللہ عنہما کی محبت نہیں پاتے ہو، تو تم یقین کر لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت بھی محض فریبِ نفس ہے۔ صحابہ کرامؓ کو دیکھو کہ آپ ﷺ کا پسینہ، آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی، آپ ﷺ کے موئے مبارک حتیٰ کہ آپ ﷺ کا لعابِ دہن بھی انہیں عزیز تھا۔

پھر آہ، صد ہزار آہ و فغاں! اگر تم اپنے سینے کو حسین بن فاطمہ بنت محمد ﷺ کی محبت و تعظیم سے خالی پاتے ہو، یہ بہت بڑی محرومی ہے اور شقاوت۔ تم یقین کرو کہ حضور ﷺ کی محبت اگر تمہارے رگ و پے میں اتر جائے تو ان کے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کا بھی ادب کرو۔

آہ! یہ کیسی للّٰہیت کی موت اور ایمان کی جانکنی ہے کہ بعض علماء منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس محبوبؓ بارگاہِ رسالت ﷺ، اس جگر گوشۂ بتولؓ کا ذکر حقارت آمیز لہجے میں کرتے ہیں۔ وہ گھرانہ جس سے تم نے فیض حاصل کیا، وہ جن کی جوتیوں کے صدقے تمہیں ایمان و اسلام کی معرفت حاصل ہوئی، تم کو کیا ہوا کہ تم انہی کی عیب چینیاں کرتے ہو؟ پھر اس عیب چینی اور خردہ گیری کے لئے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے سوا کوئی جگہ نہیں ملتی۔ پھر تم اپنے لب و لہجے کو تو دیکھو، یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے شمر ذی الجوشن، یزید اور ابنِ زیاد نے اہلِ بیتؓ کے خلاف مقدمے میں تمہیں اپنا وکیل بنا لیا ہے۔ حدیثِ قدسی ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

''جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے، میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔''

حضرت امام حسینؓ کے ولی اللہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ وہ صحابی بھی تھے اور اہلِ بیت میں سے بھی تھے۔ وہ صرف صحابی ہی نہ تھے، جلیل القدر علمائے صحابہ میں سے تھے۔ وہ صرف اہلِ بیت میں سے نہ تھے، محبوبِ بارگاہِ رسالت تھے۔ پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی، ان کی تنقیص، ان کے بارے میں سوئے ادب سراسر موجبِ ہلاکت ہے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ساتھیو! محض تمہارا جی بہلانے کے لئے یا تمہیں خوش کرنے کے لئے تو میں وعظ نہیں کہتا ہوں۔ خدا محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے وعظ کہنے کی توفیق دے۔ تمہاری رنجش اور تمہاری خوشنودی سے کیا ہوتا ہے:

از رَد و از قبولِ تو فارغ نشستہ ایم
اے آنکہ خوب ما نشناسی ز زشتِ ما

وہ بیماریاں جو تم میں اور مجھ میں نہیں ہیں، میں ان پر بات کیوں کروں کہ ایسا کرنا محض تضیعِ اوقات ہوگا، وعظ کہنے کا مقصد تو اصلاحِ حال ہے۔ کبھی مادۂ فاسد کے اخراج کے لئے جراحی کا عمل ناگزیر ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نشتر لگتا ہے تو مریض کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ تکلیف بڑی سودمند ہے دوستو!

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ماخوذ از ''قربت کی راہیں''
تالیف: سید ابوبکر غزنوی

سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ

و

یزید

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ

(ٹوبہ ٹیک سنگھ)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید

محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" کا جواب

از

مولانا محمد یوسف لدھیانوی فاضل دیوبند
توبہ ٹیک سنگھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

''سیدنا حسینؓ و یزید''	۱۳۵
حرف رضوان	۱۳۶
آغاز کتاب	۱۳۹
مسئلہ خلافت	۱۴۲
خلافتِ راشدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نگاہ میں	۱۴۳
انتخابِ خلافت کے طریقے	۱۴۵
خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ	۱۴۶
خلافتِ مرتضوی اور صحابہؓ کا موقف	۱۴۸
ریسرچ یا رقابتِ خاندانی؟	۱۴۹
انعقادِ خلافتِ علی المرتضیٰؓ کا اجمالی تعارف	۱۵۲
شرح عقائد نسفی	۱۵۴
مشاجراتِ صحابہؓ کے وجوہ	۱۵۶
خلافت عثمانیؓ و شہادت	۱۵۸
اختلافات کی بنیاد	۱۶۲
ملا علی قاری اور قصاص	۱۶۴
خلافت علی المرتضیٰؓ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کی نظر میں	۱۶۷
خلافت علی المرتضیٰؓ پر عدم قیام کے حوالہ جات	۱۶۸
حقیقت حال	۱۷۱
مسئلہ قصاص	۱۷۲
حضرت عقیلؓ اور ریسرچ جدید	۱۷۳

امت کی حرارت دینیہ	۱۷۴
خلافت مرتضوی پر تنقید کی حقیقت	۱۷۵
سیدنا حضرت امیر معاویہؓ	۱۷۶
آفتاب نبوت کی شہات	۱۷۸
حضرت امیر معاویہؓ	۱۷۹
روایت حدیث	۱۸۰
کاتب وحی	۱۸۰
بشارت جنت!	۱۸۰
مخالفت اور عداوت	۱۸۳
نتیجہ بحث	۱۸۴
اعلان علی المرتضیٰؓ	۱۸۵
سیدنا امام حسنؓ اور خلافت حضرت امیر معاویہؓ	۱۸۵
استخلاف یزید	۱۸۶
ولی عہدی کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کی انفرادیت	۱۸۷
ولی عہد اور اس کا فسق فجور	۱۸۸
خلاصہ بحث	۱۸۸
اہل سنت والجماعت کا مسلک	۱۹۰
سیدنا حضرت امام حسینؓ	۱۹۰
حضرت امام عالی مقام کا شرعی موقف!	۱۹۵
موقف صحابہ کرام	۲۰۰
آئمہ مجتہدین کا نقطہ اجتہاد	۲۰۱
خلافت معاویہؓ و یزید اور رقابت خاندانی	۲۰۲

حضرت حسینؓ کی تیاری اور صحابہ کا مشورہ	۲۰۴
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۰۵
کیا امام حسینؓ خروج پر متفرد تھے؟	۲۰۵
حضرت امام حسینؓ کی روانگی اور شہادت	۲۰۸
کوتاہ نظری	۲۱۱
کوتاہ نظری یا پردہ پوشی	۲۱۲
ریسرچ جدید کی فاتحہ خوانی	۲۱۵
نتیجہ بحث	۲۱۷
فلسفہ شہادت کی ایک جھلک	۲۱۹
بحث یزید	۲۲۳
یزید حدیث کی کسوٹی پر	۲۲۳
یزید تاریخ کی کسوٹی پر	۲۲۸
اعتراف حقیقت	۲۲۹
کارنامہ یزید کی مثال ثانی	۲۳۰
حدیث خلافت کی وضاحت	۲۳۳
عباسی صاحب اشاعت دوم کے آئینہ میں	۲۳۵
بارہ خلفاء میں یزید کی شمولیت پر بحث	۲۳۷
عباسی صاحب کی جسارت	۲۳۸
بشارت مغفرت یزید	۲۴۱
یزید اور ایک عباسی عالم	۲۴۵
یزید کی خصوصیت کیسے؟	۲۴۹
یزید کے امیر صحابہ ہونے کی حقیقت	۲۵۰

ستم ظریفی کی انتہاء	۲۵۳
تاریخی حوالہ جات کی حقیقت	۲۵۴
یزید کے ثقہ راوی ہونے کی حقیقت	۲۵۸
اغلاط عباسی	۲۶۱
یزید کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حقیقت حال سے نقاب کشائی	۲۷۰
یزید و علماء الناس	۲۷۲
حضرت محمد بن الحنفیہ	۲۷۴
رشتہ داریوں سے استدلال کی حقیقت	۲۷۶
واقعہ کربلا اور یزید	۲۷۸
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی تحقیق انیق	۲۷۹
تعارضات عباسی	۲۸۹
مثال اوّل	۲۸۹
مثال ثانی	۲۹۰
مثال ثالث	۲۹۰
مثال رابع	۲۹۱
مثال خامس (۵)	۲۹۳
خلیفہ وقت اور باغی	۲۹۶
ریسرچ جدید یا افتراء مبین	۲۹۹
حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ	۲۹۹
عمر بن سعد	۳۰۰
موقف صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۳۰۴

حضرت محمد بن علیؒ اور برأت حسینؓ	۳۰۵
موقف صحابہؓ وتائید امام حسینؓ	۳۰۸
یزید علماء امت کی نظر میں	۳۱۰
امیر الانصار حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ	۳۱۰
مجدد اوّل حضرت عمر بن عبدالعزیز	۳۱۱
ائمہ اربعہ	۳۱۱
محققین علماء امت ومحدثین کرام	۳۱۳
علامہ ابن حجر ہیثمیؒ	۳۱۳
حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا یزید کے بارہ میں مکتوب گرامی	۳۱۳
حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی	۳۱۴
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۳۱۴
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	۳۱۵
حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۳۱۶
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	۳۱۶
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۳۱۷
حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ	۳۱۸
فسق یزید	۳۱۸
علامہ عبدالرؤف مناوی محدث زمان کا نظریہ	۳۲۲
ستین سنہ کی بحث	۳۳۰
کتاب خلافت معاویہ ویزید کا پس منظر	۳۳۱
خلیفہ منصور عباسی کا مکتوب محمد مہدی کے نام	۳۳۲
خلافت مرتضوی کے خلاف عباسی پروپیگنڈہ	۳۳۵

عباسی پروپیگنڈے کا جواب میزان درائیت پر	۳۳۷
اصل حقیقت	۳۳۸
رقابت خاندانی عباسی صاحب کی اپنی زبانی	۳۴۱
انتزاع خلافت اموی وقیام خلافت عباسیہ	۳۴۳
مورخ دوزی وعباسی کا اتحاد	۳۴۵
ایک عباسی عالم اور یزید	۳۴۶
القاب کی بحث	۳۵۱
اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفسق یزید	۳۵۴
موقف امام حسین رضی اللہ عنہ	۳۵۷
بعض اعمال صالحہ پر وجوب جنت	۳۶۶
برأت یزید کا دعویٰ	۳۶۸
چیلنج مباہلہ	۳۶۸
متفق علیہ عقیدہ کی مخالفت کا ثمرہ	۳۷۰
فرق باطلہ کا نقطہ آغاز	۳۷۱
انسداد فتن کی بحث	۳۷۲
عباسی عالم کی کذب بیانی	۳۷۹
ایک خط اور اس کا جواب	۳۸۰
الجواب	۳۸۱
ناظرین کرام کی خدمت میں آخری التماس	۳۸۵
کتاب خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید	۳۸۶
فتویٰ از دارالعلوم دیوبند	۳۸۸
فتویٰ علماء کراچی	۳۹۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید''

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے ایک بزرگ تھے، ان کا نام مولانا محمد یوسف ہے، وہ بھی لدھیانہ کے رہائشی ہونے کے ناطے لدھیانوی کہلاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ پاکستان بننے کے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آباد ہوئے۔

جب معروف ناصبی محمود عباسی نے کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' لکھی تو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک صاحب نے اپنے خطبات میں یزید کے فضائل کو موضوع بیان بنالیا۔ جس سے ایک ہیجان کیفیت ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوگئی۔ اس پر مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) نے قلم اٹھایا اور ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید'' نامی کتاب تحریر فرمادی۔ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔

''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر اکتالیس (۴۱) پر ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف رضوان

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

اللہ رب العزت کا نظام حکمت نہایت عجیب، دل نشیں اور عبرت آفریں ہے۔ تاریخ امت اس حقیقت پر گواہ ہے کہ جب کسی زمانے میں باطل اپنے فتنوں کے ساتھ سر اٹھاتا ہے اور گمراہی اپنی تمام تر مکاریوں کے ساتھ حق کو دبانے کی جسارت کرتی ہے تو قدرت الٰہی اسی سرزمین سے ایسے رجالِ حق کو کھڑا کر دیتی ہے کہ جن کے دل نورِ ایمان سے منور اور جن کی زبانیں صداقت کی ترجمان ہوتی ہیں۔ پھر یہی مردانِ حق اپنے اخلاص، علم اور غیرتِ ایمانی کے ذریعے ان فتنوں کو اس طرح نیست و نابود کر دیتے ہیں کہ وہ "ھباء منثورا" بن کر تاریخ کے اوراق میں بکھر جاتے ہیں اور ان کا نام لینے والا بھی باقی نہیں رہتا۔

اسی نوع کی ایک کیفیت پنجاب کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی پیدا ہوئی جب کراچی کے محمود احمد عباسی نامی ایک شخص نے ناصبیت سے آلودہ فکر کے زیرِ اثر حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً اہل بیت کرام کے بارے میں گستاخانہ اور فتنہ انگیز کتاب شائع کی اس کتاب نے بعض حلقوں میں فکری اضطراب اور انتشار کو جنم دیا، بلکہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں عباسی صاحب کے ایک قریبی عزیز، جو عالم دین بھی تھے، نے اس فکر کو باقاعدہ ایک مشن کے طور پر پھیلانے کی کوشش کی۔ مگر سنت الٰہی یہی ہے کہ باطل کے مقابلے میں حق کے چراغ ضرور روشن ہوتے ہیں۔

چنانچہ اسی سرزمین سے ایک مردِ حق، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور باوقار عالم

دین حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ (متوفی ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء) جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ، ۱۹۵۷ء) کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے کے دل میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور غیرت ایمانی کا آتشیں ولولہ موجزن ہوا۔

چنانچہ انہوں نے آج سے ستر سٹھ برس قبل نہایت مدلل، متوازن اور بصیرت افروز کتاب "سیدنا حسینؓ اور یزید" تحریر فرمائی، جس نے فتنہ انگیز افکار کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اللہ تعالیٰ نے اس مخلصانہ کوشش کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ محمود عباسی اور اس کے نظریات رفتہ رفتہ قصہء پارینہ بن گئے۔

(یاد رہے کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید (ش:۲۰۰۰ء) الگ شخصیت ہیں اور حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ (م:۱۹۸۸ء) ٹوبہ ٹیک سنگھ والے الگ شخصیت ہیں)

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو میرے پیر و مرشد، قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جو اپنے عہد میں عاشقان صحابہ و اہل بیت کے قافلے کے سرخیل و علمبردار تھے، نے اس کی تقسیم پر خوب توجہ دی اور اسے اہل محبت تک پہنچانے میں خوب کردار ادا فرمایا۔ تاہم وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ کتاب ایک مدت تک ناپید رہی۔ اب اللہ کریم کے فضل اور انہی بزرگوں کی روحانی برکت سے حضرت شاہ جی نور اللہ مرقدہ کے اس عاجز خادم کو دوبارہ اس کتاب اور دیگر نافع کتب کی اشاعت کی سعادت نصیب ہو رہی ہے

اس مبارک جدوجہد میں ٹوبہ ہی کے ایک فاضل اور ذوق محبت سے سرشار نوجوان عالم مولانا ابوبکر عبداللہ صاحب دامت برکاتھم العالیہ جو ہمارے حضرت شاہ جیؒ کے معتمد خاص قاری محمد یعقوب فاضل صاحب دامت برکاتھم العالیہ کے فرزند ارجمند ہیں، نے اس کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح اور اشاعت کے مراحل میں نہایت

اخلاص کے ساتھ قابل قدر تعاون فرمایا۔ مزید برآں اس کتاب کو حضرت سید جاوید حسین شاہ صاحبؒ جو اپنے زمانے کے جلیل القدر ولی اللہ اور صاحب بصیرت بزرگ تھے کی خدمت میں پڑھ کر سنایا اور ان کی تائید و تصدیق بھی حاصل ہوئی۔ یہ امر بھی نہایت لطیف روحانی نسبت رکھتا ہے کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحبؒ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت سید جاوید شاہ صاحبؒ نے ان سے فیض پا کر عظمت اہل بیت کے اس پیغام کو آگے بڑھایا۔

یہ عاجز اپنے تمام اکابر و اسلاف کے لئے بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کرتا ہے کہ اللہ ان کے مزارات مبارکہ کو نور سے بھر دے۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ سے سرفراز فرمائے۔ اور جتنے اہل محبت و اخلاص اس کار خیر میں سرپرستی اور تعاون فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور دونوں جہانوں میں اپنی رضا اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مالا مال فرمائے۔

آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم!

حب احمد در دل و جان، نورِ ایمان است
آل و اصحابش، چراغ بزمِ عرفان است

خاکپائے شاہ نفیس الحسینی نور اللہ مرقدہ
احقر میاں رضوان نفیس
۷ شوال المکرم ۱۴۴۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز کتاب

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

دنیا کی آزاد اور باشعور قومیں تجسس و تلاش، ریسرچ اور تحقیق میں یہاں تک پہنچ گئی ہیں کہ انہوں نے چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال دیں ہیں اور وہ دن رات ایسی ایسی ایجادات کر رہی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان انگشت بدندان ہیں۔

لیکن ہمارے یہاں تحقیق و جستجو کی صلاحیتوں کا (بایں ہمہ ترقی پذیرائی) پورا پورا زور اس بات پر صرف کیا جا رہا ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کے بارے میں عوام سخت غلط فہمی کا شکار ہیں اور تاریخ کا اصل واقعہ ہنوز تشنہ تحقیق ہے۔ تحقیق جدید کی رو سے یزید خلیفہ عادل۔ اور امیر المومنین تھا اس کے ارتقاء اور پرہیزگاری کا یہ مقام تھا کہ جلیل القدر اولیاء کرام اس کے سامنے دست بستہ تھے۔

کراچی کے ایک صاحب جناب محمود احمد عباسی مصنف خلافتِ معاویہ و یزید نے اپنی کتاب میں واقعہ شہادتِ کربلا کے بارے میں عجیب و غریب باتیں فرمائی ہیں وہ بزعم خود تاریخ کے اتھاہ سمندر میں گہرا غوطہ لگا کر چند ایسے اوراق لے کر نمودار ہوئے ہیں جن پر واقعہ شہادتِ کربلا کے صحیح احوال و کوائف مرقوم ہیں۔

چلئے! لمحہ بھر کے لئے تسلیم کہ آج تک عباسی صاحب ایسا کوئی شناور پیدا نہ ہوا جس نے تاریخ کے بحر ذخار میں اس حد تک رسائی حاصل کی ہو۔ لیکن بصد ادب و احترام اتنی بات دریافت کرنے ضرور جسارت کی جاتی ہے کہ اس غوطہ خوری اور تحقیق جدید سے آخر امتِ مسلمہ کو کیا فائدہ پہنچے گا؟

کیا اس ریسرچ کے بعد حضرت امام حسینؓ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے؟ اور وہ قیامت خیز منظر جو میدان کربلا میں دیکھا گیا ہے آنکھوں سے اوجھل ہوجائے گا؟ اگر اس تحقیق وجستجو سے نفس واقع میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے تو پھر بتلایا جائے کہ سادہ لوح انسانوں کے سامنے ایسے مسائل پیش کرنے سے فائدہ؟

عصر حاضر کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر دین و مذہب کا دامن چھوڑ کر مادّیت کے جدید فلسفہ حیات پر ایمان لارہے ہیں۔ اسلامی اقدار حیات دھیرے دھیرے مٹ رہیں ہیں۔غنڈہ گردی_ اور بدکرداری نے اخلاق و شرافت کی جگہ لے لی ہے انسانوں نے درندوں کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ ایسے ماحول میں کسی ملک کے منصفوں، ادیبوں، خطیبوں، شاعروں اور رہنماؤں کے فرائض اور ذمہ داریوں سے کوئی عقل سے کورا فکر ونظر کا اندھا ہی بے خبر اور نا آشنا ہوسکتا ہے۔

ہمارے ملک کے احوال وکوائف کیا ہیں اور ہماری قوم کو ان دنوں فکر ونظر اور عمل وکردار کے اعتبار سے کس چیز کی ضرورت ہے راقم الحروف کی نگاہ میں محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب کسی بھی حیثیت سے ملکی اور قومی مسائل کا جواب اور حل نہیں ہے بلکہ انہوں نے انتہائی گمراہ کن اور دورانہ کار باتیں چھیڑ کر امت مسلمہ کی گتھیوں میں مزید الجھاؤ پیدا کردیے ہیں۔

اور اس گئے گزرے زمانہ میں جن لوگوں کے اعتقادات کی بنیادیں ہنوز قائم ہیں انہیں منہدم کرنے کی سعی کی ہے اس کتاب کی اشاعت پر یہ بھی ہوا کہ جو عاقبت نااندیش اور کم ظرف لوگ رات دن یہ رٹ لگاتے نہ تھکتے تھے کہ ہر انسان کو مکمل آزادی رائے حاصل ہے یا وہ جس پر چاہے زبان دراز کرسکتا ہے حتیٰ کہ حضرات صحابہ کبارؓ ایسی مقدس اور محسن شخصیات بھی مستثنیٰ نہیں ہیں تو ان لوگوں کے سامنے جب اسی غلط اصول کے تحت شہید کربلا کی ذات کو ہدف طعن بنایا گیا اور آزادی رائے کے چھاج میں ڈال کر چھلنی کرنے کی سعی کی گئی تو وہ سٹ پٹا گئے اور

جہاں اس عنوان پر گرما گرم بحثیں ہوتی تھیں وہاں ایک ندامت آمیز سناٹا چھا گیا۔

جب انسان اعتدال کا دامن چھوڑ کر جذبات ہی کو دین و مذہب کی اساس بنالیتا ہے تو پھر ایسی مثالوں کا وجود ناممکنات میں سے نہیں ہوا کرتا۔ واقعہ شہادتِ عثمانؓ کے بعد خارجی گروہ کا جنم ایسے ہی جذبات کا تلخ ثمرہ تھا۔

مصنف خلافت معاویہ و یزید کے نظریات بھی انوکھے اور اجنبی نہیں ہیں۔ انہوں نے خارجی گروہ کے افکار و نظریات سے چند چیزیں مستعار لے کر انہیں تحقیق جدید کے نئے عنوان کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب یہ ارباب عقل و فکر اور اصحابِ دانش و حکمت کا کام ہے کہ صداقت قبول کریں اور کذب و افتراء کا دامن تار تار کر دیں۔

راقم الحروف کو اپنی علمی کم مائیگی اور فکری تہی دامنی کا پورا پورا اعتراف ہے اور یہ بھی تسلیم کہ راقم الحروف تحریر و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل بھی نہیں ہے۔ لیکن جب یہ صورتِ حال سامنے آئی کہ ہمارے یہاں مصنفِ خلافت معاویہ و یزید کے ایک قریبی رشتہ دار خطیب صاحب نے خطبہ جمعہ میں مناقب یزید بیان کرنے شروع کر دیے اور اس سے عوام میں غلط اثرات پھیلنے لگے تو راقم الحروف نے اس تحقیق جدید کا پردہ چاک کرنے کو ناگزیر خیال کیا اور علماء محققین کی اصل عبارتوں اور تاریخ کے صحیح واقعات کو حسینؓ اور یزید کے عنوان سے پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

حضرت قارئین سے متوقع ہوں کہ وہ راقم کی تحریری لغزشوں اور کوتاہیوں سے حروف نظر کر کے کتاب کی نظریاتی غلطیوں اور غیر موزوں باتوں سے مطلع فرمائیں گے تاکہ ان کی اصلاح کی جاسکے۔ والسلام

محمد یوسف لدھیانوی ٹوبہ ٹیک سنگھ

۴ رمضان المبارک ۱۳۸۰ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت معاویہ و یزید کے مصنف جناب محمود احمد صاحب عباسی نے اپنی دیانت داری اور علمی قابلیت کا جو ثبوت فراہم کیا ہے وہ اس وقت کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے اس کا مختصر خاکہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

عباسی صاحب نے یزیدی اتقاء و پارسائی اور اس کی خلافت شرعیہ کے اثبات میں اوّلاً نظریہ قائم کیا اور پھر اس نظریہ کے تحت کتب تاریخ سے ایسے حوالہ جات تلاش کرنے شروع کر دیئے جن سے قارئین کو دھوکہ دیا جا سکے۔ مصنف نے حوالہ جات میں بے جا تصرف کر کے انسانی دیانت کے حسین چہرہ کو جس طرح داغدار کیا ہے اس کی نظیر نہیں! جہاں کہیں یزید کی تعریف میں جملہ نظر آیا اسے لے لیا اور اسی عبارت کا دوسرا حصہ ترک کر دیا! جس میں یزید کی تنقیص مذکور ہے اور اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان میں جہاں کچھ نظر آیا اتنا جملہ اٹھا کر نقل کر دیا۔ اور باقی عبارت ترک کر دی گئی! حالانکہ ایک معلوماتی اور تحقیقی مضمون میں یہ ہونا چاہیے کہ مناقب و معائب دونوں چیزیں اجاگر کر کے پیش کی جائیں! نہ یہ کہ مناقب اچھالے جائیں اور معائب پر پردہ پوشی کی جائے۔ جیسا کہ یزید اور عمرو بن سعد کے بارے میں طریقہ اختیار کیا ہے اور دوسرے کے فرضی معائب پیش کئے جائیں جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق رویہ اختیار فرمایا ہے۔

عباسی صاحب نے خلافت یزید کے اثبات میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص خلافت میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اسے سمجھنے کے لئے پہلے مسئلہ خلافت کا سمجھنا ضروری ہے تاکہ حقیقت معلوم کرنے میں دقت نہ ہو اور نفس واقع کے صحیح خدوخال نمایاں ہو سکیں۔

مسئلہ خلافت

خلافت کا مادہ ہے خلف اور اسی سے ہے خلیفہ! خلیفہ کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں: ''مِن قولِکَ خَلَفَ فلان فُلَانًا فِی ھٰذا الاَمرِ اذا قَامَ مقامَہ

بعدہ'' یعنی اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کے بعد اس کا نائب و قائم مقام ہوا تو یہ خلافت ہوئی اور لغت میں اس کو خلیفہ یعنی بعد میں آنے والا اور قائم مقام کہتے ہیں! خواہ یہ نیابت سابق کی موت یا عزل کی وجہ سے ہوئی ہو یا غیبت کی وجہ سے، یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے۔

لیکن ملت اسلامیہ میں اس کو ایک خاص معنی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان غیب، تقدیر، بعث، صلوٰۃ وغیرہ ایمان کے لغوی معنی یقین وطمانیت اور زوالِ خوف وشک کے تھے۔لیکن قرآن حکیم نے اس کو ایک خاص طرح کے یقین واقرار اور عمل کے لئے استعمال کیا اور اب ایمان قرآن کی اصطلاح میں عام لغوی معنی کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار پا گئی۔

قرآن کی زبان میں خلافت استخلاف فی الارض یعنی ایک خاص قانون کے تحت طاقت وعظمت کا جماؤ برگزیدہ افراد کے زیرِ اثر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت وسعادت کے لئے ایک خاص ذمہ دار قوم اور حکومت قائم ہو کہ وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں اس طرح تقسیم کرے کہ کائنات ارضی کا کوئی فرد بھی اس کے فیوضات سے محروم نہ رہے۔ اور ظلم وجور، ضلالت وطغیان کو کرۂ ارضی سے نیست ونابود کر دے! اور امن وسکون اور راحت وطمانیت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جائے! اب خلافت کے لغوی واصطلاحی معنی کے لحاظ سے اس کی جامع اور مانع تعریف جو علماء محققین نے پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

خلافتِ راشدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نگاہ میں

''ھی الریاسۃ العامۃ فی التصدی لاقامۃ الدِّین باحیاء العلوم الدِّینیۃ وَ اقامۃ ارکان الاسلامِ وَ القِیَام بالجھاد و مَا یتعلّق بہ منْ ترتیبُ الجیوش وَ الفرض للمقاتلۃ وَ اعطاء ھم من الفیئ وَ القیام بالقَضاء وَ اقامۃ الحدودِ وَ رفع المظالم و الامر بالمعروف والنھی عن المنکر نیابۃ عن النَّبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (ازالۃ الخفا ۲۸)

یعنی خلافتِ عامہ وہ عمومی ریاست ہے جو اقامت دین کے لئے بالفعل بحیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ امور ذیل معرض وجود میں آئی ہو (ان امور میں) علوم دینیہ کا زندہ کرنا، ارکانِ اسلام کا قائم کرنا، جہاد اور جہاد سے متعلق چیزوں کا جاری کرنا، جیسے لشکروں کا ترتیب دینا، سپاہیوں کو تنخواہ دینا، اور ان پر مال غنیمت کو تقسیم کرنا اور قضاء وحدود قائم کرنا، مظالم کا دور کرنا۔ اس تعریف کے پیش نظر وہی حضرات شرعی خلفاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور قائم مقام سمجھے جائیں گے جو محض احیاء علوم اسلامیہ کی خاطر زمام اقتدار ہاتھ میں لے کر خادم قوم کی حیثیت سے قوم کو اوج کمال تک پہنچانے کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات خلفاءِ اربعہ نے پیش کیا۔

خلافت خاصہ: خلافت راشدہ خاصہ جس کو خلافت علی منہاج النبوۃ بھی کہتے ہیں یہ درجہ خلافت کا سوائے ان حضرات کے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر میں مثل بدر، حدیبیہ، تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الٰہی کے وعدوں کے موعود ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبت ہونا بیان فرمایا ہو اور ان کے مستحق خلافت ہونے کی بھی بشارت دی ہو۔

خلافتِ خاصہ میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہوئے ہیں اور خلیفہ راشد مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہے آپ جس طرح چاہتے ہیں ان کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں۔ یہ مرتبہ عالی خلفاء اربعہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حاصل ہوا ہے اسی درجہ کو خلافت علی منہاج النبوۃ خلافتِ رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شرائط خلافت: خلافتِ شرعیہ کے تحقق فی الخارج کے واسطے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

علم، عدالت، کفالت، سلامتی، حواس و اعضاء جو رائے اور عمل کے لئے

ازبس ضروری ہے اور قریشی النسب ہونا اور خلافت کے واسطے اجتہادی درجہ کا علم ضروری ہے۔ تقلیدی حیثیت کا علم کافی نہیں۔ اس لئے کہ خلیفہ کے لئے محض تقلیدی علم باعثِ نقص ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۱)

امامت وخلافت تمام احوال واوصاف میں کمال کو چاہتی ہے اس کوچہ میں نقص کا گزر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا خلیفہ کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔ شرط عدالت اس بناء پر ضروری اور لازمی ہے کہ خلافت ایک ایسا منصب دینی ہے جو تمام ان منصبوں کی نگرانی کرتا ہے جن میں عدالت شرط ہے تو خلافت میں بدرجہ اولیٰ عدالت شرط ہونی چاہئے! لہٰذا فاسق و فاجر خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ شرط کفالت سے یہ مراد ہے کہ خلیفہ حدودِ شرعی قائم کرنے اور جنگ و جہاد میں شریک ہونے میں بے دھڑک اور جری ہو

انتخابِ خلافت کے طریقے

طریقہ اوّل اہل حل وعقد کا انتخاب ہے یعنی اہل علم، قاضیوں، سرداروں اور نامور لوگوں کے بیعت کرلینے سے خلیفہ منتخب ہوجاتا ہے۔ انتخاب خلافت کے واسطے تمام بلادِ اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں بلکہ انہیں اہل حل وعقد کا بیعت کرلینا کافی ہے جو آسانی سے موجود ہوسکیں۔ کیونکہ یہ محال ہے، حضرت ابوبکر صدیق" کی خلافت کا انتخاب اسی پہلے طریقہ سے ہوا۔

دوسرا طریقہ انتخابِ خلافت کا یہ ہے کہ خلیفہ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ منتخب کرلے جو شرائطِ خلافت کا جامع ہو اور لوگوں کے سامنے اپنے انتخاب کی تصریح کردے اور تمام مسلمانوں کو اس کے اتباع کی وصیت کرے، قوم کو لازم ہے کہ اسی شخص کو اپنا خلیفہ بنائے، حضرت عمر فاروق" کی خلافت کا انتخاب اسی طریقہ سے ہوا۔

انتخابِ خلافت کا تیسرا طریقہ مجلس شوریٰ کا قیام ہے کہ خلیفہ وقت یہ معاملہ جامعین شرائط خلافت کی ایک جماعت کے سپرد کردے کہ اس جماعت میں سے جس کو اہل مشورہ منتخب کرلیں وہی خلیفہ ہوگا۔ حضرت عثمان" ذی النورین کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا تھا۔

چوتھا راستہ استیلاء ہے کہ انتقال خلیفہ کے بعد کوئی شخص اہل حل وعقد کے منتخب کئے بغیر اور بلا انتخاب خلیفہ سابق خلافت پر قابو پالے اور عوام کو تالیف قلوب یا جنگ و پیکار سے اپنا ہمنوا بنالے یہ شخص بھی خلیفہ گردانا جائے گا اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری ہر شخص پر لازم ہوگی بشرطیکہ اس کے احکام خلاف شریعت نہ ہوں، اس طریقہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ طاقت سے غلبہ پالینے والے کے اندر خلافت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں اور صلح و تدبیر کے ذریعہ کسی ناجائز امر شرعی کا مرتکب ہوئے بغیر مخالفین کی مدافعت کرتا ہو تو اس قسم کا انعقاد بھی ضرورت کے وقت جائز ہے۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی خلافت کا انعقاد حضرت علی المرتضیٰ کی وفات اور حضرت حسنؓ کے صلح کر لینے کے بعد اسی طریقہ پر ہوا تھا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ قوت سے غلبہ پالینے والے کے اندر خلافت کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں اور مخالفین خلافت کے ساتھ قتل و غارت گری اور ارتکاب حرام سے کام لے یہ قسم ناجائز ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے (یہ تمام چیزیں ازالۃ الخفاء سے لی گئی ہیں)

خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ

خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جو خیال آرائی فرمائی ہے اس سے ان کے مذہبی نقطہ نظر کی پوری عکاسی ہوتی ہے کہ وہ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ اور اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات سے وہ کس قدر بعید ہیں۔

فی الحقیقۃ اسلامی نظریات وہی تصور کئے جائیں گے جو خیر القرون سے لے کر آج تک بالتواتر و بالاتفاق ہر دور کے اہل حق کے تعامل سے ہم تک پہنچے ہیں محض کسی چیز کا کسی کتاب میں مذکورہ ہونا اس کی صحت کے لئے کافی نہیں، تاوقتیکہ علماء محققین کے تعامل سے اس کی تصدیق نہ کرالی جائے بلکہ ان کے تعامل کے برعکس جو چیز بھی پیش کی جائے گی وہ محض گمراہی ہوگی۔ جیسا کے قرآن مجید میں ہے:

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا"

اور جو بھی عامۃ المسلمین کے طریق زندگی کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار

کرے گا ہم اسے ادھر ہی لوٹا دیں گے جدھر وہ جا رہا ہے اور ہم اسے جہنم واصل کر دیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہی: لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ"
کہ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہوگی۔

لیکن یزید اور اس کی خلافتِ شرعیہ کے بارے میں محض یہی نہیں کہ صرف علماء ربانی یزید کے فسق و فجور اور اس کی خلافتِ غیر شرعیہ کے قائل و معتقد رہے ہوں اور تاریخی ثبوت اس کے خلاف ہو بلکہ جہاں تعامل اُمت سے یزید کا فسق و فجور ہم تک پہنچا ہے وہاں صحیح و معتمد علیہ تاریخی شواہد و واقعات کے انبار موجود ہیں جن سے خود جناب محمود احمد عباسی صاحب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور حوالہ جات کے پیش کرنے میں حقائق پر پردہ ڈالنے کی جو ناکام کوشش کی گئی ہے وہ حقیقت شناس حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا مختصر خاکہ اور عباسی صاحب کے ریسرچ کی حقیقت آئندہ اوراق میں ملاحظہ کیجئے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کے بارے میں تحریر ملاحظہ ہو اور ساتھ ساتھ اصل واقعات سے بھی روشناس ہوتے جایئے! لکھتے ہیں:

یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا تھا۔ اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی رہا تھا کیونکہ یہی باغی اور قاتل اور اس گروہ کے بانی مبانی عبداللہ بن سبا مبالیین کے گروہ میں نہ صرف شامل بلکہ سیاستِ وقت پر اثر انداز رہے اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا اس لئے بیعتِ خلافت مکمل نہ ہو سکی۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۰)

ناظرین کرام مذکورہ بالا عبارت کو غور سے پڑھیں کہ عباسی صاحب نے یہاں اور اس کے علاوہ جہاں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ کیا ہے یہی ثابت

کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت محض سبائی گروہ کے اثر کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس تھی، اسی لئے اکابر صحابہؓ نے بیعت کرنے سے گریز کیا بلکہ مزید براں حضرت عثمان ذی النورینؓ کے قتل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ہاتھ دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ ان کے اس بیان " اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی" سے ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کروا کر سبائی گروہ کی طاقت کے بل بوتے پر اپنی خلافت کو قائم کیا۔ اب اہل بصیرت حضرات اندازہ لگائیں کہ اگر واقعی صورت حال یہی تھی جو عباسی صاحب نے بیان فرمائی ہے تو پھر صحابہ کرام اور دیگر صلحاء امت کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات سے عدم مخالفت اور خلافت پر اعتراض نہ کرنے کا موقف کیسے اور کیوں کر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس لئے کہ ایسے حالات میں امت پر ضروری تھا کہ حضرت علیؓ کی ذات گرامی اور ان کے خلیفہ منتخب ہونے پر شدید ترین بیزاری کا اظہار فرما کر احکام اسلامی کے منشاء کی تکمیل فرماتے بلکہ ان حضرات کا موقف جو عباسی صاحب نے پیش فرمایا ہے خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔

خلافت مرتضوی اور صحابہؓ کا موقف

عباسی صاحب فرماتے ہیں۔ ان حل وعقد کو جس میں صحابہ کبارؓ کی جماعت شامل تھی حضرت علیؓ کی ذات سے کوئی مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ منتخب ہونے پر کسی قسم کا اعتراض تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲)

عباسی صاحب کے اس بیان کے پیش نظر اگر قیام خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں جو اوپر بیان ہوا ہے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ان اہل حل وعقد جن میں اکابر صحابہؓ کی جماعت شامل تھی کے متعلق کی رائے قائم کی جائے گی۔ کیا ان کی حرارت دینیہ ختم ہو چکی تھی؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت کا اثر ان کے قلوب سے زائل ہو گیا تھا؟ کیا وہ مداہن فی الدین تھے؟ کہ وہ ایسے شخص کی ذات اور اس کے خلیفہ منتخب ہونے پر معترض نہ ہوئے جس کی خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے

محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔

عباسی صاحب کے اپنے اقرار کے مطابق صحابہ کرام کا حضرت علیؓ اور ان کے خلیفہ منتخب ہونے پر معترض نہ ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ان کی خلافت کے بارے میں عباسی صاحب نے محض کذب و افتراء سے کام لیا ہے۔

ریسرچ یا رقابت خاندانی؟

خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق عباسی صاحب کے مذکورہ بالا حوالہ کے علاوہ بری ذہنیت کا جو مظاہرہ کیا ہے اور رقابت خاندانی کی جو بری مثال قائم کی ہے خصوصی توجہ کی محتاج ہے۔

حضرت موصوف کی یہ رائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفاء ثلاثہؓ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی، اتحاد و اتفاق تھا، کفار کے مقابلہ میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہوئے مگر حضرت علیؓ کے زمانہ میں نہ کوئی جہاد ہوا نہ کوئی شہر اور ملک فتح ہوا نہ ملت ان کی بیعت پر مجتمع ہوئی آپس میں ہی تلواریں چلتی رہیں۔ (خلافت معاویہ یزید ص ۳، ۴)

اس سے آگے فرماتے ہیں:

''سبائیوں کی من مانی حرکات دیکھ کر کہ جو چاہتے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہو گئے: حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دور بین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑا غرق کئے بغیر نہ رہیں گے۔'' (ص ۸)

عباسی صاحب نے خلافت علی المرتضیٰؓ کے متعلق جو خامہ فرسائی کی ہے اس کا ماحصل یہی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ میں خلافت کی عظیم ترین ذمہ داریاں سنبھالنے کی قابلیت نہیں تھی جس کی زندہ مثال ان کے دور خلافت کے واقعات ہیں۔ بلکہ وہ تو سبائی گروہ کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے۔ سبائی گروہ جو جائز ناجائز کام کروانا

چاہتا تھا ان سے کروالیتا، جس کی وجہ سے ان کے بعض عزیز قریب بھی حضرت علیؓ سے بیزار ہوگئے جیسا کہ حضرت عقیلؓ کے الگ ہونے کی زندہ مثال موجود ہے۔ اب ان کی جرأت کا اندازہ لگائیے کہ خاتم الخلفاء الراشدین حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق اس قدر غلط اور ناجائز پروپیگنڈا کہ جس سے ایک ادنیٰ مسلمان بھی لرز جاتا ہے کہ جس کی تطہیر خود رب العزت نے اپنی کتاب لاریب میں:

''یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا''

کہہ کر بیان فرمائی ہو کہ اے اہل بیت! ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دور کردے تم سے ہر قسم کی ناپاکی اور آلائش کو اور یہ کہ تم کو بالکل پاک کردے۔''

اس آیت کے نزول پر نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ کو ایک کمبل میں لے کر بیٹھ گئے! اور ہاتھ اٹھا کر دربار ایزدی میں دُعا کی کہ یا الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں تو انہیں ہر قسم کی ناپاکی سے پاک فرما!

اب فرمانِ ربانی اور دعائے محبوب سبحانی کے پیش نظر کیا اس خاندان و دیگر اہل بیت مثلاً ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی ناجائز فعل کا مرتکب ہوتے رہے ہوں یا کسی گروہ کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے ہوں، کسی دشمن اسلام گروہ کے ہاتھ میں کھیلنے والا خلیفہ راشد کیسے؟ اور نبی کریم ﷺ کی دعاء مبارکہ کا کیا اثر ہوا؟ بلکہ فرمانِ ربانی کے متعلق ایمان ویقین کی کیا صورت ہوگی؟

حاکم نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؓ کے ساتھ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ (ازالۃ الخفا حصہ سوم صفحہ ۳۵۴)

معارضہ: اب ہم جناب محمود احمد صاحب عباسی کا بیان جو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں اشاعت دوم میں دیا ہے کو ان کے اس بیان کے معارضے میں پیش کرتے ہیں۔ اوّلاً مختصر خاکہ ملاحظہ فرمایئے: ایک عالم نے اموی

فرمانرواؤں کی حکومت کے بارے میں حقیقت سے نقاب کشائی کے پیش نظر ایک بیان سپرد قلم کیا جس کا حصہ نقل کر کے عباسی صاحب نے تنقید فرمائی ہے۔

''اموی فرمارواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی، ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی ان (؟) فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا انا اوّل الملوک میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں۔''

اس پر عباسی صاحب فرماتے ہیں کہ اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک فاطمی عالم صاحب نے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا معتقد اور دین کا پیشوا سمجھتے ہیں یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔

اس سے چند سطر آگے فرماتے ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے جس ذات گرامی کو کرام برزۃ (سورۃ عبس) میں شامل فرمایا یعنی بہت ہی بزرگ اور پاکباز گروہ میں اور جن کے متعلق حتماً فرمایا: ''وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے۔ صحابہ کرام نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا، اور ان پر اجماع کو اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ، حسینؓ اور دوسرے اکابر اہل بیت حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار وغیرہم نے جن سے بیعت کی وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم اور مبتدع تھے۔ (خلافت معاویہ و یزید اشاعت دوم)

حضرت امیر معاویہ کو اگر ایک حیثیت سے بادشاہ کہنا جرم ہے کہ جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے برپا کردہ نظام اور دعوت ناکام ہوئے پر محمول کیا جاسکتا ہے تو پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات اور ان کی خلافت کے بارے میں جناب عباسی صاحب

نے جو کچھ سپرد قلم کیا ہو ریسرچ کا نتیجہ ہے یا رقابت خاندانی کا بدترین مظاہرہ ہے۔

جب حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں لفظ بادشاہ استعمال کرنا ہی حرمت اسلام اور آپ کے برپا کردہ نظام کے باقی نہ رہنے کے مترادف ہے تو پھر خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق یہ تحریر کرنا کہ ان کی خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی، اور سبائی گروہ جو چاہتا ان سے کروالیتا جس کی وجہ سے حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ کے برادر بزرگ ان سے علیحدہ ہو کر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے زمانہ خلافت میں نہ کوئی ملک فتح ہوا اور نہ جہادی سرگرمیاں رہیں بلکہ مسلمانوں کی آپس میں تلواریں چلتی رہیں۔ کیا حرمت اسلام اور آپ کی دعوت کی کامیابی پر محمول کیا جائے گا غالباً عباسی صاحب ایک آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ انہیں جہاں حضرت امیر معاویہؓ کے مناقب نظر آتے ہیں وہاں حضرت علیؓ کے فضائل کیوں نظر نہیں آتے؟ رقابت خاندانی کی عینک لگانے کا نتیجہ تو یہی ہوگا:

''ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ'' اللہ تعالیٰ نے ان سے روشنی چھین لی اور انہیں ایسے اندھیروں میں چھوڑ دیا گیا جہاں کچھ نظر نہیں آتا۔

اب حضرت علی المرتضیٰؓ اور ان کی خلافت کے انعقاد کا طریق کار اور دیگر واقعات کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عباسی صاحب کے پیش کردہ حوالہ جات کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

انعقادِ خلافتِ علی المرتضیٰؓ کا اجمالی تعارف

حضرت عمر فاروق اعظمؓ خلیفہ ثانی کو جب ایک بدبخت نصرانی غلام ابولؤلؤ نے خنجر سے زخمی کر دیا اور شہادت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے تو اتقیاء و صلحاء امت کے تقاضہ پر آپؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے چھ حضرات کو اہل شوریٰ مقرر کر کے یہ فرما دیا کہ ان میں سے جس کو مناسب سمجھو خلیفہ منتخب کر لینا ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت

عبدالرحمن ؓ، حضرت سعد ؓ، حضرت عمر فاروق اعظم ؓ کے دفن وکفن سے فارغ ہونے پر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا کہ خلافت کا کام تین حضرات کے سپرد کردو تا کہ انتخاب خلیفہ میں سہولت ہو جائے۔

حضرت زبیر ؓ نے اپنے حقوق حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو سونپ دیئے اور حضرت سعد ؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کو اور حضرت طلحہ ؓ نے حضرت عثمان غنی ؓ کو اپنے حقوق دے دیئے۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن ؓ نے فرمایا کہ میں خلافت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ اب خلافت کے حقدار اہل حل وعقد کے اجماع سے صرف حضرت عثمان ؓ اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ باقی رہ گئے۔ ان دونوں حضرات میں سے جب تک کوئی بھی زندہ رہے گا۔ وہی حقدار خلافت سمجھا جائے گا۔

چنانچہ حضرت عثمان ذی النورین ؓ اکثریت کی خواہش پر انتخاب خلافت کے لئے مقدم رکھے گئے لیکن بعض مسلمان نما یہودی حضرت عثمان ذی النورین کی خلافت کو ناکام بنانے میں مصروف رہے۔ ان کی خلافت کے بعض واقعات کو غلط رنگ میں پیش کرنا شروع کر دیا اور نوبت بایں جا رسید کہ بلوائیوں نے حضرت عثمان ذی النورین ؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ بعض صحابہ ؓ نے بلوائیوں کو سمجھانے کی بے حد کوشش کی اور بعض اتقیاء امت نے تو بلوائیوں سے لڑ کر جام شہادت نوش کر لیا لیکن دیگر صحابہ کرام کی کوششوں کے باوجود بلوائی اپنے عزائم فاسدہ سے باز نہ آئے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ نے جنتی نوجوانوں کے سردار حضرت حسن وحسین ؓ کو حضرت عثمان ذی النورین ؓ خلیفہ راشد کے دروازہ پر نگران مقرر کیا۔

ناظرین کرام اندازہ لگائیں کہ جس شخصیت کے پہرہ دار حضرت حسنین ؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہوں وہ ہستی خالق کائنات کے نزدیک کتنی محبوب ومقبول ہوگی؟

اسی طرح حضرت طلحہ وزبیر ؓ نے بھی اپنے صاحب زادوں کو حضرت عثمان ذی النورین ؓ کے دروازہ پر پہرہ دار مقرر کیا تا کہ بلوائی اندر نہ داخل ہو سکیں۔ لیکن حضرت عثمان غنی ؓ کے ایک متصل مکان میں داخل ہو کر اور دیوار پھاند کر ایک جماعت

ان کے مکان کے اندر داخل ہوگئی۔ ان میں سے کنانہ بن بشیر نے آتے ہی تلوار چلائی لیکن حضرت عثمان غنیؓ کی بیوی نائلہؓ نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کو ہاتھ سے روکا ان کی انگلیاں کٹ کر الگ جا پڑیں پھر دوسرا وار کیا جس سے آپ شہید ہوگئے۔ اس وقت آپ تلاوت قرآن کریم میں مصروف تھے۔ خون کے قطرات اس آیت پر گرے۔

''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ''

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ جنتی نوجوانوں کی نگرانی میں جنت الفردوس میں جا گزیں ہوئے رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

ادھر خلافت کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سنبھالنے کے واسطے اکابرین امت حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو خلافت کا بارگراں اٹھانے پر مجبور کیا۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس وقت کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔

''وَجَاءَ النَّاسُ يُهَرْوِلُونَ إِلَيْهِ فَقَالُوا لَهُ لَا بُدَّ لَنَا مِنْ أَمِيرٍ فَقَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ لَيْسَ ذٰلِكَ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَمَنْ رَضِيَ بِهِ أَهْلُ بَدْرٍ فَهُوَ خَلِيفَةٌ فَلَمْ يَبْقَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ إِلَّا أَتَى عَلِيًّا فَقَالُوا مَا نَرَى أَحَدًا أَحَقَّ بِهَا مِنْكَ فَمُدَّ يَدَكَ نُبَايِعْكَ فَبَايَعُوهُ'' (صواعق محرقہ ص ۷۱)

اور آئے لوگ دوڑے ہوئے ان کے پاس پس کہنے لگے ان کو (حضرت علیؓ) لمبا کر ہاتھ اس لئے کہ ضروری ہے ایک امیر کا ہونا۔ فرمایا حضرت علیؓ نے کہ انتخاب خلیفہ تمہارا کام نہیں یہ اہل بدر کا کام ہے وہ جس کو منتخب کرلیں پس وہ خلیفہ ہے اہل بدر میں سے کوئی باقی نہ رہا جو حضرت علیؓ کے پاس نہ آیا ہو کہنے لگے ہم آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار اور کسی کو نہیں دیکھتے۔ پس پھیلا دو اپنا ہاتھ بیعت کریں ہم آپ کی پس بیعت کی ان تمام نے حضرت علیؓ کی۔

شرح عقائد نسفی

امام اہل سنت والجماعت مصنف شرح عقائد نسفی نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا جو اجمالی نقشہ پیش کیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے:

"فاجمع کبار المهاجرین والانصار علی علی ﷺ والتمسوا منه قبول الخلافة وبایعوه لما کان افضل اهل عصره وَاَولهم بالخلافة وَمَا وقع من الخالفات وَالمحاربات لم یکن من نزاع فی خلافته بل عن خطاءٍ فی الاجتهاد" (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹)

پس جمع ہوئے اکابرین مہاجرین اور انصار حضرت علیؓ کے پاس اور التجا کی ان سے خلافت قبول کرنے کی، اور بیعت کی انہوں نے حضرت علیؓ سے کیونکہ آپ اپنے ہمعصر سب سے افضل تھے اور سب سے زیادہ حقدار تھے ان سب سے خلافت میں اور وہ اختلافات اور لڑائیاں جو آپس میں ہوئیں وہ خلافتِ مرتضوی میں نزاع نہ تھا بلکہ خطاء اجتہادی کی بناء پر یہ اختلافات وقوع پذیر ہوئے۔

شرح عقائد نسفی تمام مدارس عربیہ میں داخلِ نصاب ہے جس سے اس کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ حضرت ملا علی قاری حنفی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں انہوں نے خلافت علی المرتضیٰؓ کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ خصوصی توجہ کا محتاج ہے۔

"فعرضوا الخلافة علی علی ﷺ فامتنع علیهم واعظم قتل عثمان وَلزم بَیته، ثم عرضوها بعده علی طلحة ﷺ فابی ذالک وکرهه ثم عرضوها علی الزبیر ﷺ فامتنع ایضاً اعظاما لقتل عثمان فلما مضت ثلثة ایام من قتله اجتمع المهاجرونَ وَالانصار ومالوا علیًا وناشدوه بالله فی حفظ الاسلام و صیانة دار الهجرة النبی صلی اللہ علیه وَسلم فقبلها بعد شدة وبعد ان راٰه مصلحة لعلمهم وعلمه انه اعلم ممن بقی من الصحابة وافضلهم واولهم بذالک فبایعوه"

(شرح فقہ اکبر ص ۸۰)

پیش کیا انہوں نے خلافت کو حضرت علیؓ پر، حضرت عثمانؓ کے سانحہ قتل اور سانحہ عظمیٰ کی وجہ سے پس حضرت علیؓ نے قبولِ خلافت سے انکار کردیا اور گھر میں گوشہ نشینی اختیار کرلی، پھر پیش کیا حضرت طلحہؓ پر تو انکار کیا انہوں نے بھی اور مجبوراً قبول خلافت کو، پھر پیش کیا خلافت کو حضرت زبیرؓ پر انہوں نے بھی سانحہ عظیمہ کی وجہ سے انکار کردیا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین روز بعد تمام مہاجرین اور انصار جمع ہوئے اور حضرت علیؓ سے خلافت قبول کرنے کی التجاء کی، اور قسم دی انہوں نے (کبار صحابہ نے) حضرت علیؓ کو حفاظتِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت یعنی مدینہ منورہ کے بچاؤ کی، پس قبول کیا خلافت کو شدتِ مطالبہ کے بعد اور اس میں مصلحت معلوم کرنے کے بعد، اور یہ کہ حضرت علی المرتضیٰؓ تمام باقی ماندہ صحابہ سے زیادہ علم والے سب سے افضل اور ان تمام سے زیادہ لائق ہیں امور خلافت میں، پس بیعت کی تمام نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی۔

مذکورہ بالا حوالہ جات کے پیش نظر خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ نصف النہار کی مانند اپنی اصلی صورت میں سامنے آجاتی ہے، حضرت علی المرتضیٰؓ نے صحابہ کرام کے اصرار پر خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے کو قبول فرمایا تھا اور جو لوگ انتخابِ خلافت کے اہل نہیں تھے ان کو صاف جواب دے دیا تھا کہ تمہارا انتخاب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

مشاجراتِ صحابہؓ کے وجوہ

حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں اور حضرت زبیر و طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائیوں کو ہم لوگ زمانہ کی مخالفتوں اور لڑائیوں پر قیاس کر کے بہت کچھ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم ان حضرات کے اخلاق کو جنہوں نے براہِ راست معلم الاخلاق ورحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوضات سے اپنے ظاہر و باطن کو مستنیر فرمایا ہو اور جو سید الانبیاء و خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے اس قدر کمالاتِ عالیہ پر فائز المرام ہوئے کہ تمام امتِ مسلمہ کے واسطے آسمانِ ہدایت کے ستارے قرار دیئے گئے ہوں اپنے اخلاقی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ مقامِ غور ہے کہ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت طلحہ و زبیرؓ نے کس عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ اور معرکہ آرائی کی تیاری کی تھی۔ لیکن جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی گئی تو کس طرح عین

وقت پر جب کہ ایک زبردست فوج جاں نثاروں کی ان کے قبضہ میں تھی وہ میدان جنگ سے جدا ہو گئے اس پر ان کو غیرت بھی دلائی گئی اور بزدل بھی کہا گیا حالانکہ وہ لڑائی اور میدان جنگ کو کھیل تماشے سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ ان کی شمشیر ہمیشہ بڑے بڑے میدانوں کو سر کرتی رہی۔ مگر انہوں نے کسی چیز کی بھی دین و ایمان کے مقابلہ میں پروا نہ کی، صرف ایک حدیث کو سنتے ہی اپنی تمام کوششوں اور تمام امیدوں اور تمام اولوالعزمیوں کو یک لخت ترک کر دیا۔ لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اندر جس قدر مخالفتیں اور لڑائیاں آپس میں پائی جاتی ہیں ان کے اسباب نفسانی خواہشات کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

ہاں! قلیل من عبادی الشکور کے پیش نظر ایک جماعت اہل حق کی ضرور موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی لہٰذا الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے مصداق اس کی محبت اور دشمنی محض رضائے الٰہی پر مبنی ہے ان کی ہر صلح اور لڑائی احکام اسلامی کے منشاء کے مطابق ہے، ان کا ظاہر و باطن ایک ہونے کی وجہ سے مشاجرات صحابہؓ میں کوئی ایسی چیز ان کو نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے اخلاف کو اسلاف سے بدظن کیا جا سکے۔

اس کے برخلاف جن کی ہر لڑائی اور ہر صلح نفسانی خواہشات پر مبنی ہے اور دین کو دنیا پر قربان کرتے رہتے ہیں وہ اسلاف کے لڑائی جھگڑوں کو اپنے اوپر قیاس کر کے اخلاف کو اسلاف سے بدظن کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ عباسی صاحب یا ان جیسے دوسرے افراد جو صحابہؓ پر طعن و تشنیع کرنے میں مصروف رہتے ہیں یہ محض ان کے قلبی امراض کا نتیجہ ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی نجم ہدایت ہے۔ لیکن آئینہ میں جیسا کسی کا چہرہ ہوگا ویسا ہی نظر آئے گا۔ لہٰذا صحابہ کرام کی لڑائیوں کو اپنے اوپر قیاس کر کے نتیجہ نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا صحابہ کرام کے مشاجرات سے ان پر صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر نہ ہونے کا پروپیگنڈا کرنا کہ آں حضرت کے بعد ان کی حالت تبدیل ہو گئی تھی، سراسر گمراہی اور بے دینی ہے بلکہ صحابہ کرام کے تمام اختلافات ان کے اجتہادات پر مبنی تھے، ان میں سے اگر کسی سے غلطی بھی ہوئی تو وہ

اجتہادی غلطی تھی، نیت اور ارادے پر مبنی نہ تھی ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو دیدہ ودانستہ شریعت اسلام اور احکام خداوندی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتا۔ ان میں سے جس نے بھی جو کچھ کیا وہ اپنے نزدیک حق سمجھ کر کیا۔

ان اختلافات کے رونما ہونے اور قرن اولیٰ ہی میں آپس کے مشاجرات سے شدید خوں ریزی کے آخر کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے اسقدر معرکہ آرائی ہوئی کہ ہزار ہا قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور ہر گمراہ و بے دین کو اپنی دوکانداری کو فروغ دینے کا موقع مل گیا الاناء یترشح بمافیہ کے مطابق ان کے دینی اختلافات کی وجہ سے ایک جاہل مطلق بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط پروپیگنڈا کر کے محقق و بے لاگ ہونے کا مدعی بنے اور دار التصنیف قائم کر کے مسلمانوں کی متاع ایمانی کو لوٹنا پھرے۔

اصلی واقعات کے پیش نظر کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق سوء ظنی کا ایک ادنیٰ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اختلافات کے اسباب سمجھنے کے واسطے خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پیش آنے کے واقعات کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔

خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ و شہادت

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ان کی فضیلت کا محض اس ایک واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے سوا دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں گزرا ہے۔ جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں۔ یہ رتبہ صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ملا کہ ان کے عقد میں سید الانبیاء خاتم المرسلین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی وفات کے بعد حضور کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم آئی۔ اسی وجہ سے ان کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اس قدر فضائل ہیں کہ جن کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ باقی ان کی خلافت کے انعقاد کا طریقہ پہلے درج کیا جا چکا ہے۔ ان کی خلافت بارہ سال رہی، نصف اوّل میں حالات بہت اچھے رہے لیکن نصف آخر میں چند مسلم نما یہودیوں نے اپنے

غلط عقائد کے پیش نظر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت مصر، کوفہ اور بصرہ سے وہاں کے عاملوں کی شکایات میں مدینہ والوں کے پاس پیہم خطوط بھیجنے شروع کئے، ساتھ ہی بصرہ والوں کے پاس کوفہ اور بصرہ سے خطوط ارسال کئے کہ یہاں کے گورنروں نے ظلم وستم پر کمر باندھ رکھی ہے اور رعایا پر عرصہ حیات تنگ رکھا ہے۔

(بعض لوگ حضرت عثمانؓ کی دامادی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ پیغمبر ﷺ کی بیٹیاں نہ تھیں۔ بلکہ خدیجہؓ کی بیٹیاں پہلے شوہر سے تھیں۔ مگر یہ قول بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ نہج البلاغت میں ہے کہ جب جناب امیر بعض دادخواہوں کی طرف سے وکیل بن کر عثمانؓ کو سمجھانے گئے اور اس وقت حضرت عثمانؓ کے بہت سے مناقب بیان کیے تو منجملہ ان کے یہ بھی فرمایا: وقد نلت من صهره مالا ينالا اور بے شک پایا تو نے شرف رسول ﷺ کی دامادی کا جو شخین نے پایا تھا۔ خلیل قزوینی نے صافی شرح کافی میں لکھا ہے زادہ شد برائے اواز خدیجہؓ پیش از رسالت او قاسم ورقیہ وزینب وام کلثوم)

کسی بھی جگہ عاملوں اور گورنروں کے ہاتھ سے رعایا پر ظلم نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا ہر جگہ کے باشندوں نے یہ سمجھا کہ ہمارے سوا تمام صوبوں اور شہروں کی رعایا پر ظلم و تشدد اور بے انصافی روا رکھی جا رہی ہے اور حضرت عثمانؓ ظالمانہ طور پر اپنے عاملوں اور گورنروں کو ان کے عہدہ پر بحال رکھنے اور معزول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

اس قسم کے غلط پروپیگنڈا سے ملک میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور اکثر مسلمان اس کو حقیقت پر محمول کر کے حضرت عثمانؓ سے بدظن ہونا شروع ہو گئے۔ دوسری طرف حضرت عثمان غنیؓ عند التحقیق اپنے عاملوں کو چونکہ بے قصور پاتے لہٰذا وہ ان کو سزا دینے یا معزول کرنے میں تامل کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق سرگوشیاں ہونا شروع ہو گیں۔ (ہاں! جس کے متعلق ثبوت مہیا ہو جاتا اسے معزول کر دیتے)

صحابہ وغیر صحابہ اس بدترین عنصر کی اسلام دشمنی اور ان کے عزائم فاسدہ سے بالکل بے خبر رہے ادھر یہ سازشی گروہ عام مسلمانوں کو خلیفہ وقت سے متنفر کرنے اور ہر جگہ اپنے ایجنٹ مقرر کرنے میں مصروف رہے۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں تمام اعتراضات کے جوابات دیئے جو ان پر کئے جاتے تھے۔ تمام معترضین کو ساکت ہونا پڑا اس لئے کہ ان کے پاس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جوابات کو رد کرنے کی کوئی دلیل نہ تھی لیکن شر پسند عناصر کو کچلنے کے بغیر کامیابی سے ہمکنار ہونا مشکل تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ میں اسی قدر سزا دے سکتا ہوں جس قدر قرآن و حدیث نے مقرر کی ہے۔ جب تک میں کسی کو علانیہ مرتد ہوتے ہوئے نہ دیکھوں اس وقت تک کیسے کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ باقی اپنے خلاف ہر ایک فتنے کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔

دشمن اسلام گروہ تمام مسلمانوں کو اس بات پر اپنا ہم خیال بناتا رہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے قابل نہیں ہیں۔ اب ان کو معزول یا قتل کر دیا جائے اور اس گروہ کے آدمی جو مدینہ منورہ میں موجود تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے نام سے بہت سے خطوط لکھ کر کوفہ و بصرہ و مصر کے ان لوگوں کے نام روانہ کئے جو ان بزرگوں کے نام سے عقیدت رکھتے تھے۔

ان خطوط میں لکھا گیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اس قابل نہیں رہے کہ ان کو تختِ خلافت پر متمکن رہنے دیا جائے۔ مناسب یہی ہے اور امت مسلمہ کی فلاح و نجات اسی میں ہے کہ اس آنے والے ماہ ذی الحج میں اس ضروری کام کو سرانجام دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ان تینوں صوبوں کے قافلے یہ مشہور کر کے کہ ہم حج بیت اللہ کے لئے جا رہے ہیں ہر ایک صوبہ سے ایک ایک ہزار آدمی مدنیہ منورہ میں فساد مچانے اور قتل و غارت کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر ان لوگوں نے اہل مدینہ کے خواص کو اپنے ہم خیال نہ پا کر مصلحت اندیشی پر محمول کیا اپنے عزائم فاسدہ کو پورا کرنے کی خاطر یہ تجویز پاس کی کہ تین وفد تینوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کریں کہ ہم موجودہ خلیفہ کو کسی صورت بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ ہم سے بیعتِ خلافت لے لیں۔ لیکن ان حضرات نے ان کی اس فرمائش کو سختی سے رد کر دیا جب کوئی صورت حال نظر نہ آئی تو مصر والوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہمارے یہاں کا عامل عبداللہ بن سعد چونکہ ظالم ہے ہم اس کو معزول کرائے بغیر مدینہ سے ہرگز ہرگز نہ جائیں گے۔

بلوائیوں کے اصرار پر حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی ضد پوری کرنے کا مشورہ دیا حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کی تجویز پر محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا عامل مقرر کر کے امارت مصر کا فرمان لکھ کر دے دیا۔ اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو رخصت کر دیا کہ جاؤ تمہاری ضد پوری ہوگئی۔ لیکن رخصت کرنے کے تیسرے یا چوتھے روز بعد باغیوں کی ساری جمعیت تکبیر کے نعرے بلند کرتی ہوئی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی اور حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علیؓ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتلایا کہ حضرت عثمانؓ نے ایک خط اپنے غلام کے ہاتھ عبداللہ بن سعد کے پاس مصر کی جانب روانہ کیا تھا جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب تمہارے پاس محمد بن ابی بکرؓ اور فلاں فلاں شخص پہنچیں تو ان کو قتل کر دینا اور ہم نے وہ خط راستہ میں پکڑ لیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حلفیہ اس خط سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن بلوائیوں نے مروان کا مطالبہ کیا کہ یہ اس کی شرارت ہے لہٰذا اس کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ اور حضرت عثمانؓ کا موقف یہ تھا کہ جب اس خط کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور قبل از وقت ہی یہ خط پکڑ لیا گیا اور کوئی نقصان نہیں ہوا پھر اس کے کاتب کو سزائے قتل یا ان کے سپرد کرنا جو اس کو قتل کر دیں کسی صورت بھی صحیح نہیں لہٰذا حضرت عثمانؓ مروان کو ان کے حوالے نہ کرنے پر مصر رہے جس سے بلوائیوں کے عزائم کو مزید تقویت حاصل ہونا شروع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو بلوائیوں نے شہید کر دیا۔

اب یہاں نہ حضرت عثمانؓ کا کوئی قصور ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ کی کوتاہی ہے جو کچھ کیا وہ اس بدترین عنصر نے کیا جس نے اس قسم کے حالات پیدا کر دیئے کہ خالی الذہن انسان حضرت عثمان غنیؓ جیسے خلیفہ راشد سے متنفر ہو کر بلوائیوں کے ہم خیال نظر آنے لگے۔ اکابرین صحابہ بھی مطالبہ مروان، یعنی مروان کو مسلمانوں کے سپرد کرنے پر مصر رہے تاکہ مروان سے خط مذکورہ کے وجوہ منظر عام پر لا کر عوام الناس کی شورش اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بداعتمادی کے غلط تاثر کو ختم کیا جا سکے!

دوسری جانب حضرت عثمان ذی النورینؓ کا موقف یہ تھا کہ مروان کو ان کے سپرد کرنے کا یہی انجام ہوگا کہ وہ اس کو قتل کر دیں گے جو شرعی میزان کی رُو سے

ناجائز ہے کیونکہ قبل از وقت خط کا پکڑا جانا جبکہ اس کی وجہ سے کوئی خونریزی نہ ہوئی ہو خط لکھنے کے صلہ میں قتل کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ دوسرے اس کا یقینی ثبوت بھی کوئی نہیں کہ واقع اس کا لکھنے والا مروان ہی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ جعلی ہو اور محض بلوائیوں کی سازش کا نتیجہ ہو جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ نے اس کے جعلی ہونے کا اقرار کیا ہے۔ تو ایسے حالات میں حضرت عثمانؓ کے موقف کی ہرگز تغلیط نہیں کی جاسکتی۔

حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں واقعہ مروان کی وجہ سے جو اثرات عام مسلمانوں کے قلوب کو متاثر کر چکے تھے وہ اگرچہ غلط تھے لیکن ظاہری اعتبار سے حقیقتِ حال مشتبہ ہونے کی بنا پر عموماً مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح میں اس نظریہ کی تائید ہوتی تھی، کہ مروان کو حوالہ نہ کرنے میں حضرت عثمان ذی النورین قصوروار ہیں۔ اکابرین صحابہؓ کا موقف مروان کے بارے میں جو کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اگرچہ درست تھا لیکن حضرت عثمانؓ اپنے موقف پر آخری لمحات تک ثابت قدم رہے، اکابرین صحابہؓ نہ صرف مطالبہ مروان میں ان کے ساتھ تھے اور حضرت عثمانؓ کے قتل کا ادنیٰ تصور بھی ان کے وہم وگمان میں نہ تھا اور نہ ہی بلوائیوں سے ان کو یہ امید تھی کہ واقعی وہ حضرت عثمانؓ جیسے خلیفہ راشد کو قتل کر دیں گے۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد جو اختلافات صحابہؓ میں پیدا ہوئے وہ بھی اسی شہادت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔

اختلافات کی بنیاد

شہادتِ عثمانؓ کے بعد خلافت کی ذمہ داریاں حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب منتقل ہوگئیں اس کے متصل ہی حضرت عثمان ذی النورینؓ کے قصاص کا مطالبہ شروع ہوا کہ جن لوگوں نے ناحق خلیفہ راشد کو قتل کیا ہے ان سے قصاص لینا ضروری ہے لیکن خلیفہ وقت حضرت علی المرتضیٰ وقتی حالات و مقتضیات کے پیشِ نظر اس میں متامل تھے۔ طالبین قصاص اس سے اس شبہ میں مبتلا ہوگئے تاخیر قصاص کو جانب داری پر محمول کرنا شروع کر دیا اور ظاہری حالات بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف تھے۔

باغیوں کا سردار محمد بن ابی بکرؓ حضرت علیؓ کے پروردہ تھے اور شہادت عثمانی کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کا انعقاد اور مطالبہ قصاص کے پورا کرنے میں تاخیر یہ ایسے امور تھے جن کی وجہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کے متعلق سوءِ ظنی کا پیدا ہونا مستبعد نہیں تھا۔ یہ خطاء اجتہادی کا نتیجہ تھا، تاخیر قصاص اور دوسری جانب طلب قصاص یہ دونوں امور اختلافی حدود کی توسیع کا سبب بنے، گویا یہاں سے دو نظریے شروع ہوئے۔

طالبینِ قصاص کا نظریہ یہ تھا کہ جب تک قاتلین سے قصاص نہ لیا جائے حرمتِ خلافت برقرار نہیں رہ سکتی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کا موقف بھی یہی تھا۔ لیکن فرق صرف اتنا تھا کہ فریقِ اول خطاء اجتہادی کی بناء پر موجودہ خلافت کے قیام کا قائل ہی نہ ہوا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے تھے جب اہل مدینہ نے بیعت خلافت کر لی ہے تو خلافت مکمل ہو چکی ہے اب تمام پر بیعتِ خلافت لازمی اور ضروری ہے ورنہ حرمتِ خلافت برقرار نہیں رہ سکتی۔

نتیجہ بحث یہ نکلا کہ طالبینِ قصاص اجتہادی خطاء کی بناء پر موجودہ خلافت کے عدم قیام کے شبہ میں خلافت کے مقابلہ میں طلب قصاص کے فرض سے نکل پڑے اور خلیفہ وقت حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے پیشِ نظر میدان میں صف آراء ہوئے۔ لیکن دونوں فریق محض دینی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر میدان میں نکلے تھے۔ یہ ہے بنیادی اختلاف کا اجمالی نقشہ باقی رہی ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی سوءِ ظنی بلکہ اس کا ادنیٰ تصور بھی حبط اعمال کے لئے کافی ہے۔

اس لئے کسی امتی کو کسی صورت میں بھی اپنے آقا تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی بھی صحابیؓ کے بارے میں ان کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے حرفِ شکایت زبان پر لانا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ یہ مشاجرات محض مصالح ملیہ کے پیشِ نظر دمِ عثمانؓ کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے اور خلافت پر کوئی ہنگامہ آرائی نہیں ہوئی اور نہ خلافت کی وجہ سے یہ مشاجرات پیدا ہوئے۔

یہاں اس سوال کا جواب بھی ضروری ہے کہ آخر تاخیر قصاص کی کیا وجہ تھی؟ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ قاتلین سے قصاص لینے میں تاخیر نہ فرماتے تو ملت نقصانِ عظیم سے محفوظ رہتی۔

ایک اہم سوال: جب حضرت عثمان ذی النورین ؓ کو باغیوں نے ظلماً شہید کر دیا تو حضرت علی المرتضیٰ ؓ پر لازم تھا کہ حضرت طلحہ ؓ، حضرت زبیر ؓ وام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ جیسے حضرات طلب قصاص میں پیش پیش باغیوں کو اس کی پاداش میں قتل کر کے ملت کو نقصانِ عظیم سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے تو حضرت علی ؓ بجائے قصاص کے اس میں کیوں مانع رہے؟

جواب :امور مذکورہ کی وجہ سے جو خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت کا سبب ہوئے عموماً ایسی فضا پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے قصاص میں عظیم دشواریاں پیدا ہوگئیں اس لئے حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ خط مذکورہ کی وجہ سے حضرت عثمان غنی ؓ کے قتل کو تاویل باطل سے مباح سمجھا جانے لگا۔

ایسے حالات میں اہل بغی کے واسطے شرعی قانون یہ ہے کہ اگر وہ امام اور اصحاب عدل کے مطیع و فرماں بردار ہوں ایسی صورت میں جو ان سے جانی و مالی نقصان ہوا ہے اس کی وجہ سے نہ کوئی مواخذہ ہوگا اور نہ ان کو قصاصاً قتل اور ولی الدم کے ان کا حوالہ کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ خلیفہ وقت پر اہل بغی سے قصاص وغیرہ لینا اس وقت ضروری ہے۔ جب کہ ان کا دبدبہ ختم ہو چکا ہو اور ان کی جماعت متفرق ہو چکی ہو اور اس کی وجہ سے امن وامان میں خلل واقع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو، لیکن یہاں صورتِ حال بالکل برعکس تھی کہ ان کی شوکت و دبدبہ اور ان کی طاقت برقرار تھی اور جو شخص طلب قصاص کا ارادہ کرے قوم کے عزائم اس کے خلاف خرچ کرنے پر پختہ تھے ایسے اسباب کے مہیا ہونے پر ان سے اغماض اور اعراض ہی بہتر تھا۔

اور دوسرے یہ کہ قاتلین اور سازش قتل کے شرکاء کا تعین شہادتوں کے ذریعہ امر مشتبہ کی حد سے آگے بڑھ کر یقین کے درجہ تک نہیں پہنچا تھا بغیر یقین قصاص لینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ ان وجوہ کے پیش نظر قصاص نہیں لیا گیا۔

ملا علی قاری اور قصاص

حضرت ملا علی قاری حنفی" نے قصاص نہ لینے کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے:

''وَاِنَّما لم یقتل علی قتلة عثمان لانهم کانوا بغاة اذا الباغی له منعة وتاویل وکانوانی قتله متاوّلین وَ کان لهم منعة فانهم کانوا یستحلون ذالک بما نقمروا منه من الامور والحکم فی الباغی اذانقاد الامام وَاهل العدل ان لایواخذ بما سبق منه من اتلاف اموال لخَل العدل وسفک دمائهم وجَرح ابلانهم فلم یجب علیه قتلهم ولادفعهم اِلی الطّالب ومن یری الباغی مواخذ بذالک فانمایجب علی الامام اسفاء ذالک منهم عنه انکسار شوکتهم وتفرق منعتهم ووقوع الامن علی اثار الفتنة ولَم یکن شیٔامن هذا المعانی حاصلا بل کانت شوکة لهم یاقیة بادیة وَالمنعة قائمة جاریة وعزائم القوم علی الخروج علی من طالبهم بدمه دائمه مامنیة وٌ عنه تحقق هذاالاسباب لَقتعنی تدمیر الصائب الاعلیہ ماض منهم وَالاعراض عنهم'' (شرح فقہ اکبر ص ۸۱)

اور نہیں قتل کیا حضرت علیؓ نے قاتلین عثمانؓ کو اس لئے کہ وہ باغی تھے۔ اگر باغی کے پاس طاقت اور تاویل ہو اور تھے وہ اس کے (عثمانؓ) قتل میں تاویل کرنے والے، اور تھی ان کے واسطے طاقت پس حلال سمجھتے تھے وہ اس کو (حضرت عثمانؓ) کے قتل کو۔ بسبب ان امور مکروہات کی وجہ سے، اور حکم باغی کے بارے میں جب کہ وہ مطیع ہوا امام اور صاحب عدل کا۔ یہ ہے نہ مواخذہ کیا جائے اس سے جو گزر چکا اہل عدل کے اموال تلف کرنے سے اور ان کے خون بہانے سے اور ان کے بدن زخمی کرنے سے پس نہیں واجب امام پر قتل ان کا۔ اور نہ دفع کرنا انکا مطالبہ کرنے والے کی جانب اور جو شخص باغی کے بارے میں (ان نقصانات) کی وجہ سے مواخذہ کا حکم دیتا ہے۔ پس امام پر ان نقصانات کا ایسے پورا کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کا دبدبہ ختم ہو چکا ہوا ور ان کی طاقت متفرق ہو چکی ہو۔ اور امن وامان کے باقی رہنے کا پورا یقین ہو اور کوئی چیز بھی ان امور سے حاصل نہیں تھی، بلکہ ان کی شوکت کھلے بندوں باقی تھی، اور طاقت بھی قائم و دائم تھی، اور جو شخص ان سے خون کا مطالبہ کرے قوم کے عزائم اس کے خلاف خروج کرنے پر تیار۔ ان اسباب کے موجود ہونے پر تدبیر صائب کا مقتضیٰ یہی تھا کہ ان سے چشم پوشی اور اعراض کیا جائے۔

یہ تھا حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر جس کی وجہ سے قصاص میں تاخیر کی گئی باقی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف خطاء اجتہادی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات بھی اصحابِ اجتہاد تھے، اور ظاہر اعتبار سے دلائل قتل عمد اور حرمتِ خلافت کو پامال کرنے والوں سے قصاص لے کر ان کے کلی استیصال کے وجوب پر دلالت کرتے تھے، لیکن تاویل (۱) فاسد کو تاویل صحیح سے الحاق کرنے پر عدم مواخذہ کا جو علم خفی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا تھا، اس واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کے حق میں فرمایا ہے۔

عن ابی سعید ن الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعلی انک تقاتل علی تاویل القران کما قاتلت علی تنزیلہ (صواعق محرقہ ص ۷۴)

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ تو قتال کرے گا تاویل قرآن پر جیسا کہ قتال کیا میں نے نزول قرآن پر۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تنزیل قرآن پر قتال صحیح اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کا تاویل قرآن پر قتال صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔

اگر قصاص ضروری ہی تھا جیسا کہ مؤلف کتاب خلافتِ معاویہ و یزید کا دعویٰ ہے تو پھر بتلایا جائے کہ حضرت امیر معاویہؓ جب ولی الدم بھی تھے اور اسی واسطے وہ میدان میں بھی نکلے تھے، انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسنؓ کے صلح کر لینے کے بعد اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص کیوں نہ لیا؟ بلکہ یہ حضرات بھی حضرت علی المرتضیٰ کے موقف کو سمجھ گئے تھے اور اسی واسطے ان میں سے اکثر حضرات کا اپنے نظریہ سے رجوع بھی مذکورہ ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ

کاش! میں ایک ترشاخ ہوتی جنگِ جمل میں نہ جاتی اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ایک حدیث یاد دلانے پر میدانِ جنگ سے اپنی سواری کا رخ پھیر لیا اور واپسی پر ایک شخص نے ان کو شہید کر دیا۔

(۱) (تاویل فاسد قاتلین عثمانؓ اور تاویل صحیح حضرت علی المرتضیٰؓ)

اور اسی طرح حضرت طلحہؓ کے متعلق ثور بن مجزاۃ بیان کرتے ہیں کہ جنگ جمل کے دن حضرت طلحہؓ کے پاس سے میرا گزر اسی وقت ہوا جب کہ ان کی زندگی کے آخری لمحات باقی تھے، مجھ سے یہ دریافت فرما کر کہ میں حضرت علیؓ کے گروہ کا آدمی ہوں، میرے ہاتھ پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے لئے بیعت فرما لیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے:

تفصیل کے لئے ازالۃ الخفا کی جانب رجوع کیا جائے۔

عباسی صاحب نے اس کے بعد خلافت علی المرتضیٰؓ کے متعلق حوالہ جات میں بددیانتی کا ثبوت دے کر جس طرح انسانی دیانت کے حسین چہرہ کو داغدار کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

خلافت علی المرتضیٰؓ حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کی نظر میں

قبل اس کے کہ ازالۃ الخفا مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے جو حوالہ جات پیش کرنے میں عباسی صاحب کی دیانت سے نقاب کشائی کی جائے اوّلاً شاہ صاحبؒ کا نظریہ خلافت ہدیہ ناظرین ہے۔

ناظرین اس مبحث میں غلطی نہ کھائیں اور اس دقیق نکتہ کو بغور سمجھیں اور اسے اس کے محل پر رکھیں نہ کہ غیر محل پر۔

میری غرض اس نکتہ کے بیان سے یہ نہیں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ خلیفہ نہ تھے یا شرعاً آپ کی خلافت منعقد نہ ہوئی تھی، اور یا ان حروب اور جنگوں میں جو آپ کو پیش آئیں آپ کی سعی لوجہ اللہ نہ تھی۔

''اعوذ باللہ من جمیع ما کرہ اللہ'' (ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۶۳۸)

خلافت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا نظریہ کس قدر بے غبار ہے جس کی کسی صورت میں بھی تردید نہیں کی جاسکتی۔

اس کے باوجود عباسی صاحب نے ازالۃ الخفا سے عبارات میں قطع و برید کر کے غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

خلافت علی المرتضیٰؓ پر عدم قیام کے حوالہ جات

عباسی صاحب نے ازالۃ الخفا کی عبارت نقل کر کے اُمتِ مسلمہ کو دھوکہ دینے کہ جو کوشش کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک موقع پر ازالۃ الخفا میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ آنحضرت ﷺ در بسیارے از احادیثِ متواتر مرویہ بطریق متعددہ بیان فرمودند کہ امت بر حضرتِ مرتضیٰ جمع نہ شد لکھا ہے۔

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحتاً للمسلمین بیعت نہ کردہ (ازالۃ الخفا ص ۲۷۹ جلد ۲)

خلافت حضرت علی المرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے ان سے بیعت نہیں کی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲)

ناظرین کرام، ریسرچ جدید کی حقیقتِ کاذبہ کا صرف اس ایک حوالہ سے اندازہ لگائیں کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ اوّل جو عبارت کہ آنحضرت ﷺ در بسیار از احادیث متواتر تا جمع نہ شد نقل کی ہے۔ یہ کتاب کے کسی دوسرے حصہ سے نقل کی گئی ہے لیکن جہاں سے آئندہ حوالہ نقل کیا ہے وہاں اس عبارت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

اب ازالۃ الخفا کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عائشہ، طلحہ و زبیرؓ کا خاطی فی الاجتہاد اور ان کا معذور اور من زمرۃ من اجتہد فقد اخطأ فلہ اجر واحد (یعنی جس شخص نے اجتہاد کیا اور اس میں خطاء کی اس کے لئے ایک اجر ہے) ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ شبہ سے متمسک تھے اگرچہ اس سے قوی دلیل موجود تھی اس شبہ کے پیدا ہونے کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ خلافت حضرت مرتضیٰؓ کی منعقد نہ ہوئی تھی، اس لئے کہ اہل حل وعقد نے غور وفکر اور مسلمانوں کی مصلحت دیکھ کر بیعت نہ کی تھی۔ (ازالۃ الخفا حصہ سوم ص ۱۳۵۴ اردو)

اس کے بعد فاضل موصوف حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل کے انتقام نہ لینے پر ریمارک کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ تمام عالم اسلام میں خلیفہ شہیدؓ کے مظلومانہ قتل سے اک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا یہ صورتِ حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔

محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰ قادر است بر اخذ قصاص ذی النورین و اخذ آں نمی کند بلکہ مانع آں است و حضرت مرتضیٰ نیز بخطاء اجتہادی حکم فرمود (ازالۃ الخفاص ۲۷۹ ج ۲)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰ ذی النورین کے قصاص لینے پر قادر ہیں لیکن نہیں لیتے، بلکہ اس سے مانع ہیں اور حضرت مرتضیٰؓ نے خطاء اجتہادی سے کام لیا۔ (خلافت معاویہ یزید ص ۳)

فاضل مصنف کی قابلیت

ناظرین کرام! صاحب ریسرچ کی علمی قابلیت کا اندازہ لگائیں کہ آنجناب پر یہ مثال کس طرح چسپاں ہوتی ہے۔ یہ تو نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرہ ایمان والی مثال ہوئی۔

اگر مصنف بننے کا ہی شوق منگیر تھا تو کچھ قابلیت تو پیدا کرنی چاہیے تھی یہ جملہ کہ حضرت مرتضیٰ نیز بخطاء اجتہادی حکم فرمود اور حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطاء اجتہادی سے کام لیا مابعد عبارت سے تعلق رکھتا ہے اور ترجمہ بھی غلط کیا ہے اس جملہ کا یہاں نقل کرنا درست اور نہ ہی اس کا ترجمہ صحیح ہے جیسا کہ اصل عبارت سے معلوم ہوگا۔

ازالۃ الخفاء کی اصل عبارت یہ ہے۔

دوسری وجہ شبہ کی یہ تھی کہ قصاص حق ہے اور حضرت علی المرتضیٰ قصاص لینے پر قادر ہیں۔ پھر ذی النورین کا قصاص نہیں لیتے۔ بلکہ اس سے مانع ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ خود بھی ان لوگوں کی خطائے اجتہادی کے قائل تھے،

ابو بکر نے ابوالبختری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں نے حضرت علیؓ سے اصحاب جمل کی بابت دریافت کیا کہ کیا وہ لوگ مشرک ہیں آپ نے کہا شرک تو وہ چھوڑ چکے ہیں، لوگوں نے کہا کیا وہ منافق ہیں آپ نے کہا منافق خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں، لوگوں نے کہا پھر وہ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا وہ ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہم پر بغاوت کی اور آپ نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ میں اور وہ ان لوگوں کی طرح ہوں گے جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"وَنَزَعنا مافی صدورھم مِن غِلٍ اخوانا علٰی سرر متقابلین"

اور ہم نے ان کے دلوں سے کینہ کو نکال دیا بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہیں۔

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ (ازالۃ الخفاص ۳۵۵، ۳۵۶)

اب اصل عبارت کا ماقبل اور مابعد فاضل موصوف کے پیش کردہ حوالہ جات سے تقابل کیجئے اور مدعی تحقیق کا اندازہ لگائیے کہ کس طرح صریح بددیانتی کی ہے! حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی عبارت کا تو مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ سے قتال کرنے کی وجہ سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں کی جاسکتی! اس لئے کہ وہ خطائے اجتہادی کی بناء پر معذور تصور کئے جائیں گے! کیونکہ وہ شبہ سے متمسک تھے، اگرچہ اس شبہ سے قوی دلیل موجود تھی۔

آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس شبہ پیدا ہونے کے دو سبب ذکر کئے ہیں آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے خود حضرت علیؓ کا نظریہ ان حضرات کے بارے میں پیش کیا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ بھی ان حضرات کی خطائے اجتہادی کے قائل تھے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص ان حضرات کے بارے میں غلط نظریہ رکھے تو پھر یقین جانیئے کہ وہ اپنے نفس کا بندہ ہے۔

لیکن فاضل موصوف نے اپنی علمی قابلیت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کو اصل عبارت سے کاٹ کر ماقبل سے جوڑ دیا اور پھر ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔

ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس سے بخوبی واقف ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطاء اجتہادی حکم فرمود کا صحیح ترجمہ کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی خطاء اجتہادی کا حکم فرمایا ہی قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن مدعی محقیق ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

''اور حضرت علیؓ نے خطائے اجتہادی سے کام لیا!'' کیا یہ علمی قابلیت کا ثمرہ ہے یا ریسرچ کا نتیجہ!

حقیقت حال

فاضل موصوف نے خلافت حضرت علی المرتضیٰؓ کی جس قدر کمزور پوزیشن دکھانے کی نامسعود کوشش کی ہے۔ کہ ان کی خلافت ہی سبائی گروہ کے غلبہ واثر سے قائم ہوئی تھی اور سبائی گروہ اپنے اثر کی وجہ سے جو چاہتا حضرت علی المرتضیٰؓ سے کروا لیتا اسی وجہ سے امت کی بھاری اکثریت نے بیعت کرنے سے گریز کیا اس تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان کی خلافت شرعی نہ تھی بلکہ سبائی گروہ کے اثر کا نتیجہ تھی۔

لیکن آگے یزیدی دور اقتدار کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد فاضل موصوف کی ریسرچ کی حقیقت کا اندازہ لگائیں۔

کہ راشدین کے عہد سے لے کر اموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خودمختار ہو نظم ونسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی اور خرابی پیدا ہوگئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۸۲)

ناظرین کرام اندازہ لگائیں کہ جب مذہبی امور میں خلل اندازی کی صورت میں حکومت کے خلاف فوجی طاقت مہیا کر کے اس کو ختم کرنا کچھ بھی دشوار نہیں تھا تو پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت سبائی گروہ کے اثر سے کیسے قائم ہوئی اور کیوں فوجی طاقت مہیا کر کے اس کو ختم نہ کیا گیا؟ اور سبائی گروہ کے اثر کو امت مسلمہ نے کیوں کر برقرار رہنے دیا۔ کیا امت مسلمہ کی حرارت ملیہ ختم ہو چکی تھی۔

جب راشدین کے دور میں بھی یہی اصول کارفرما تھا جو یزید اور دیگر اموی فرمانرواؤں کے دور میں رہا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ کی خلافتِ راشدہ کے ساتھ یہ امتیازی سلوک ریسرچ کا نتیجہ ہے یا رقابتِ خاندانی کا؟

مسئلہ قصاص

مؤلف کتاب خلافتِ معاویہ و یزید حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں حضرت عثمان ذی النورینؓ کا قصاص لگائیں کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ بحسب تحریر عباسی صاحب منصبِ خلافت سے معزول کردئے گئے تھے تو سانحہ شہادت پیش آنے کی وجہ سے نئے انتخابات میں کون سا امر مانع آیا؟ کہ ایک ضروری اور لازمی امر کو امت مسلمہ نے قابل التفات ہی نہ سمجھا جب سیّد الانبیاء فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی وجہ سے مدینہ منورہ میں قیامت برپا تھی اور آقا کی جدائی سے تمام عالم اسلام بے بسی کے عالم میں تھا۔ سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے اور کون سا دل مسلمانوں کے لئے غم واندوہ کا باعث ہوسکتا ہے؟

جب اس وقت مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر آپ کے جاں نثار صحابہؓ نے محض مصالح ملیہ اور مقتضیاتِ احکام اسلامی کے پیش نظر انتخابات خلیفہ کے کام کو اولین سرانجام دینے میں معمولی تاخیر بھی برداشت نہ کی تو پھر حضرت علیؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آنے کی وجہ سے جبکہ وہ معزول بھی کردئے گئے تھے کسی خلیفہ کا منتخب نہ کرنا کیسے اور کیوں کر صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

بلکہ مزید براں سانحۂ شہادت پیش آنے کی وجہ سے تو انتخابِ جدید میں مزید سہولت پیدا ہوگئی تھی۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جدید انتخاب نہ ہوا اور نہ ہی تاریخی واقعات کا رخ دوسری جانب ہوا۔

جب باقرار فاضل مصنف خلافت کے بارے میں تاریخی واقعات کا رخ بھی حضرت علی المرتضیٰؓ اور اہل سنت والجماعت کے موقف کی تائید کرتا ہے تو کیا پھر خلافتِ راشدہ کے بارے میں نہ مکمل ہونے یا ان کے معزول کرنے کا

پروپیگنڈا الحدانہ روش کا نتیجہ ہے یا خاندانی رقابت کا ثمرہ: رہا واقعہ تحکیم، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ تاریخ دان حضرات بخوبی واقف ہیں کہ وہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا تھا ور خود واقعات بھی اس کی تغلیط کرتے ہیں ورنہ تمام صحابہ وتابعین حضرات کو مداہن فی الدین کہنا پڑے گا! نعوذ باللہ من ذالک

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرلے

حضرت عقیلؓ اور ریسرچ جدید

فاضل موصوف نے حضرت عقیلؓ کا اپنے بھائی حضرت علی المرتضیٰؓ کی رفاقت چھوڑ کر حضرت امیر معاویہؓ کے پاس جانے کی جو وجہ پیش کی ہے وہ ملاحظہ کیجئے!

سبائیوں کی من مانی حرکات دیکھ کر جو چاہتے حضرت علیؓ سے کرالیتے ہیں ان کے بعض عزیز قریب بھی بیزار ہوگئے! حضرت علیؓ کے برادر بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گردپیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑا غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے ہی لطیفے اور کتنی ہی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت عقیلؓ، حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی بزرگ خاندان تھے وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر ان کے مدمقابل حضرت معاویہؓ کے پاس جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے چلے گئے۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۸)

اگر اس تحریر کو صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی حضرت عقیلؓ کے الگ ہونے کے مذکورہ بالا اسباب ہی ہیں تو قابل غور یہ چیز ہے کہ پھر حضرت عقیلؓ کے علاوہ صحابہ کرامؓ و دیگر صلحاء امت جو حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ تھے اور آخر وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا ان کے بارے میں کیا نظریہ قائم کیا جائے گا؟

اس سلسلہ میں فاضل موصوف کا نظریہ پیش کرنا ہی زیادہ موزوں ہے!

امت کی حرارت دینیہ

امت مسلمہ میں آج بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پہ کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا حالانکہ علم وتقویٰ، قوت ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں انہیں سلف صالحین سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا، انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود نہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں پھر کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ازواج مطہرات اور کبار صحابہؓ اور اکابر آل بیت کی موجودگی قرن اوّل کے وہ مسلمان جنہوں نے قیصر وکسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے اتنے بے پروا ہو گئے تھے کہ انہوں نے ایک فاسق اور جابر کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا۔ (خلافت معاویہ یزید ص ۸۳)

اب ناظرین کرام عباسی صاحب کے دونوں مضامین کا غور سے مطالعہ کریں کہ اگر اقتدار یزید کے خلاف صحابہ کرام کا خروج نہ کرنا دین سے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے بے پروا ہونے کا ثبوت ہے تو پھر حضرت علی المرتضیٰ جو سبائی گروہ کے ہاتھوں کھیل رہے تھے اور ہر جائز وناجائز کام سبائی گروہ کے کہنے پر کر گزرتے تھے، صحابہ کرام اور دیگر صلحاء امت کا ان تمام چیزوں کے باوجود ان کی بیعت پر مستقیم رہنا اور زندگی کے آخری لمحات تک ان کا ساتھ نہ چھوڑنا دین سے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے بے پروا ہونے کا ثبوت کیوں نہیں؟ اگر اقتدار یزید میں ان کا خاموش رہنا اگرچہ یہ بھی غلط ہے یزید کے اتقاء اور پارسائی کی دلیل ہے تو پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پر صحابہ وغیر صحابہؓ کا آخری دم تک مستقیم رہنا ان کے اتقاء و پارسائی کا ثبوت کیوں نہیں؟

باقی رہی حضرت عقیلؓ کی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس جانے کی اصل حقیقت وہ صرف مالی مشکلات کے پیش نظر وہاں تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے اپنی مالی کمزوری کی وجہ تقاضا بھی کیا لیکن آپ نے یہ کہہ کر کہ میں

آپ کو دوسرے غریب مسلمانوں کے ساتھ بیت المال سے تمہارا حصہ دے سکتا ہوں ان کے اصرار پر آپ نے جواب دیدیا اور حضرت علی المرتضیٰ ؓ اگرچہ اپنے بھائی کی اعانت فرما سکتے تھے کیونکہ وہ اعانت کے مستحق تھے لیکن حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے اس صحیح اور جائز فعل کو رشتہ دار ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک پر محمول کرنے کا اندیشہ تھا اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے ہاں اس چیز کا اندیشہ نہیں تھا اس بناء پر وہاں تشریف لے گئے! (صواعق محرقہ ص ۷۹)

یہ تھی حضرت عقیل ؓ کی حضرت امیر معاویہ ؓ کے پاس جانے کی اصل حقیقت: اگر فاضل موصوف کے کذب وافترا کو صحیح مانا جائے تو نہ صحابہ کرام ؓ کی ذوات مقدسہ اور نہ ہی دیگر صلحاء امت اور نہ خود حضرت علی المرتضیٰ ؓ صحیح معنیٰ میں مسلمان قرار دئے جاسکتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

خلافت مرتضوی پر تنقید کی حقیقت

فاضل موصوف نے خلافت راشدہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی پوزیشن کمزور دکھانے کے لئے جو رویہ اختیار کیا ہے اس کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے! کہ بخلاف حضرات خلفاء ثلاثہ کہ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی اتحاد واتفاق تھا، کفار کے مقابلہ میں جہادی سرگرمیاں تھیں بڑے بڑے ملک فتح ہوئے مگر حضرت علی ؓ کے زمانہ میں نہ کوئی جہاد ہوا نہ کوئی ملک وشہر فتح ہوا نہ ملت ان کی بیعت پر مجتمع ہوئی ،آپس میں ہی تلواریں چلتی رہیں۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲، ۳)

اس سے عباسی صاحب کا مقصد ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ خلافت کے اہل نہیں تھے، حالانکہ یہ چیز بالکل غلط و بے بنیاد ہے۔ کیا کوئی مسلمان حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ جسارت کرسکتا ہے کہ ساڑھے نو سو برس تبلیغ کرنے پر جس پیغمبر پر صرف چند افراد ایمان لائے وہ بھی ان کے اپنے خاندان کے ہوں کہ وہ منصب رسالت کے اہل نہیں تھے، نعوذ باللہ من ذالک!

جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر باوجود اس قدر طویل مدت تبلیغ

کرنے پر قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان کی رفعت شان میں سوء ظنی کا تصور بھی اسلام کے نزدیک کسی صورت میں برداشت نہیں! تو پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں مشاجرات کی وجہ ان کی منقصتِ شان و عدم اہلیت پر استدلال کرنا کیسے اور کیوں کر صحیح تصور کیا جاسکتا ہے؟

اس لئے کہ جب قلتِ ظہور ہدایت شانِ رسالت میں قادح نہیں تو پھر عدم انتظام خلافت یعنی وجود مشاجرات خلیفہ راشد کے لئے کیونکر قادح تصور کئے جاسکتے ہیں؟

باقی عباسی صاحب نے اس سلسلہ میں جو حوالہ جات منہاج السنۃ اور ازالۃ الخفاء سے پیش کئے ہیں ان کی یہ غرض ہرگز نہیں جو عباسی صاحب بیان فرمارہے ہیں ان کی غرض تو صرف اتنی کہ ان کے زمانہ میں اس طرح ہوا۔ باقی یہ کہ اس سے ان کی شانِ خلافت میں منقصت کا کوئی پہلو بیان کرنا ہرگز مراد نہیں!

حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت تعریف خلافت و شرائطِ خلافت اور انعقادِ خلافت کے طریقے گویا کہ ہر اعتبار سے جامع اور مانع ہے جس طرح خلفاء ثلاثہؓ کی تنقیصِ شان کا کوئی پہلو اسلامی حدود میں برداشت نہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ خلیفہ راشد کی منقصت کا ادنیٰ تصور بھی حرارتِ ایمانی کے نزدیک جرم عظیم سے کم نہیں۔

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ

قبل اس کے کہ یزید کے چہرہ سے نقاب کشائی کی جائے اس ناخلف بیٹے کی وجہ سے غلط شبہات کی بناء پر مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہونے والے اور نورِ نبوت کی شعاعوں سے فیض یاب ہونے والے حضرت امیر معاویہؓ کو جو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اوّلاً اس کے متعلق چند معروضات ہدیہ ناظرین ہیں۔

سیدنا حضرت امیر معاویہؓ کی ذات گرامی مجموعہ محاسن و کمالات ہے آپ نے بلاواسطہ ہدایت کے سراج منیر سے اپنے ظاہر و باطن کو منور فرما کر دربار رسالت سے ہادی و مہدی ہونے کا جو شرف حاصل کیا ہے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جس پاک و مقدس جماعت میں حضرت امیر معاویہؓ داخل ہیں ان کے بارے میں شہادت قرآنی ملاحظہ فرمایئے!

1

كُنتُم خَيرَ أُمةٍ أُخرِجَتْ لِلنَاسِ تامرون بالمعروف وَتَنهوْنَ عَنِ المنكر وَتومنونَ باللهِ (آلِ عمران)

ترجمہ: اور تم ہو بہتر امتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالم میں۔ حکم کرتے ہو نیکی کا اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

وکذالک جعلنا کم امةوسطًالتکونو اشهداء علی الناس (البقرہ)

ترجمہ: اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر

مُحمدٌرسول اللهِ وَالَّذينَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلَى الكفَّارِ رُحَماء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكعًاسُجَدًايَبتغُوْنَ فَضْلاًمن اللهِ وَرِضوانا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوهِهِم مِن اَثرِ السُجُوْد

محمد اللہ کا رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی، پہچان ان کی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے۔ (فتح)

وَاعْلَمُوا انَّ فيكم رسول اللهِ لَوْيطيعُكُمْ فی كثير مَنِ الْاَمرِ لعنتم وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اليكمُ الايمانَ وَزيّنه فی قلوبكم وكره اليكم الكفر والفسوق وَ العِصْيَانَ اولٰئک هم الراشدون فضلامَنِ اللهِ ونعمة۔ واللهُ عليم حَكيم (حجرات)

اور جان لو! تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔ پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اچھا دکھایا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر، گناہ اور نافرمانی کی وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔

يوم لا يخزی اللهُ النَّبی وَالَّذينَ اٰمنوا معه نورهم يسعیٰ بَيْنَ ايديهم وبايما نهم يَقولُونَ رَبَّنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک عَلٰی كل شيءٍ قدير ہ (التحریم)

جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو، اور ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں ان کے ساتھ ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے، کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی، اور معاف کر ہم کو بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے!

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات کو جو قطعی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلیٰ درجہ کی صفات کمالیہ پر شہادت دیتی ہیں اور جن کے مصداق اوّل یہی حضرات ہیں کو غور سے پڑھیئے اور اس پاک ومقدس ترین جماعت کے فضائل ومناقب اور دربار ایزدی میں ان کی مقبولیت آفتاب نبوت کے فیضان صحبت سے اس قدر ترقی پذیرائی ہوئی کہ خالق السمٰوٰت والارض نے اپنی کتاب لاریب میں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا خطاب عطا فرما کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات مقدسہ کے بعد تمام کائنات سے افضل ترین اسی پاک باز گروہ کو شمار کیا ہے۔

آفتاب نبوت کی شہادت

شہادت قرآنی کے بعد آفتاب نبوت کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (الحدیث)

میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (الحدیث)

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم (الحدیث)

سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل ہے۔ پھر جو اس سے متصل ہے۔

اَللّٰہَ اللّٰہَ فِی اصحابی مَن اَحَبَّھُم فَبِحُبّی اَحَبَّھُم ومن اَبغَضَھُم فَبِبغضی اَبغَضَھُم (الحدیث)

ڈرو! اللہ سے، ڈرو! اللہ سے میرے اصحاب کے بارے میں پس جو دوست رکھتا ہے ان کو میری دوستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے اور جو دشمنی رکھتا ہے ان سے بسبب میری دشمنی کے دشمن رکھتا ہے۔

فلو انّ احد کم انفق مثل أحد ذھبا مابلغ مد اصحابی ولا نصیفہ (او کماقال) (الحدیث)

اگر تم میں کوئی پہاڑ اُحد کے برابر سونا خرچ کرے تو میرے صحابی کے مد کے ثواب اور نہ اس کے آدھے ثواب کے برابر پہنچے۔

ان روایات کے ہم معنی اور بہت احادیث صحیحہ کتب احادیث میں موجود ہیں جو کہ عامۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعلیٰ مناقب پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ اجماع امت کو لیجئے! کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کے لئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلی اور ایمان کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا وہ بعد کے تمام اولیاء اللہ، اتقیاء امت، قطب و ابدال سے افضل ہے!

صحابہ کرام کے مذکورہ بالا فضائل و مناقب کے ہوتے ہوئے کسی ایک صحابی کے متعلق بھی بدگمانی کرنا احکام اسلامی کی تضحیک ہے! خواہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی ذات گرامی ہو یا حضرت امیر معاویہ کی شخصیت!

حضرت امیر معاویہ

سیدنا حضرت امیر معاویہ کی ذات گرامی مجموعہ محاسن و کمالات ہے! قدرت نے جہانگیری و جہانبانی کے علاوہ جو اوصاف آپ کی ذات پاک میں ودیعت فرمائے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

آپ کے فضائل کے لئے تو مستقل تصنیف کی ضرورت ہے لیکن یہاں صرف ایک دو چیزیں ہدیہ ناظرین ہیں!

سیدنا حضرت امیر معاویہ قرابتِ خاندانی کے علاوہ فضیلت صحابیت اور فضیلت مصاہرت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور کے سالے ام حبیبہ ام المومنین کے بھائی ہونے کی وجہ سے! حضرت امیر معاویہ اس رشتہ کی بناء پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں، اور صاحب زادگان حضرت حسن و حسین کے نانا مانے جاتے ہیں! ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات:

اَللّٰھُمَّ اجعلہ ھَادِیاً و مھدیا (ترمذی شریف)

اے اللہ! کر اس کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ!

اَللّٰھُمَّ علّمہ الکتاب و الحساب و قہ العذاب (کنز العمال)

علم سکھا دے اور اسے عذاب سے محفوظ رکھنا!

حضور کے پہلے ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہؓ نہ صرف ہدایت کرنے والے بلکہ خود بھی ہدایت یافتہ تھے! اور دوسرے ارشاد سے محاسن دنیوی واخروی کے جامع اور معائب دنیا وآخرت سے مجتنب رہنے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ گویا کہ محاسن کی تمام اقسام کے جامع ہونے کی دعا فرمائی ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھے۔

روایت حدیث

ذخیرہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہوئی حضرت امیر معاویہؓ کے واسطہ سے ایک سو تیس احادیث ہیں ان سے روایت کرنے والے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابودرداءؓ وغیرہ صحابہ اور ابن المسیبؒ، حمید بن عبدالرحمنؒ، تابعین حضرات کی جماعت ہے۔

کاتب وحی

حضرت امیر معاویہؓ کاتب وحی بھی تھے علامہ طبری نے وحی قرآنی کی کتابت کرنے والے تیرہ حضرات کے نام تحریر کئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، عامر بن فہیرہؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، ابی بن کعبؓ، حضرت ثابتؓ، خالد بن سعیدؓ، حنظلہ، زید بن ثابتؓ، حضرت معاویہؓ، شرحبیلؓ۔

لیکن حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت زیدؓ ہمیشہ حضور کی صحبت میں رہتے اور سب سے خاص مہارت کے کاتب تھے:

بشارت جنت!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو دریا میں جہاد کرے گا اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ اس لشکر سے مراد حضرت امیر معاویہؓ کا لشکر ہے اس لئے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں بحری جہاد انہی کے لشکر نے کیا!

مذکورہ بالا فضائل و مناقب کی موجودگی میں حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ بعض مسلمان اس عظیم ترین شخصیت کو غلط پروپیگنڈہ سے ہدف مطاعن اور مورد الزام ٹھہراتے ہیں:

حضرت امیر معاویہؓ کی حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ اور اختلاف یزید کی وجہ سے ان کو مورد الزام ٹھہرانا کسی صورت میں صحیح نہیں:

اس سلسلہ میں چند مقدمات ملاحظہ فرمایئے!

۱۔ صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں! اور جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ قطعیت کا درجہ نہیں رکھتیں لیکن وہ اسانید کے لحاظ سے اس قدر قوی ہیں کہ تاریخی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔اس لئے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے!

۲۔ صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ معصوم نہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی کہ ما بعد کے اولیاء اللہ، سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر منعقد ہے۔اسی واسطے حضرت امام شافعیؒ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا حضرت امیر معاویہؓ؟

آپ نے فرمایا کہ امیر معاویہؓ کے اس گھوڑے کے نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہوکر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے!

۳۔ معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہوجاتا ہے مگر یہ گناہ صورتاً ہی گناہ ہے حقیقت میں نہیں! حقیقت میں اس کو گناہ نہیں کہا جائیگا! حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کا حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی (وہ بھی بڑا بھائی) سخت اہانت ہے! جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے۔مگر یہاں گناہ بھی شمار نہیں کیا گیا!

محشر میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کو قبطی قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی مگر یہ امر یعنی حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ السلام کیساتھ ایسا سلوک اس وقت باعث خوف نہ ہوگا حالانکہ وہ قبطی کافر تھا، ملک دارالحرب تھا، دشمن خدا اور رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا ظالمانہ طریقہ پر اسرائیل پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دیدی گئی!

قالَ رَبِّ انِی ظلمتُ نفسی فاغفر لی فغفر لہ انہ ھو الغفور الرَّحیم

کہا اے میرے رب! ہم نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھکو پھر اس کو بخش دیا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے

مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح کو پھینک دیا۔ والقی الالواحَ (سورۂ اعراف)

کتاب کو پھینکا اور پھر وہی کتاب اللہ جو انہی کو دی گئی ہو، جس میں کوئی شبہ نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا اور یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا! یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جب کہ طور پر خبر دی گئی تھی.

فانا قد فتنا قومک من بعدک و اضلھم السامری!

اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو غلط فہمی میں کیوں مبتلا نہیں ہو سکتا؟ اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اللہ اور کتاب اللہ کا اہانت اور ہاتھ پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صاحب زادوں سے جنگ و جدل پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا؟

اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے؟ تو بنی ہاشم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صاحب زادوں

پر حضرت معاویہؓ کا غصہ کیوں تیز نہیں ہوسکتا ہے؟ ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں تو پھر کسی اور کو مداخلت کا حق کیسے ہوسکتا ہے؟

مخالفت اور عداوت

ان حضرات کی باہمی مخالفت کو ان کی باہمی عداوت پر محمول کرنا کسی طرح جائز نہیں اس لئے کہ مخالفت اور عداوت میں فرق ہے کیونکہ مخالفت کو عداوت لازم نہیں۔

یہ امر ظاہر ہے کہ دو مسلمانوں میں امور دنیاوی میں مخالفت ممکن ہے اگرچہ بتقاضائے ایمان وہ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں لہٰذا مخالفت عداوت سے عام ہوگی کہ جہاں مخالفت ہو عداوت کا وہاں ہونا لازمی نہیں! لیکن اس کے برعکس کہ جہاں عداوت ہو مخالفت وہاں ضرور ہوگی! ان کی آپس کی مخالفت و آزردگی سے کسی شخص کو دخل دینے کا مطلقاً جواز نہیں ہے۔ کیا کوئی صاحب ایمان حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت سیدۃ النساء فاطمہؓ ان دونوں کی آپس میں آزردگی کی وجہ سے مداخلت کرسکتا ہے؟

جیسا کہ حضرت علیؓ کی کنیت ابوتراب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ سے آزردہ خاطر ہو کر مسجد میں لیٹے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے آکر قُمْ یا ابو تراب فرمایا:

باوجود مساوات درجہ و مرتبہ کے تقاضائے بشریت پر محمول کیا جائیگا!

جیسا کہ ملا رفیع از علماء شیعہ اس واقعہ کو نقل کیا ہے! اس تمام بحث کے پیش نظر انصاف کی نگاہ سے فیصلہ کیجئے کہ اگر محض غلط فہمی کی بناء پر حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ کرنے والے حضرات اس قدر معتوب اور مورد الزام ہوسکتے ہیں تو پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے حق میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ کہ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام سے محاربہ میں کوئی قصور نہ فرمایا یہاں تک کہ حضرت ہارون علیہ السلام زاری سے پیش آئے اور فرمایا: ''یابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا برأسی''

''اے میرے بھائی نہ پکڑ میری داڑھی، اور نہ سر میرا''

لڑائی میں ان کے علاوہ اور کیا چیز ہوسکتی ہیں؟

نتیجہ بحث

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی بمطابق ارشاد نبوی انتَ مِنّی بمنزلت ھَارُونَ مِن مُوسیٰ! وہ رتبہ رکھتے تھے۔

ادھر ام المومنین زوجہ مطہرہ رسول و دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ و امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے حضرات جن کی شان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے!

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدَیتُمُ اھتَدَیتُمُ

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ ان حضرات نے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا حامی اور اجراء قصاص میں سستی کرنے والا سمجھ کر غلط فہمی کی بنا پر ان سے لڑائی کی تو ہرگز ان کے متعلق سوء ظنی نہیں کی جا سکتی! جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو گو سالہ کے پرستاروں کا حامی حدود تعزیز میں سستی کرنے والا جان کر اپنے بڑے بھائی اور پیغمبر کی داڑھی اور سر کو پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیا اور کتاب اللہ کو پھینک دیا!

لہٰذا اگر محض لڑائی ہی کفر طعن و تشنیع کا سبب ہوتی تو پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بھی نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ کافروں کی جماعت میں شامل ہوتے۔

اسی طرح سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا معاملہ ہے آپ کے ساتھ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو صدمہ پہنچانا لڑائی سے کیا کم تھا؟ تو ثابت ہوا کہ کسی غلط فہمی کی بناء پر کسی سے برسر پیکار ہونا ہرگز طعن و تشنیع کا سبب نہیں ہو سکتا:۔

یہی پوزیشن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ جنگ کی تھی جس کی بنا ان کو ہرگز مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

اسی واسطے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن اتقاء و پرہیز گاری کو تمام آلائش و نقائص سے پاک و صاف ہونے کا اعلان فرما کر امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے جنگ صفین کے بعد اپنے زیر حکومت علاقہ میں جو اعلان بذریعہ گشتی مراسلہ بھیجا

گیا نہج البلاغت جو شیعہ حضرات کی مشہور کتاب ہے کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

اعلان علی المرتضیٰؓ

''ومن کتاب له علیه السّلام کتبه الی اهل الامصار لقیق فیه ماجری بینه و بین اهل صفین و کان بدئ امرنا انا التقینا و القوم من اهل الشام و الظاهر ان ربنا واحد و نبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام واحدة لا نتریدهم فی الایمان بالله و التصدیق برسوله و لایتزیدوننا و الامر واحد الا ما اختلفنا فیه من دم عثمان و نحن منه براء'' (نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۲۶)

اور جناب امیر کا مکتوب ہے انہوں نے تمام شہروں کو لکھا اس میں وہ ماجرا بیان کرتے ہیں جو ان کے اور اہل صفین کے درمیان واقع ہوا اور ابتدا اس معاملہ کی یہ ہوئی کہ ہم اور اہل شام کا گروہ مقابل ہوئے اور یہ کھلی بات ہے کہ ہم دونوں کا رب بھی ایک ہے اور ہمارا نبی بھی ایک ہے اور دعوت ہماری اسلام میں بھی ایک۔ نہ ہم بڑھانا چاہتے ان کو اللہ کے ایمان اور رسول کی تصدیق میں اور نہ وہ ہم کو بڑھاتے تھے۔ پس ہم دونوں کا معاملہ ایک تھا مگر اس میں اختلاف پڑ گیا خون عثمانؓ کی وجہ سے اور ہم اس سے بری ہیں۔

اس اعلان کے ہوتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کو ہدف مطاعن و مورد الزام ٹھہرانا خود حضرت علی المرتضیٰؓ کی تکذیب ہے جسکا صاف مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے غلط اور خلاف حقیقت اعلان فرمایا حضرت امیر معاویہؓ نے یہ اعلان فرما کر کہ سوائے خون عثمانؓ کے ہمارا کسی چیز میں اختلاف نہیں، نہ ایمان باللہ، نہ تصدیق رسول اللہ ﷺ میں کوئی اختلاف اور نہ ہی دعوت اسلامی میں کوئی تباین اور نہ حصول اقتدار کی بناء پر یہ معرکہ آرائی:

حضرت امیر معاویہؓ پر تمام اعتراضات و شبہات کی حقیقت کو واضح فرما دیا

سیدنا امام حسنؓ اور خلافت حضرت امیر معاویہؓ

حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے امور خلافت سپرد کر کے ان کی

شخصیت فی الاسلام کا جو عملی ثبوت پیش فرمایا ہے وہ اہل اسلام کیلئے درس عبرت ہے۔

"لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب علی معاویة عن ابی سفیان دخل علیه الناس فلانه بعضهم علی بیعته!"

(احتجاج طبری ۱۹۲)

جب حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کی تو لوگ ملامت کرنے لگے کہ آپؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے بیعت کیوں کر لی؟

فقال واللّٰه ان معاویة خیر لی من هولاء (احتجاج ۱۶۳)

آپ نے فرمایا واللہ! حضرت امیر معاویہؓ میرے لئے ان سے بہتر ہیں!

باوجود فوجی طاقت کے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کرنا اور بے سروسامانی کے سیدنا امام عالی مقام حضرت حسینؓ کا یزیدی اقتدار کو چیلنج دینا باپ اور بیٹے کی اہلیت و نااہلیت پر مہر تصدیق نہیں تو اور کیا ہے؟

یعنی اگر حضرت امیر معاویہؓ کا دامن اتقاء ذرا بھی مشکوک ہوتا تو حضرت امام حسنؓ سے ہرگز صلح کی توقع نہیں تھی! جیسا کہ حضرت امام حسینؓ نے یزید کی نا اہلیت کے پیش نظر جان دیدی لیکن اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینا گوارا نہ کیا!

سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

استخلاف یزید

یزید کو ولی عہد بنانے کی وجہ سے بھی ان کو ہرگز مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس بارے میں ابن خلدونؒ کی تحقیق پیش کی جاتی ہے:

اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی و بدظنی سے بہت دور ہے خصوصا جب کہ کسی خاص مصلحت کا تقاضا بھی اس کے ساتھ شامل ہو یا کسی خاص فتنہ وفساد سے بچاؤ مدنظر ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کو سرے سے گنجائش نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب

حل وعقد کا اتفاق ان کیلئے کافی حجت تھا اور اسی اتحاد و اتفاق کی مصلحت کو سامنے رکھ کر انہوں نے اور لوگوں کو چھوڑ کر یزید کو اپنی جانشینی کیلئے چھانٹا،

یہ حقیقت ہے کہ بنی امیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی کیلئے رضامند ہونے والے نہیں تھے، اور وہ قریش اور تمام مسلمانوں کی عصبیت اپنی پشت پناہی میں رکھتے تھے، خود بااثر تھے اور باشوکت، لہٰذا انہیں حالات کے پیش نظر معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر یزید کا انتخاب کیا اور فاضل و بہتر کو نظر انداز کر کے مفضول و کمتر کو مسند سلطنت پر لائے! صرف اس لالچ سے لوگوں کا اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جسکی بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے ورنہ اس کے سوا معاویہؓ کے بارے میں اور کیا کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان کی مسلمہ عدالت و صحبت نبوی کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے۔ مزید براں صحابہ و کبار کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ معاویہؓ ہر بدظنی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جاسکتا، نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے، نہ معاویہؓ اس مزاج کے تھے وہ عزت وشانِ مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے، ان بزرگوں کی عدالت ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالاتر ہے۔

ولی عہدی کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کی انفرادیت

اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانے کے بارے میں حضرت امیر معاویہؓ کو خلفاء اربعہؓ کے خلاف ہونے کا ہرگز مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا:

اس بارے میں بھی علامہ ابن خلدونؒ کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے!

اور یہ کہنا کہ ان کا یہ عمل خلفاء اربعہ کے عمل کے خلاف تھا تو ان کی حالت و شان کو خلفاء اربعہ کی شان و حالت سے کیوں ملایا جائے؟ حضرات خلفاء اربعہ ظاہر ہے ایسے دور میں تھے کہ خلافت پر سلطنت کا رنگ مطلق نہ چڑھا تھا خلیفہ محض مذہبی و دینی آدمی ہوتا ہے۔ اور دین ہی کی روشنی میں اپنے ہر کام کو انجام دیتا۔ اسی لئے

خلفاء اپنا ولی عہد صرف اسی کو بناتے جس کو دین و مذہب سب پر پیشوائی نصیب ہوتی! اور خلافت کا سہرا اسی کے سر باندھتے۔

اب ان کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو زمانہ نے اپنا رنگ پلٹا سلطنت کی آن بان بڑھی اور دینی حکومت کی شان گھٹی۔ اور اب ایسے فرمانروا کی ضرورت محسوس ہوئی جو سلطنت میں یکتا اور عصبیت میں بے ہمتا ہو، لہٰذا اگر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند امامت پر لائے تو اس کی امامت کون قبول کرتا؟ اور دیکھتے دیکھتے وہ ختم ہو جاتی، اور قوم اختلاف کا جو شکار ہوتی وہ بھی ظاہر ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

ولی عہد اور اس کا فسق فجور

رہی یہ بات کہ یزید کے فاسق و فاجر ہونے کے باوجود اس کو ولی عہد بنانا کس طرح امیر معاویہؓ کی نیک نیتی پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ابن خلدون ہی کی تحقیق ہدیہ ناظرین ہے!

اب انتخاب ولی عہدی کے سلسلہ میں چند امور ایسے ہیں جو قابل بیان ہیں تا کہ اس حق و ناحق، صواب وغیرہ صواب کی تمیز ہو سکے۔

اوّل یہ کہ وہ فسق و فجور جو یزید سے اس کی خلافت کے عہد صادر ہوا کیا وہ بر وقت تقرری ولی عہدی معاویہؓ کے علم میں تھا تو حقیقت یہ ہے کہ معاویہؓ کی شخصیت باعتبار فضیلت و عدالت اس بدگمانی سے پاک ہے! اور بالکل بری، بلکہ وہ تو اپنے عین وحیات میں یزید کو گانا سننے سے سختی سے روکا کرتے تھے جو دیگر امور فسق میں جس کا یزید نے ارتکاب کیا کم درجہ ہے! پھر سماع بارے میں خود صحابہ مختلف الخیال و القول رہے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۲)

اب اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

خلاصہ بحث

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی حضرت علی المرتضیٰ سے

جنگ محض خطاء اجتہادی اور وہ بھی حضرت عثمان غنی کے قصاص کے بارے میں وقوع پذیر ہوئی جس کی وجہ سے ان کو ہرگز موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا! جیسا کہ خود حضرت علی المرتضیٰ کے مکتوب گرامی سے ظاہر ہو چکا ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام دونوں حضرات میں سے کسی ایک کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ و حضرت امیر معاویہ دونوں حضرات فیضانِ صحبت نبوی و رشتہ داری کے لحاظ سے ایک ہی باغ کے دو مختلف قسم کے پھول ہیں۔ اگر ایک کو دامادی کا شرف حاصل ہے تو دوسرے کو مصاہرت یعنی اُمّ المومنین اُمّ حبیبہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اگر ایک چچازاد بھائی ہے تو دوسرا کونسا کوئی غیر ہے وہ بھی چچازاد بھائی ہے فرق صرف قرب اور بعد کا ہے ان امور کے پیش نظر کسی کو کیا حق ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک کے متعلق لب کشائی کرے!

اور یزید کی ولی عہدی وہ بھی بہت سے مصالح کے پیش نظر تھی اس لئے کہ جنگ جمل و جنگ نہروان وغیرہ حضرت امیر معاویہ کے سامنے تھے، بنی امیہ تقریباً کافی عروج پر پہنچے ہوئے تھے، قریش اور دیگر مسلمانوں کی حمایت بھی ان کو حاصل تھی، بنی امیہ کسی صورت میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اقتدار ان سے نکل کر کسی دوسرے خاندان میں چلا جائے! ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص کو ولی عہد بنانا خود امتِ مسلمہ میں فساد ڈالنے کے مترادف ہے۔

اگرچہ یزید کے علاوہ ایسی ضوفشاں بے مثال ہستیاں موجود تھیں جو کہ تقویٰ اور خشیت الٰہی کے آفتاب تصور کئے جاتے تھے۔ محض سفکِ دماء اور اضاعتِ اموال اور فساد فی الارض کا سدّ باب کرتے ہوئے اہون البلیتین کو اختیار فرما کر یزید کو ولی عہد بنایا گیا۔

اور باقی بعض تاریخی روایات کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اس کے باوجود انہوں نے اس کو نامزد کیا

بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اس لئے مؤرخین کی روایتیں عموماً بے سروپا ہوتی ہیں۔ نہ روایوں کا پتہ، نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر، نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے، ان اخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں تاریخی روایات کو نا قابل اعتبار سمجھ کر رد کر دیا جائے گا۔

یعنی حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ حیات میں جس قدر تاریخی روایات یزید کے معلق بالنفس ہونے کے بارے میں منقول ہیں وہ آیات قرآنی واحادیث صحیحہ جو صحابہ کرام کی شان میں وارد ہیں کے مقابلہ میں نا قابل قبول ہیں! لہٰذا حضرت امیر معاویہؓ پر کسی قسم کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک

اہل سنت والجماعت کا مسلک مشاجرات صحابہ کرام کے بارے میں یہ ہے کہ حق حضرت علی المرتضیٰ کی جانب تھا۔ دوسرے صحابہ کرام خطاء اجتہادی کی بناء پر معذور تصور کئے جائیں گے، اور دونوں فریق عدالت وصالحیت کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام ہیں، اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی وفات اور حضرت حسنؓ کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہؓ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خلیفہ برحق ہیں۔

ایسے حالات میں کسی ایک کے متعلق بھی لب کشائی کرنا خود اپنی عاقبت برباد کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام آفتاب نبوت کے ستارے ہیں۔

سیدنا حضرت امام حسینؓ

حضرت حسینؓ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں کہ آپ اس گھرانے کے چشم و چراغ ہیں جس کی محبت ومودت رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں تمام عالم اسلام پر قیامت تک کے لئے لازمی اور ضروری قرار دی ہے۔ اور ان کی پاکیزگی اور نفاست کے بارے میں شہادت ربانی ملاحظہ فرمایئے!

"یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیرًا"

اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے ہر قسم کی رجس و آلائش کو اور یہ کہ تم کو بالکل پاک کردے۔

اس آیت کریمہ کے نزول پر نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ کو ایک کمبل میں لے کر بیٹھ گئے اور ہاتھ اٹھا کر دربار ایزدی میں التجا کرتے ہیں کہ:

یا اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں تو انہیں ہر قسم کی آلائش سے پاک فرما۔

جس خاندان کی مداح سرائی میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث خیر الانام اس کثرت سے ہوں وہاں نہ کسی کی زبان اور نہ کسی کے قلم کی رسائی ہوسکتی ہے۔ ان کی تعریف وتوصیف اور ان کے فضائل وکمالات کا بیان تو درکنار انکا تصور بھی ہمارے ناقص خیال میں نہیں آسکتا۔

خاندان نبوت کا تعارف تو ایسا ہے کہ جیسا دن کے وقت سورج کا تعارف چراغ سے کرایا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیام قیامت تمام گھرانوں سے اور تمام اوصاف عالیہ میں ممتاز ومنفرد ترین گھرانہ صرف ہمارے آقائے نامدار، تاجدار مدینہ نبی کریم ﷺ کا گھرانہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

یااھل بیت رسول اللہ حبکم فرض من اللہ فی القرآن انزلہ

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لاصلوۃ لہ

ترجمہ: اے خاندان نبوت تمہاری محبت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرض ٹھہرائی ہے! تمہارے عظیم المرتبت ہونے کے واسطے یہی کافی ہے جو تمہارے اوپر درود نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالَ الحسن و الحسین

سید اشباب اهل الجنة، عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنَّ الحسنَ والحسینَ ریحانتای من الدنیا

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا حسن اور حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حسن اور حسین دونوں میرے پھول ہیں دنیا میں!

ان احادیث کے علاوہ ان کی شان میں اس کثرت سے احادیث ہیں کہ اس کے لئے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے۔

حضرت امام عالی مقام جس نے مقدس ترین ماحول میں پرورش پائی، جس کو خطابت، شجاعت آفتابِ نبوت سے براہ راست ملی، اور جس کی حسن سیرت و صورت کو آفتاب ہدایت کی نورانی شعاعوں نے منور فرما کر خزائن اسرار کا مرکز بنایا اور شیوہ تسلیم و رضا جس کے خمیر میں تھا۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ شانِ امام حسینؓ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں!

شاہ ہست حسینؓ پادشاہ ہست حسینؓ
دین است حسینؓ و دیں پناہ ہست حسینؓ
سرداد نہ داد دست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ ہست حسینؓ

حضرت امام حسینؓ نے ملت اسلامیہ کے تحفظ کی خاطر اپنے اور اپنے معصوم بچوں کے خون سے میدان کربلا کے سینہ پر جو کچھ تحریر کر گئے تھے افسوس کہ مسلمانوں نے اسے فراموش کر دیا! اور ان کی عظیم ترین قربانی کے مقصد اعلیٰ کو قابلِ التفات ہی نہ سمجھا۔

حضرت امام عالی مقام کا اقتدار یزید کے خلاف خروج کا جو نقشہ علامہ ابنِ خلدون نے پیش کیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

اب حضرت امام حسین کا واقعہ! تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یزید کا فسق و فجور تمام اہل زمانہ کے سامنے آشکار ہو گیا تو طرفداران اہل بیت نے کوفہ سے

حضرت امام حسینؓ کو بلوایا اور لکھا کہ آپ تشریف لائیں ہم آپ کی پشت پناہی میں ہیں حضرت امام حسینؓ نے سوچا کہ یزید کی بدکاریوں کیوجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی خصوصاً جب کہ اس پر قدرت بھی ہو تو پھر تاخیر کیوں کی جائے اور آپ نے اپنے میں اس کی اہلیت بھی پائی اور شوکت بھی۔ اہلیت تو بہرحال آپ میں آپ کے خیال سے بھی زیادہ ہی تھی لیکن شوکت کے انداز میں آپ صحیح نقطہ نظر پر نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ مضر کی عصبیت قریش میں کارفرما تھی۔ اور عبدمناف کی عصبیت بنی امیہ میں ،قریش اور سبھی لوگ اس حقیقت کو خوب جانتے تھے اور کسی کو اس سے مجال انکار نہ تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۴۷)

اس سے حضرت امام عالی مقام کے شرعی موقف کی پوری وضاحت ہوتی ہے کہ ان کا خروج مذہبی نقطہ نظر سے اقتدار یزید کے خلاف جہادِ عظیم تھا۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ تصیب امتی فی اٰخر الزمان من سلطانھم شدائد لاینجو منھا الا رجل عرف دین اللہ فجاھد علیہ بلسانہ ویدہ وقلبہ فذالک الذی سبقت لہ السوابق"
(مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ پہنچیں گی آخری زمانہ میں میری امت کو سختیاں نجات نہیں پائے گا اس سے مگر وہ شخص جو کہ پہچانے اللہ کے دین کو پس جہاد کیا اس نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے دل کے ساتھ! پس یہی شخص ہے جو نیکیوں میں سابق القدم ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے جابر وظالم بادشاہ کی سختیوں سے نجات کی بنیاد ہی جہاد پر رکھی ہے جس میں جابر فرماں روا کے ساتھ جنگ کرنا بھی جہاد شمار کیا گیا ہے۔

یہ حدیث بظاہر ان احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے جن میں کفر کے سوا بادشاہِ وقت کے خلاف ہاتھ اٹھانا کسی صورت جائز نہیں بلکہ ہر حالت میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری ضروری ولازمی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔

"وأن لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفراً بواحا عندكم من الله فيه برهان۔" (بخاری کتاب الفتن)

اور یہ کہ نہ جھگڑا کریں برسر اقتدار شخص سے مگر یہ کہ اس سے کھلا کفر دیکھیں اور اللہ کی جانب سے اس میں قطعی دلیل موجود ہو اور آئمہ دین کی ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے!

"لانری الخروج علی الائمة ولو جاروا!"

حاکمانِ وقت کے خلاف خروج جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں! بظاہر اگرچہ احادیث کا باہمی تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں! اس لئے کہ اگر کسی فرمانروا کے ظلم وستم سے کسی کی دنیاوی حیثیت مجروح ہوتی ہو تو ایسی صورت میں جوشِ انتقام سے مغلوب ہو کر اس کے خلاف ہاتھ اٹھانا کسی صورت میں جائز نہیں!

لیکن اگر کسی صاحبِ اقتدار کے غلط اور ناجائز طرزِ عمل سے ملتِ اسلامیہ کا کوئی گوشہ مجروح ہوتا ہو جس کی وجہ سے امتِ مسلمہ کے فتنہ وفساد اور تعدی کا شکار ہونے کی وجہ سے نظام ملی اور ملکی کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں سامان جہاد کے فراہم ہونے پر خروج کرنا۔

اسلامی نقطہ نظر سے جہادِ عظیم شمار کیا جائے گا۔ ورنہ ان حضرات کو کیا کہا جائے گا جنہوں نے غلط کار فرمانرواؤں کے ظلم و استبداد کے نتیجہ سے قوم کو نجات دلانے میں اپنی عزیز ترین متاع دنیاوی کو ملک وملت کے مفاد پر قربان کر دیا۔ خصوصاً صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ حضرات جنہوں نے واقعہ کربلا کے صرف تین سال بعد مدینہ منورہ میں یزید کی غلط کاریوں کے پیشِ نظر اس کی بیعت فسخ کر کے علم جہاد بلند کیا۔ کیا ان حضرات کو شہید نہیں کہا جائے گا؟

خلاصہ یہ کہ صاحبِ اقتدار کے مجاہر بالفسق ہونے کی صور میں مفاسد عظیمہ کی پیش بندی کے طور پر اس کے خلاف خروج کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

ممانعت خروج صرف ذاتی اور دنیاوی حیثیت کے مجروح ہونے کی صورت میں صحیح تصور کی جاسکتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں مفاسدِ عظیمہ کے پیدا ہونے کا

شدید ترین خطرہ ہے۔ لہٰذا غرض شارع علیہ السلام کی دونوں جگہ مفاسد عظیمہ کے نتائج بد سے قوم کو محفوظ رکھنا ہے۔ اور حدیث اوّل میں شدائد سے مراد شدائد دینیہ ہیں یعنی ظاہر ہونا فواحش و منکرات شرعیہ کا جیسا کہ: ''لاینجو منها الا رجل عرف دین اللہ'' کے جملہ سے ظاہر ہے کہ جس فتنہ سے نجات کی صورت محض معرفت دینی پر مبنی ہو وہ فتنہ دینیہ ہی مراد ہوسکتا ہے نہ کہ دنیوی۔

کہ بادشاہ وقت کی مخالفت سے نجات محض عارف دین کو حاصل ہوسکتی ہیں نہ کہ جاہل کو۔ باقی رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اس کے متعلق چند ضروری باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت امام عالی مقام کا شرعی موقف!

سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج کے عدم جواز پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں پہلے وہ ذکر کئے جاتے ہیں!

۱۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت ضروری ولازمی ہے۔ اس سلسلہ میں ارشاد خداوندی ملاحظہ کیجئے:

یَایھاالَّذین اٰمَنُوا اطیعُوا اللّٰہَ وَاطیعُوا الرسُول وَاولی الامر مِنکُم!

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اس کی!

ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمایئے!

''فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنامن کانَ!'' (مشکوٰۃ)

اور اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

''وان لاننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللّٰہ فیه برهان''

اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ

کریں جب تک کہ اس سے کھلا کفر ظاہر نہ ہو اور اللہ کی جانب سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس سلسلہ میں کتب میں مذکور ہیں۔

۲۔ دوسری دلیل حضرت امام حسینؓ کے موقف کے خلاف دیگر اکابرین صحابہؓ کے طرز عمل کو پیش کیا جاتا ہے۔

جناب محمود احمد صاحب عباسی فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا حالانکہ علم، تقویٰ قوت ایمانیہ، اور اخلاق و کردار میں انہیں سلف صالحین سے دور کی نسبت بھی نہیں!

بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں پھر کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ازواج مطہرات اور کبار صحابہؓ اور اکابر آل بیت کی موجودگی قرن اول کے وہ مسلمان جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انہوں نے ایک فاسق اور جابر شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۸۳۔۸۴)

خلاصہ یہ کہ اکابرین صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یزید کے خلاف جواز خروج کی کوئی وجہ متحقق نہیں تھی ورنہ ان صحابہ کرام کی پوزیشن مجروح ہوتی ہے جنہوں نے بھی اقتدار یزید کو قبول کیا۔

۳۔ تیسری دلیل کہ جب حضرت امیر معاویہؓ یزید کو ولی عہد بنا گئے اور ان کی وفات کے بعد جمہور امت یزید کے ہاتھ پر بیعت عامہ کر چکے اس کے بعد حضرت حسینؓ کا خروج کیونکر جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ چہارم یہ کہ آئمہ مجتہدین کا سوائے بعض حضرات کے یہی مسلک ہے کہ خلیفہ

بسبب فسق معزول نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر خروج کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آئمہ سے منقول ہے۔ لانری الخروج علی الائمة ولو جاروا یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظالم ہوں۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے احکام اسلامی اور اجماع امت کی مخالفت کی ہے اس کے باوجود ان کے اقدام خروج کو کیوں کر جواز پر محمول کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جہاد عظمیٰ کے بارے میں کلام کرنا تاریخ اسلامی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ احکام اسلامی میں ممانعت خروج اس وقت ہے جب کسی کا اقتدار مکمل طور پر ملک میں جم چکا ہو اور قوم اس کے اقتدار کو بغیر کسی مزاحم کے طوعاً یا کرہاً تسلیم کر چکی ہو جیسا کہ الفاظ حدیث وھی جمیع سے ظاہر ہے۔ لیکن اقتدار یزید ابھی نامکمل تھا اس لئے کہ اہل مدینہ و اہل کوفہ تا حال اقتدار یزید سے راضی نہ ہوئے تھے مثلاً جب کہ خواص امت حضرت امام حسین و عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کسی چیز کی صحت عدم صحت کا مدار صرف خواص امت پر ہوا کرتا ہے نہ کہ عوام الناس پر۔

لہٰذا عوام الناس کا اقتدار یزید کو قبول کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا جب کہ خواص امت اس کے خلاف ہوں۔ تو ایسی صورت میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو ناجائز قرار دینا کیوں کر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔

بالفرض اگر اقتدار یزید استخلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا بیعت جمہوریت کی بنا پر عام تسلیم بھی کر لیں کہ اقتدار یزید مکمل ہو چکا تھا تو پھر بھی حضرت امام عالی مقام کے خروج میں کلام نہیں کیا جا سکتا؟ کیوں کہ اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو کافر سمجھ کر اس پر خروج کیا تھا۔ جیسا کہ آئمہ اربعہ میں سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اس کے کفر کی طرف گئے ہیں۔

اور بعض علماء محققین مثل امام جوزی اور ملا سعد الدین تفتازانی اور حضرت

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہم اللہ تعالیٰ کفر یزید کے قائل ہیں اس لئے کہ حضرت امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید کی حالت تبدیل ہوگئی تھی مثلاً ترک نماز اور دیگر غیر شرعی امور کا ارتکاب علانیہ ہونے لگا تھا اور شراب کو حلال سمجھنے لگا جیسا کہ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس کے اشعار نقل کرتے ہیں۔

ایک شعر ملاحظہ فرمایئے

فان حرمت یوماعلی دین محمد

فخذ هاعلی دین المسیح بن مریم

(تفسیر مظہری ۲۱۹)

پس اگر شراب حرام ہوگئی کچھ دن حضور ﷺ کے دین میں تو نوش کر اس کو حضرت مسیح عیسیٰ مریم" کے دین پر۔

اور دوسرے کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک ثابت ہو اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہو۔ ایسا ہی اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہوجائے گا اور تکفیر تفسیق، تعدیل اور جرح وغیرہ پر کسی کا اتفاق کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں ہے تاکہ عذر و معذرت کی ضرورت پیش آئے کہ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم پھر کیوں خاموش رہے؟ اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی:

"وان لاننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحاً"

(یہ کہ نہ جھگڑا کریں ہم برسر اقتدار شخص سے جب تک کہ اس سے کھلا کفر نہ دیکھیں) سے مراد ہی عصیان خداوندی ہے نہ کہ حقیقی کفر، جس سے کہ انسان حدود اسلامی سے خارج تصور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مجمع البحار میں اس کی تصریح موجود ہے۔

"والمراد به المعاصی ای لاتنازعوا الولاة الا ان تروا منهم منكرا محققا فانكروه" (مجمع البحار ۱۲۱ ج ۱)

اور مراد اس سے معاصی ہیں یعنی نہ جھگڑا حکمان وقت سے مگر یہ کہ دیکھو ان سے برائی ظاہر۔ پس نکیر کرو اس پر۔ اب اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے فرمان:

''انه تصیب أمتی فی اٰخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ینجو امنها الا رجل عرف دین اللہ فجاهد علیه بلسانه ویده وقلبه فذالک الذی سبقت له السوابق (الحدیث)'' (مشکوٰۃ)

(کہ آخر زمانہ میں میری امت کو ان بادشاہوں کے ہاتھوں سے بہت کچھ تکلیفیں پہنچیں گی ان سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دین کو پہچان لیا۔ پھر دین کے لیے اپنی زبان سے اور اپنے ہاتھ سے اور اپنے دل سے جہاد کیا پس یہی شخص ہے جو نیکیوں میں سابق القدم ہے) کو ملا کر نتیجہ نکالئے کہ حضرت امام عالی مقام کا خروج فرمان نبوی کے پیش نظر اقتدار یزید کے خلاف جہاد عظیم تھا حدیث کی تشریح قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے۔

باقی رہا دیگر صحابہ اکرام کا طرز عمل کہ یزید کے فسق و فجور کے ہوتے ہوئے وہ خاموش رہے بلکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی روکنے میں کوشاں رہے تو یہ اختلاف اہل کوفہ کی حمایت کے وعدوں کی بناء پر ظاہر ہوا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ کی امید دکھائی دی۔ خدا پر توکل کر کے اذا عزمت فتوکل علی اللہ کے پیش نظر میدان میں نکل پڑے۔ دوسرے حضرات کو اہل کوفہ سے ایفائے عہد کی امید نظر نہ آئی اس لئے وہ حضرت امام عالی مقام کو بھی روکنے میں کوشاں رہے نہ یہ کہ اصل فعل کے جائز و ناجائز کی بنا پر کوئی اختلاف ہو۔

جیسا کہ خود محمود احمد صاحب عباسی کے پیش کردہ حوالہ سے ظاہر ہے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید نے محمد بن الحنفیہ سے ملاقات کے دوران حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اس پر محمد بن الحنفیہ نے یزید کی جو تردید فرمائی ہے اس کا آخری حصہ عباسی صاحب کے اپنے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے۔

حسین رضی اللہ عنہ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو! اور برملا ان کی مذمت کرو! امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۸۲)

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر حضرت محمد بن الحنیفہ یزید کے خلاف اقدام خروج کو ناجائز سمجھتے تھے اور حضرت امام حسینؓ کا خروج واقعی ان کے نزدیک احکام اسلامی کے پیش نظر ناجائز تھا تو پھر انہوں نے حضرت امام حسینؓ کی برات کیوں اور کس لئے فرمائی؟

اگر قرآن کریم اور احادیث شریف اور صحابہ کرام کی مخالفت کرنے والا قابل مذمت نہیں تو اور کون ہوگا؟ گویا ریسرچ جدید کے مطابق حضرت محمد بن الحنیفہ نے اپنے بھائی کے غلط اقدام کی غلط حمایت کی (نعوذ باللہ من ذالک) بلکہ حضرت محمد بن الحنیفہ کے حضرت امام حسینؓ کے بارے میں مذکورہ بالا الفاظ اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ورنہ پھر بتلایا جائے وہ کیوں قابل مذمت نہیں؟

نتیجہ یہ نکلا کہ اگر حضرت محمد بن الحنیفہ نے حضرت امام حسینؓ کی برأت صحیح اور جائز فرمائی اور یقیناً صحیح و جائز اور بجا فرمائی تو پھر حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح تسلیم کرنا ضروری ہے۔

موقف صحابہ کرام

اقتدار یزید کے خلاف حضرت حسینؓ و دیگر صحابہ کرام کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے جو حقیقت حال واضح کی ہے اس کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین ہے۔

رہا حکم شرعی! تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی کیوں کہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا۔ اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔ جب حضرت امام مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ، ابن الزبیرؓ، ابن الحنیفہؓ آپ کے بھائی اور دوسروں نے آپ کو جانے سے روکا۔ اور انہوں نے سمجھا کہ آپ جانے میں غلطی پر ہیں۔

لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یونہی مقدر ہو چکا تھا اس لئے امام حسینؓ اپنے ارادہ سے نہ پھرے اور روانہ ہو گئے حضرت امام حسینؓ کے علاوہ دیگر صحابہ جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام و عراق میں اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر

خروج کرنا مناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد اور خونریزی کا خطرہ تھا اسی لئے وہ اس سے بچے رہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۷)

دوسری جگہ اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے فرماتے ہیں۔

اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے، اور کشت وخون کا بازار نہ گرم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا گیا تو اس کو نبھا نہ سکیں گے کیونکہ یزید کی پشت پر اس وقت بنی امیہ کی عصبیت تھی اور قریش کے عام ارباب حل عقد بھی اس کی معاونت میں بلکہ عصبیت معز بھی اسی کی مدد پر تلی ہوئی تھی جس کے مقابلہ کی تاب کسی کو نہ تھی اس لئے وہ یزید سے دست کش ہی رہتے اور اس کی ہدایت کے لئے دعائیں کرتے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۲)

علامہ کی مذکورہ بالا تحقیق ہمارے دعویٰ کی پوری پوری تائید کرتی ہے۔ کہ دیگر صحابہ کرام کا یزید پر خروج سے دست کش رہنا محض اسباب خروج نہ ہونے پر مبنی تھا جس سے خوں ریزی کا شدید خطرہ تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے وعدوں کی بنا پر اسباب خروج کافی سمجھتے ہوئے احکام اسلامی کی تکمیل کے پیش نظر خروج کو ضروری سمجھتے تھے نہ یہ کہ اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف تھا۔ جیسا کہ عباسی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔ ورنہ پھر محمد بن الحنفیہ کو کیا کہا جائے گا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک لفظ سننا بھی گوارا نہ کیا۔

آئمہ مجتہدین کا نقطہ اجتہاد

بادشاہ وقت کے خلاف خروج کا مدار اس کے معزول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے اس بارے میں علماء محققین کی تحقیق علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو پیش فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

"قال القاضی عیاض رحمہ اللہ اجمع العلماء علی ان الامامۃ لاتنعقد لکافر وعلی انہ لو طرأ علیہ الکفر انعزل قال و کذا لو ترک اقامۃ الصلوۃ والدعا الیہا قال و کذالک عند جمہورہم البدعۃ"

قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ علماء کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی اگر امام پر کفر طاری ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا۔ اور کہا ایسے ہی اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف بلانا چھوڑ دے تو بھی معزول ہوگا۔ فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت کا پایا جانا ہے۔

یہاں علماء کے اجماع کی مہر تصدیق سے قاضی عیاض یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ امام وقت ترک نماز اور اس کی جانب ترک دعوت اور بدعت کے پائے جانے کی بناء پر منصب امامت کے نااہل ہونے کی بناء پر معزول کر دیا جائے گا۔

اس سے آگے فرماتے ہیں۔

''قال القاضی عیاض رحمہ اللہ فلو طرأ علیه الکفر او تغییر الشرع او بدعة خرج عن حکم الولایة وسقطت طاعته و وجب علی المسلیمن القیام علیه وخلعه ونصب امام عادل ان امکنهم ذالک''

اور قاضی عیاض فرماتے ہیں اگر کفر اس پر طاری ہوا یا شریعت کے اندر تغیر یا بدعت شروع کر دی تو خلافت و ولایت کے حکم سے نکل گیا اور اس کی اطاعت جاتی رہی۔ لہٰذا مسلمانوں پر اس کے خلاف اٹھنا اس کو علیحدہ کرنا اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی قدرت ہو۔

ناظرین کرام اندازہ لگائیں کہ جب تغییر شرع یا بدعت کے پائے جانے پر مسلمانوں پر امام وقت کے خلاف جہاد ضروری ہے جب کہ اس کی طاقت ہو تو پھر حضرت امام حسینؓ کے لئے کیوں ناجائز و ناروا تھا جب کہ ان کو یزید کے خلاف اٹھنے کی طاقت کی حمایت حاصل تھی اس مسئلہ کی پوری تحقیق جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پیش فرمائی ہے۔ کتاب میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمایئے:

خلافتِ معاویہؓ و یزید اور رقابتِ خاندانی

سیدنا امام حسینؓ کی شخصیت کے تعارف کا جو نقشہ مصنف کتاب خلافت معاویہ یزید نے پیش کیا ہے اسے دیکھ کر ہر صاحب ایمان کا دل لرز جاتا ہے کہ جس

قدر بغاوت کے سلسلہ میں احادیث وارد ہیں ان کو حضرت حسینؓ کی ذات پر چسپاں کرنا اور ان کی پوزیشن کو ہر اعتبار سے مجروح کرنے کی کوشش کرنا اور ان کے جہاد عظمیٰ کو وارثِ پدری کے حصول پر محمول کر کے ان کے اقدام خروج کو محض اتباع نفس قرار دے کر ہر اعتبار سے ان کو معتوب ٹھہرانا کہاں کا انصاف ہے؟

حضرت امام حسینؓ کے خلاف تلوار اٹھانے کے جواز پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر ام المومنین عائشہ صدیقہ زوجہ مطہرہ وحبیبہ رسول اللہ صلوۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے۔ اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں۔ جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی؟

جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی ﷺ کو نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کاروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی سند پیش کی جا سکتی ہے۔ نہ سنتِ رسول اللہ ﷺ سے نہ تعامل خلفاء راشدینؓ اور نہ عزائم آل البیت سے۔ (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۱۸۰)

حضرت امام حسینؓ کا اقدام خروج ناجائز احکام اسلامی کے خلاف جس کی کوئی سند مدتِ اسلامیہ سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن محمد الامام عباسی کے بارے میں جناب محمود احمد عباسی صاحب گوہر افشانی ملاحظہ فرمایئے۔ راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں انتزاع اموی خلافت و قیام خلافتِ عباسیہ کے تحت بتایا ہے کہ مغرور بیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی اگر محمد الامام عباسی کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورتِ حال نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی۔ اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۱۰)

ناظرین کرام اس بے لاگ ریسرچ کا اندازہ لگائیں کہ حضرت امام حسین کے حق میں تو خلیفہ وقت کے خلاف خروج وراثت آبائی پر محمول کر کے ان کو باغی قرار دے کر ان کے جواز قتل پر دلائل پیش کئے جائیں اور دوسری طرف اگر وہی کام خاندان عباسیہ کا کوئی فرد کر گزرے تو اس کے لئے سب کچھ جائز اور صحیح شمار کیا جائے۔ جو حضرت امام عالی مقام کے لئے ناجائز و نادرست تھا بلکہ اس کے اس فعل کو تعمیری تحریک کے رنگ میں پیش کرنا ریسرچ کے پس منظر کی حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

جن حضرات نے دقتِ نظر سے اس کتاب (خلافتِ معاویہ ویزید) کا مطالعہ نہیں فرمایا وہ اس کے عزائم باطلہ کو سمجھنے سے قاصر رہے انہوں نے اس کو محض تاریخی کتاب سمجھ کر ناقابلِ التفات سمجھا۔ لیکن حقیقت میں یہ کتاب تاریخی نہیں بلکہ تاریخ کی آڑ میں ملت کی مقدس ومحبوب ترین ہستیوں کو مورد الزام ہدف مطاعن ٹھہرا کر ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق ملت اسلامیہ کی غیر متزلزل بنیادوں کو اکھاڑنے کی ناپاک کوشش ہے۔ اور ریسرچ کی آڑ میں رقابتِ خاندانی کا بدترین مظاہرہ کیا ہے کہ جو کام حضرت حسین کے لئے ناجائز و نادرست ہو وہی کام محمد الامام عباسی کے لیے جائز وتعمیری شمار کرنا آخر کیوں کہ درست ہے؟ اہل بصیرت حضرات کے لئے اس ریسرچ کا پس منظر معلوم کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

حضرت حسینؓ کی تیاری اور صحابہ کا مشورہ

اہل کوفہ کے پیہم اصرار پر حضرت امام حسینؓ رخت سفر میں جب مصروف ہوئے تو اکابرین صحابہؓ اہل کوفہ کی بے وفائی کے پیش نظر انہیں کوفہ سے باز رکھنے کی تجویزیں کرنے لگے کیونکہ حضرت امام حسینؓ کا نقصان ملت اسلامیہ کا نقصانِ عظیم تھا جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے جو خط امام عالی مقام کو سفر کوفہ سے باز رکھنے کے لئے لکھا اس میں اس چیز کا ذکر کیا گیا ہے۔

"ان هلكت اليوم طفى نور الارض فانك علم المهتدين ورجاء المؤمنين"

اگر آپ شہید ہوگئے تو نور اسلام جاتا رہے گا کیونکہ آپ ہدایت یافتہ لوگوں کے امام ہیں اور اہل ایمان کی امیدوں کا مرکز۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

"اقم فی هذا البلد فانک سید اهل الحجاز" (کامل جلد ۳ ص ۲۷۴)

اسی شہر میں قیام کیجئے کیونکہ آپ باشندگان حجاز کے امام ہیں۔

یہاں سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت امام حسین کے روکنے میں جو حضرات پیش پیش تھے وہ اس وجہ سے نہیں کہ یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز نہیں بلکہ اسباب خروج مہیا نہ ہونے کی بناء پر امام عالی مقام کو روکنے میں کوشاں رہے کیونکہ اہل کوفہ کے مواعید پر ان حضرات کو کوئی اعتماد نہیں تھا جیسا کہ فرزدق نے امام حسین کے کوفہ جاتے ہوئے راستہ میں ان کو دریافت کرنے پر اہل کوفہ کی حالت کا ان الفاظ سے تعارف کرایا ہے۔

"قلوب الناس معک سیوفهم مع بنی امیة" (کامل جلد ۳ ص ۲۷۷)

کہ لوگوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ورنہ خلیفہ برحق کے خلاف بلا وجہ خروج کر کے ملت اسلامیہ کی خلاف ورزی کرنیوالا لوگوں کا امام اور سید اہل حجاز (جیسا کہ عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے) کیسے ہوسکتا ہے؟

اس لئے اختلاف صرف اسباب کے مہیا ہونے یا نہ ہونے پر مبنی تھا۔ اور حضرت امام حسینؓ اہل کوفہ کے پیہم اصرار اور مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر آپ کے لیے صرف ایک دن میں بارہ ہزار اشخاص کے بیعت ہونے کی بناء پر اہل کوفہ پر اعتماد کر کے نکل کھڑے ہوئے۔

کیا امام حسینؓ خروج پر متفرد تھے؟

یہ کہنا کہ یزید کے خلاف صرف امام حسینؓ ہی خروج میں متفرد تھے واقعات

کا انکار ہی نہیں بلکہ انسانیت سے انحراف کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ خود عباسی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ ساٹھ کوفی بھی آرہے تھے۔

برادران مسلم کی ضد تو جذبہ انتقام کے ماتحت تھی لیکن جب ان ساٹھ کوفیوں نے جو آپ کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہنچے تھے اور آپ ہی کے قافلہ کے ساتھ ساتھ آرہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ میں وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۶۷)

اس میں ساٹھ کوفیوں کے ساتھ آنے کا اقرار ہے، ان ساٹھ کوفیوں کا حضرت امام حسین کے ساتھ ہو کر خروج کرنا تمام اہل کوفہ کا امام عالی مقام کی معیت میں خروج کرنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ اپنے محبوب راہنما کی ہمرکابی کی سعادت عظمیٰ سے شرف یاب ہونے کے واسطے ہر اعتبار سے معتمد علیہ ومعززین اہل کوفہ ہی ہو سکتے ہیں جو ایسے امور میں ہر جگہ پیش پیش ہوتے ہیں اور وہی قوم کے نمائندے تصور کئے جاتے ہیں۔ اور حضرت امام عالی مقام ایسے ہی اشخاص پر اعتماد کر کے اپنا رفیق سفر بنا کر ان کی قیادت فرما سکتے تھے جو اہل کوفہ کے مقتدیٰ اور پیشوا تصور کئے جاتے تھے۔ ورنہ غیر معروف اور بے اعتماد اشخاص کی قیادت ایسے نازک ترین حالات میں کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے؟

خصوصاً جب کہ خواتین بھی رفیق سفر ہوں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ساٹھ کوفی تمام اہل کوفہ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے حضرت امام حسینؓ کے رفیق سفر تھے۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام باشندگان کوفہ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ تھے بعضے بلا واسطہ اور باقی بالواسطہ۔

عباسی صاحب خود ہی دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

اسی مورخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو اشخاص جو کوفہ کے ممتاز افراد تھے سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب وخطوط بھی کوفیوں کے تھے۔ جن میں موصوف کو کوفہ آنے

اور بیعت خلافت لینے کی دعوت دی گئی تھی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۷)

اس سے آگے تحریر فرماتے ہیں جس میں اس سے بھی زیادہ وضاحت موجود ہے۔ اور اس تمام عرصہ میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعت اطاعت کے حلف لیتے رہے۔ ساتھ کوفی تو معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۱۵)

اب ان کے اپنے اقرار سے یہ چیز روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ یہ کہنا کہ خروج میں صرف امام حسینؓ متفرد تھے اور تمام امت نے برضاء ورغبت یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا تھا اور تمام امت متحدہ متفق ہوچکی تھی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ مذکورہ بالا حوالہ جات کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام اہل کوفہ اور بعض دیگر اطراف واکناف کے لوگ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ تھے اور بعض حضرات حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے قبل اقتدار یزید ہی نامکمل تھا جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رح فرماتے ہیں۔

''وَالحسین استشهد قبل ان یتولیٰ یزید علی شی من البلاد''

(منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۳۹)

اور حضرت امام حسینؓ اقتدار یزید کے مکمل ہونے سے پہلے ہی شہید ہوگئے اس ریسرچ پر تو جہالت بھی سر پیٹ کر رہ گئی کہ ایک طرف تو یہ کہ ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہو اور مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔ گویا کہ صرف حضرت امام حسینؓ ہی الگ رہے۔

لیکن دوسری طرف اقتدار یزید کو طاقت کے بل بوتے پر مسلط کرنے کے لئے گورنر کی ناکامی پر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور تمام اشخاص

کے ناموں کی فہرستیں طلب کی جاتی ہیں جو اقتدار یزید پلید کے خلاف تھے۔اور سرداران قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔سرحدی چوکیوں پر نگران مقرر کئے جاتے ہیں اور مسلم بن عقیل کے میزبان کو گرفتار کرلیا جاتا ہے اور مسلم بن عقیل اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ بن زیاد کا قلع قمع کرنے کے لئے چالیس ہزار جنگجو نوجوان جمع کرلیتے ہیں۔آخر مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو شہید کردیا جاتا ہے۔یہ صاحب ریسرچ جدید کا اپنا اقرار ہے۔

کیا ایسے واقعات کی موجودگی میں اقتدار یزید پر پوری امت کے اجتماع کا دعویٰ اور تنہا حضرت امام حسینؓ کے متعلق مخالفت کا پروپیگنڈہ بے لاگ ریسرچ کا نتیجہ قرار دینا کہاں کی شرافت و دیانت داری ہے؟

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

حضرت امام حسینؓ کی روانگی اور شہادت

حضرت امام حسینؓ کو جب کوفہ سے مسلم بن عقیلؓ کا خط موصول ہوا کہ یہاں کے حالات بہت اچھے ہیں صرف ایک ہی دن میں بارہ ہزار اشخاص بیعت ہوگئے۔آپ کے آنے پر لاکھوں آدمی بیعت میں داخل ہوجائیں گے تو حضرت امام حسینؓ نے نامہ بروں کو فوراً واپس کردیا اور ان کو کہہ دیا کہ میں بہت جلد کوفہ پہنچ جاؤں گا۔ایسے نازک ترین حالات میں جب کہ ایک نااہل شخص کے ملک پر مسلط ہونے کا خطرہ ہو اور قوم کے جذبات بھی اس کے خلاف ابھرے ہوئے ہوں تو ایسے وقت مفاد ملیہ کے پیش نظر کسی قسم کی تاخیر کرنا عقل انسانی کے نزدیک باعث بربادی ہے۔

تعجیل سفر کی ایک تو وجہ یہ ہے دوسری یہ کہ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر اہل کوفہ کا بیعت ہونا اقتدار یزید کے لئے پیغام موت تھا۔اس کو بچانے کی کوشش میں حضرت امام حسین کی گرفتاری اب ضروری تھی جس کو آپ کی دوربین نگاہ نے بھانپ کر فوری روانہ ہونا ضروری سمجھا تاکہ مقصد عظیم فوت نہ ہوجائے نہ یہ کہ وہ محض گرفتار ہونے کے

خوف سے تعجیل سفر پر مجبور ہوئے۔ ان وجوہ کی پیش نظر تعجیل سفر کی تردید کرنا جیسا کہ جناب محمود احمد صاحب عباسی نے کی ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پیشتر ابن زیاد مسلم بن عقیل کو شہید کر کے اہل کوفہ کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ بلکہ بے وفا اہل کوفہ امام عالی مقام کے مدمقابل ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر آپ کی گرفتاری کے لئے کوفہ کی شاہراہوں کو گھیرے ہوئے تھے اور یہی لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنے۔ کوفہ کے قریب پہنچنے پر حالات کے تغیر نے امام موصوف کے عزائم میں غیر معمولی تبدیلی پیدا کر دی، ارادہ جہاد، اسباب جہاد مفقود ہونے کی بنا پر ترک کر کے واپسی کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن ابن زیاد کے شقی القلب لشکریوں نے جن کا سپہ سالار حر بن یزید تمیمی تھا آپ کی اس خواہش کو رد کرتے ہوئے کہنے لگا کہ: ہمیں حکم ہے کہ آپ کو زیر حراست رکھیں لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے واپس ہونے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

حر نے ابن زیاد کے خوف سے آپ کا راستہ روک لیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں سے شمال کی جانب کوچ کیا۔ قادسیہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ مقیم ہے۔ آپ حر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھا قادسیہ کے قریب پہنچ کر آپ وہاں سے لوٹ کر اور دس میل چل کر مقام کربلا میں مقیم ہوئے وہاں آپ نے ان کے سامنے تین شرطیں پیش کیں۔

1- کہ جہاں سے میں آیا ہوں اسی طرف مجھے واپس جانے دیا جائے اگر یہ منظور نہیں تو مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو تا کہ وہاں پہنچ کر کفار سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مجھ کو یزید کے پاس پہنچ جانے دو میں خود اس سے گفتگو کر لوں گا۔ وہ اس پر راضی نہ ہوئے بیعت یا جنگ پر مصر رہے۔

بعض تاریخی روایات میں مندرجہ ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں۔

''اویاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہ فی یدہ فیری فیما بینہ و بینہ فیری رأیہ فی ھذالک رضی والامۃ صلاح''

یا یہ کہ جائیں وہ (یعنی حضرت حسین) امیر المومنین یزید کے پاس تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدیں اور دیکھیں وہ کیا فرماتے ہیں؟ اس میں اصلاح امت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

ایسے الفاظ کا امام حسینؓ کی جانب انتساب بالکل غلط اور بے بنیاد ہے روایت و درایت دونوں اعتبار سے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی روایت کسی درجہ میں بھی قابلِ قبول نہیں تصور کی جاسکتی۔ اس لئے کہ پہلی دونوں چیزیں کہ یا مجھے واپس جانے دیا جائے یا پھر کسی سرحد کی جانب نکل جانے کا مطالبہ خود اس کی تردید کے لئے کافی ہے کہ جب امام عالی مقام واپس جانے کی روکاوٹ کی صورت میں کسی سرحد پر کفار سے لڑکر شہید ہونے کو ترجیح دیتے ہیں پھر ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہے ہوں جو کہ ان کے مشن کے خلاف ہوں۔

ورنہ پھر بتلایا جائے کہ یزید کو امیر المومنین تسلیم کرلینے کے بعد اس کے نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا کس طرح صحیح تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آئینی لحاظ سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ شرعی لحاظ سے نمائندے کی حکم برداری ضروری ہے۔ پھر نہ اپنی آن اور نہ اپنی جان کی پروا کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ شرعی احکام کے سامنے سب چیزیں ہیچ ہیں۔ ہاں یہ چیز کہ میں وہاں پہنچ کر اس سے گفتگو کرلوں گا صحیح و درست ہے بلکہ ہاتھ میں ہاتھ کی روایت کی تردید تو کتب تاریخ میں موجود ہے:

''قد روی ابو مخنف حدثنی ابو عبدالرحمن بن جندب عن عقبۃ بن سمعان قال لقد صحبت الحسین من مکۃ إلی حین قتل واللہ ما من کلمۃ قالھا فی موطن إلا قد سمعتھا وانہ لم یسئل یزید ان یضع یدہ الی یدہ الخ''

(البدایہ والنہایہ ص ۱۷۵، جلد ۷)

ابو مخنف روایت کرتے ہیں کہ بیان کیا مجھ سے ابو عبدالرحمن بن جندب نے

عقبہ بن سمعان سے وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ سے مقتل حسین یعنی کربلا تک حضرت حسین کے ہمراہ رہا۔ اور ہر موقع پر میں نے گفتگو سنی لیکن حضرت امام حسین نے یہ مطالبہ کبھی پیش نہیں کیا کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں۔ اسقدر وضاحت کے بعد امام حسینؓ کی جانب ایسے الفاظ کا انتساب جو روایت اور درایت دونوں اعتبار سے غلط ہو کیسے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

کوتاہ نظری

سیدنا امام حسینؓ کے کوفہ کے قریب پہنچنے کا جو نقشہ مصنف کتاب خلافت معاویہ و یزید نے پیش کیا ہے۔ وہ بدیہ ناظرین ہے۔ کوفہ جانے کے بجائے دمشق کی راہ اختیار کرنا زیر عنوان فرماتے ہیں کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا۔ حضرت حسینؓ نے امیر المومنین یزید کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ (ص ۱۷۴)

اس سے آگے فرماتے ہیں۔ مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسین کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے۔ تو آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے۔ اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں۔ آپ نے دمشق جانے کے لئے جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ باگ دوڑ موڑ دی۔ (خلافتِ معاویہ و یزید ص ۱۷۷)

اس میں امام حسین کے کوفہ جانے کی بجائے یزید کے پاس پہنچنے کی نیت سے بجانب دمشق سفر اختیار کرنے کی پوری وضاحت ہے تاکہ وہاں پہنچ کر یزید کی بیعت میں داخل ہو جائیں۔ اس کے باوجود پھر شرائط پیش کرنے کے وقت اسی چیز کو پیش کرنا جس کے لیے سفر جاری ہے۔ کہ اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام و دمشق جانے دیا جائے تاکہ اپنے عم ابن عم یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ کیسے اور

کیونکر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ مزید برآں قابل تعجب بات یہ ہے کہ دوسری شرائط کا پیش کرنا جبکہ سفر تو جاری ہو۔ بیعت یزید کے واسطے اور شرائط یہ پیش کی جارہی ہوں کہ مدینہ منورہ واپس جانے دیا جائے یا ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہونے کے واسطے راستہ دیا جائے۔ خصوصاً جبکہ نمائندہ گان حکومت کی جانب سے ان کے خلاف کوئی متشددانہ کاروائی نہ کی گئی ہو۔ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ امام عالی مقام نے ایسی شرائط پیش کی ہوں۔ غرضیکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سفر کوفہ کی بجائے دمشق کی جانب شروع کرنے کی روایات کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر تین شرائط والی روایات کو کسی صورت بھی قابل قبول نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن مصنف کتاب خلافت معاویہ و یزید نے دونوں روایات کو صحیح و قابل اعتبار سمجھتے ہوئے اپنی کوتاہ فہمی کا جو ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بریں علم و دانش بباید گریست۔

تاریخی روایات کو نقد و درایت سے جانچنے کے بعد امام عالی مقام کی عظیم ترین شخصیت کے پیش نظر یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا اس غرض سے اہل کوفہ کی بے وفائی کی وجہ سے بجانب دمشق سفر شروع کرنے کی روایات کو ایک لمحہ کے لئے بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ افضل الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر کے پیش نظر یزید کی اصلاح حال کی نظر اس کے پاس پہنچ کر مقاصد اسلامی کی تکمیل کرنا بھی افضل ترین جہاد ہے۔ جسے پورا کرنے میں اشقیاء قوم ابن زیاد کے فوجی امام عالی مقام کے اس آخری مطالبہ میں حائل ہو گئے اور جہاد لسانی کے راستہ سے روک کر ظلماً آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو میدان کربلا میں شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

کوتاہ نظری یا پردہ پوشی

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے شہادت کی تمام تر ذمہ داری برادران مسلم بن عقیل اور ساتھ پینسٹھ کوفیوں پر عائد کی ہے۔ کہ انہی کے حملہ کرنے کی وجہ سے یہ واقعہ محزون پیش آیا اور فوج یزید کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بلکہ ابن زیاد و ابن سعد دونوں آفیسر معاملہ صلح سے نمٹانا چاہتے تھے۔ لیکن دو قوتیں درمیان میں حائل تھیں۔ ان کا

اپنا بیان ملاحظہ کیجئے! ایک تو برادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی۔ وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت سفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں۔ تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں۔ دمشق کا رخ کرتے ہیں۔ تو مستوجب تعزیز انہوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی۔ جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی۔ جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ خلافت معاویہؓ و یزید ص ۲۰۹ اس سے آگے فرماتے ہیں۔ اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی ناعاقبت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ (ص ۲۱۱)

اس سے آگے فرماتے ہیں۔ برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا ناعاقبت اندیشانہ طور سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ محزون یکا یک اور غیر متوقع پیش آکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

(خلافت معاویہؓ و یزید ص ۲۲۳)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اس جنگ کی تمام ذمہ داری برادران مسلم بن عقیل اور سبائی کوفیوں کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ جو کہ بالکل غلط اور بے بنیاد۔ اس لیے کہ اول تو کوفیوں کا حضرت امام حسینؓ کے ہمراہ رفیق سفر ہونے کا دعویٰ ہی غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ کیونکہ عباسی صاحب خود تحریر کرتے ہیں۔ کہ مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسین کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا۔ کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے۔ تو آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے

فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے۔ خلافت معاویہ و یزید ص ۱۷۷ اس میں صاف اقرار ہے۔ کہ سینکڑوں خطوط لکھنے والوں اور خروج پر امادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا۔ کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے اس کے باوجود یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ ساٹھ پینسٹھ کوفی آپ کے ساتھ آخری وقت تک رہے۔ اور وہی جنگ کی نازک صورت کے ذمہ دار تھے اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی یہ کوفی آپ کے ہمراہ تھے ۔عدم صلح واشتعال جنگ کے بارے میں ان کو اپنے پیشتر وسبائیوں پر قیاس کرنا ایک بھی لحہ کے لئے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ وہاں صلح ومصالحت کی صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص میں ان کا قتل کیا جانا ضروری تھا۔ قتل سے بچنے کی خاطر آتش جنگ کو مشتعل کرنا ضروری تصور کرتے ہوئے مصالحت کو ناکام بنانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ گویا کہ ان کا بچاؤ ہی جنگ کی صورت میں ممکن تھا اور صلح ان کے واسطے پیغام موت تھی لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس ہے۔ کیونکہ صلح کی صورت میں جو حسن سلوک حضرت امام عالی مقام سے ہوتا ہے۔ اولین ان کی قیادت میں ہونے کی وجہ سے یہ کوفی مستفید ہوتے اور جنگ کی صورت میں قلت تعداد اور بے سروسامانی کی وجہ سے موت یقینی تھی۔ اس قدر تفاوت کے باوجود ان کو پہلوں پر قیاس کر کے جنگ کی تمام تر ذمہ داری امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر ڈال کر اشقیاء قوم ابن زیادہ وغیرہ کی برأت ثابت کرنا حقائق پر پردہ پوشی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا اسی دجل فریب کا نام ریسرچ ہے۔ تیسرا اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ واقعی جنگ کی ابتدا انہی کی جانب سے فوجی دستہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی وجہ سے ہوئی تو پھر آنجناب کی اس ریسرچ کے متعلق کیا نظریہ قائم کیا جائے۔ حکومت وقت کے نمائندوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوکر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا۔ مگر تحریص وترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی رشید دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کردیا جائے چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی۔ (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید ص ۲۱۰)

جب ان کی رشید دوانیوں کے قطعی طور پر خاتمہ کا عزم بالجزم نمائندگان حکومت پہلے ہی کر چکے تھے۔ان کی برأت ثابت کرتے ہوئے جنگ کی ذمہ داری امام حسینؓ کے ساتھیوں پر ڈالنا اور یہ کہنا کہ برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا ناعاقبت اندیشانہ طور سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ مخروطی یکا یک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔ کیسے اور کیوں کر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔آخر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام عالی مقام کی جانب سے ایسی کوئی کاروائی ہرگز نہیں ہوئی۔ جو شرعی طور پر مقتضیات وقت کے خلاف ہو۔ بلکہ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ظلم صریح کا تختہ مشق بنا کر شہید کر دیے گئے۔

ریسرچ جدید کی فاتحہ خوانی

حضرت عالی مقام کے خروج کے بارے میں جو گوہر افشانی مصنف کتاب خلافت معاویہ و یزید نے فرمائی ہے اولاً اس کو ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ مطہرہ حبیبہ رسول اللہ صلوۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے۔اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں۔جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو۔ اور ماں بھی وہ جو محبت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو۔تو حضرت حسین کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۸۰)

یہاں بھی عباسی صاحب نے سیدنا امام حسینؓ کے خروج کو محض خاندانی وراثت کے حصول پر محمول کر کے جس بدترین بے راہ روی کا ثبوت دے کر احکام اسلام کی تکذیب کی ہے۔ اس کی مثال اسلامی دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔ مندرجہ ذیل احکام اسلامی پر پھر ایمان و اذعان کی کون سی صورت باقی رہ سکتی ہے۔

''یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا''

اے اہل بیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے دور کرے ہر قسم کی رجس و الائش کو اور یہ کہ تم کو بالکل پاک کرے۔

اس آیت کے نزول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ایک کمبل میں لے کر بیٹھ گئے اور ہاتھ اٹھا کر دربار ایزدی میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ تو انہیں ہر قسم کی ناپاکی سے پاک کردے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس مقام پر جو لفظ اہل بیت آیت تطہیر میں آیا ہے۔ اس میں ازواج مطہرات داخل نہیں۔ بلکہ حقیقی اہل بیت ہی ازواج مطہرات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت فاطمہؓ و علی المرتضیٰ و حسنؓ و حسینؓ کو کمبل میں لپٹا کر ان حضرات کے اہل بیت میں داخل ہونے کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ حضرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ تاکہ کوئی کوتاہ فہم ان حضرات کے فضائل سے انکار کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کر بیٹھے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اہل بیت یہی ہیں۔ نہ کہ ازواج مطہرات بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ آیت قرآنی کا انکار ہے آیت کا سیاق وسباق دیکھنے سے بالیقین معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ اس کا مصداق ہی ازواج مطہرات ہیں جن حضرات کے اہل بیت میں عدم دخول کا شبہ ہوسکتا تھا۔ اس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی۔ کہ یہ حضرات بھی اس فضیلت میں شامل ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ جن حضرات کی ظاہری و باطنی تطہیر کی جانب خود ذات ربانی متوجہ ہوئی اور پھر سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز محبت کے ساتھ ان کے حق میں دعا ہو۔ اس کے باوجود ان حضرات میں سے کسی ایک کے متعلق اس کے شرعی اقدام کو وراثت خاندانی کے حصول پر محمول کرنا ان احکام اسلامی کی تکذیب و تضحیک نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم اس کو اگر نظر انداز بھی کردیں۔ کہ اس سے احکام اسلام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی پھر بھی خاندان نبوت کے متعلق ایک لمحہ کے لئے اس قسم کا تصور کرنا بھی ریسرچ جدید کی فاتحہ خوانی پر محمول کیا جائے گا۔ اس لئے کہ عباسی صاحب نے علوی اموی دونوں خاندانوں میں رشتہ داری وسلسلہ مناکحت ثابت کرنے پر بڑا زور قلم صرف کیا ہے کہ بعد زاواقعہ کربلا بھی بہت سی رشتہ داریاں ثابت کی ہیں۔

حالانکہ رشتہ داریوں کا ہونا ہی ریسرچ جدید کے لئے پیغام موت ہے۔ کیونکہ ان رشتہ داریوں کا ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے۔ کہ خاندان نبوت کا یزید کے خلاف اقدام خروج محض مصالح ملیہ اور یزید کی نااہلیت کے پیش نظر ایک ایسا شرعی و جائز اقدام تھا۔ جس میں نفسانی خواہشات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس لئے کہ جو خاندان محض دنیاوی اقتدار (بقول عباسی صاحب) کے حصول کی خاطر اپنے معزز ترین و مایہ ناز افراد کو قربان کر چکا ہو اور معصوم بچوں کو اپنے حریف سے ایک قطرہ پانی سے ترستے ہوئے ذبح کرا چکا ہو ایسے غیور خاندان سے کیسے اور کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی لختِ جگر لڑکیوں کو اس خاندان کے لڑکوں کے عقدِ نکاح میں دے۔ جو ان کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر کے ملت کے معزز ترین حضرات کو موت کے آغوش میں پہنچا چکا ہو۔

لیکن رشتہ داریوں کا ہونا ایک ایسا امر ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا عباسی صاحب رشتہ داریوں کے ساتھ ان کے اقدام کو محض اقتدار کے حصول پر محمول کرنا خود اپنی ریسرچ کی فاتحہ خوانی کی جانب دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لیکن ان کے اقدام خروج کو محض مصالح ملیہ پر حمل کرنے کی صورت میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اس لئے کہ یہاں یزید کی نااہلیت کی بنا پر محض ملت اسلامیہ کے تحفظ کے پیش نظر ذات یزید ہی ان کے اس اقدام کا سبب ہوئی۔ نہ کہ تمام خاندان تا کہ مذکورہ بالا قباحت لازم آئے۔ ہاں جب ان کے اس شرعی اقدام خروج کو محض خاندانی وراثت کے حصول پر محمول کیا جائے تو پھر تمام خاندان اور سلسلہ مناکحت زیر بحث آئے گا۔ اور رشتہ داریوں کا اثبات الٹا عباسی صاحب کے لئے وبال جان بن جائے گا۔

نتیجہ بحث

تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ سیدنا امام حسین کا اقدام خروج اقتدار یزید کے خلاف اہل سنت والجماعت کے نزدیک جہاد عظیم ہے۔ جس کا انکار اپنی جہالت کے اقرار پر حمل کیا جائے گا۔ البتہ ان لوگوں کے اصول کے مطابق جن کے ہاں تقیہ دین کا لازمی جزو ہے۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت دین وایمان سے بھی خارج

ہو جاتی ہے۔ معاذ اللہ منہا۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو۔ تو اس کو چاہیے کہ کافی کلینی کے اندر اس باب میں جو روایات دیکھیں۔ ان کو دیکھے اور اپنے انصاف سے اس بارے میں فیصلہ کرے۔ اصل روایت ملاحظہ کیجئے۔

''عن ابن عمر هشام بن سالم عن ابن ابی عمر الا عجمی قال قال ابو عبداللہ یا اباعمر ان تسعة اعشار الدین فی التقیة و لا دین لمن لا تقیة له فی کل شئ و فی المسح علی الخفین''

ابن عمر روایت کرتے ہیں۔ ہشام بن سالم سے وہ روایت کرتے ہیں۔ ابن ابوعمر اعجمی سے کہ کہا فرمایا ابوعبداللہ نے اے ابوعمر دین کا دس میں سے نو حصہ تقیہ میں ہے اس کا دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا اور تقیہ تو ہر چیز میں ہے اور مسح الخفین میں بھی۔

دوسری روایت ملاحظہ کیجئے:

''عن محمد بن یحی عن احمد بن محمد عن عمر بن خلاد قال سالت ابا الحسین عن القیام للو لاة فقال ابو جعفر التقیة دینی و دین آبائی و لا ایمان لمن لا تقیة له''

محمد بن یحیٰی روایت کرتے ہیں۔ احمد بن محمد بن خلاد سے کہ میں حضرت علیؓ سے بادشاہ و حاکم کے خلاف اٹھنے کے متعلق سوال کیا ابوجعفر نے جواباً فرمایا۔ کہ تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجدا کا دین ہے۔ اس کا ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔

ان دونوں روایتوں سے آفتاب کی طرح واضح ہے کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا۔ وہ صرف نہ کہ بے دین بلکہ دین و ایمان سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ ان روایات کے پیش نظر سیدنا امام حسینؓ کا حسن خاتمہ ہی یقینی نہیں پھر شہادت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک!

سیدنا امام الشہداء کی شہادت عظمیٰ میں کون کلام کر سکتا ہے۔ تو پھر مذہب اہل سنت والجماعت ہی اس قابل ہے کہ اسی کو اختیار کیا جائے اور اسی کو اپنی زندگی کے ہر شعبہ کا مشعل تصور کیا جائے ورنہ امام عالی مقام کی شہادت تو کجا ان کا دین و ایمان بھی

محفوظ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا مسلک اعتدال وہی ہے۔ جو اہل سنت والجماعت نے پیش فرمایا ہے۔ اور وہی باعث نجات ہے۔ سیدنا امام حسینؓ کا اقتدار یزید کے خلاف خروج فرما کر اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کرنا درحقیقت ایک معرکۃ الآراء مسئلہ کی پوزیشن کو واضح کرنا اور غلط نظریات کی تردید کرنا ہے۔ لہٰذا اس کی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔

فلسفہ شہادت کی ایک جھلک

اولاً ایک مقدمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ وہ یہ کہ حضرت حسینؓ کے والد ماجد حضرت علی المرتضیٰ خلفاء ثلاثہ کے منور ترین عہد میں ذاتی شجاعت کے علاوہ جان نثاروں کی بھاری اکثریت رکھنے کے باوجود صرف یہی نہیں کہ ان کے خلاف خروج نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے ساتھ شیر وشکر کی طرح رہتے ہوئے ان کے فضائل بیان فرماتے رہے۔ ملا باقر نے بھی (حیات القلوب جلد دوم ص ۵۸۸) پر لکھا ہے کہ بارہ ہزار صحابی ایسے تھے جو محب اہل بیت اور خاص مخلص تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی زبان مبارک سے شیخین کے مناقب ملاحظہ فرمایئے۔ امیر شام کے ایک خط کے جواب میں جو ایک خط جناب امیر نے لکھا ہے نقل کیا جاتا ہے۔

"وکان افضلهم فی الاسلام کما زعمت وانصحهم الله والرسول الخلیفه الصدیق وخلیفة الخلیفه الفاروق ولعمری ان مکانهما فی الاسلام تعظیم وان المصاب بهما الحرج فی الاسلام شدید یرحمهما الله وجزاهما باحسن ماعملا" (شرح مسلم مطبوعہ طہران)

اور تھے افضل صحابہ کے اسلام میں جیسا کہ تیرا خیال ہے اور زیادہ مخلص اللہ اور رسول کے خلیفہ صدیق اور خلیفہ کے خلیفہ فاروقؓ اور قسم ہے مجھ کو اپنی جان کی کہ مرتبہ ان دونوں کا اسلام میں البتہ بڑا ہے اور بے شک پہنچا ان کی موت سے زخم اسلام میں سخت رحم کرے ان دونوں پر اللہ اور جزا دے۔ ان کو ان کے نیک کاموں کی۔

اس خط کو تمام شارحین نہج البلاغت نے نقل کیا ہے۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کس طرح اپنی جان کی قسمیں کھا کر شیخین کی بزرگی اور ان کی عظمت فی الاسلام بیان فرماتے ہیں۔

نہج البلاغت میں ایک قول حضرت علی المرتضیٰ کا یہ بھی منقول ہے۔ جو حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی کی مدح میں ہے۔

وقال فی کلام لہ وولیھم والی فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانہ

اور فرمایا جناب امیر نے اپنے ایک کلام میں پھر حاکم ہوا ان کا ایک والی تو قائم کیا دین اور ٹھیک چلا یہاں تک کہ دین کو کمال مضبوطی حاصل ہوئی

ملا فتح اللہ کاشانی نے اول فقرہ ترجمہ یہ لکھا ہے۔

"والی ایشاں شد والی کہ آں عمر رضی اللہ عنہ خطاب بہست"

اور آخر فقرہ کا ترجمہ یوں لکھا:

"تا آنکہ بزد دین پیش سینہ خود را بر زمین وایں کنایت است از استقرار و تمکین اہل اسلام"

یہاں تک کہ رکھا دین نے اگلا سینہ اپنا زمین پر اور یہ اشارہ ہے اطمینان اور مضبوطی اہل اسلام سے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے فضائل خلفاء ثلاثہ کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کتب شیعہ میں موجود ہیں۔ درحقیقت ان حضرات کے فضائل بیان فرمانا ترجمانی ہے قرآن کریم اور حدیث شریف کی سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے طرز عمل اور ارشادات عالیہ سے فضائل اصحاب ثلاثہ کو بیان فرما کر اس مسئلہ کی جو اہمیت واضح فرمائی ہے۔ وہ شناسان حقیقت سے پوشیدہ نہیں۔ کہ ان حضرات کے فضائل بیان کرنا درحقیقت سید الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وفضائل کا اقرار ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے جس قدر فضائل وکمالات ہیں۔ وہ عکس و پرتو ہیں۔

کمالات نبوت کے ان حضرات میں نقائص وعیوب نکالنا کمالات نبوت کے ناقص ہونے اور آقا کے اپنے مشن میں ناکامیاب ہونے پر حمل کرنا پڑے گا۔ تو اس صورت میں مذہب اسلام کی صداقت تو کجا اس کی تمام بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ حضور کے ساتھیوں خصوصاً خلفاء ثلاثہ کی تعریف و توصیف درحقیقت مذہب اسلام کی حفاظت اور آپ کے اپنے مشن میں کامیابی کی ایک ایسی

مثال ہے۔ جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی حقیقت حال کی ترجمانی کو تقیہ کی نذر کرنا درحقیقت مذہب اسلام کو ختم کرنے کے مترادف ہے خالق کائنات نے جس طرح حفاظت اسلام کے اور بہت سے انتظامات فرمائے ہیں۔

وہاں شمع نبوت کے پروانوں کے فضائل و کمالات بیان فرما کر آفتاب نبوت کی جو حفاظت فرمائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اس لئے کہ آفتاب نبوت کا آئینہ درحقیقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہی ذوات مقدسہ ہیں۔ انہی حضرات کے توسط سے کمالات نبوت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ انہی حضرات کے واسطہ سے آفتاب نبوت کی منور ترین شعاعیں دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی عالم انسانی کی رہنمائی فرمارہی ہیں۔ اس کے اوصاف و کمالات کو بیان کرنا درحقیقت آفتاب نبوت کی ضیاء پاشیوں کا اقرار کرنا ہے۔

اسی واسطے حضرت علی المرتضیٰؓ ان حضرات کی مدح سرائی کرتے رہے۔ جو حقیقت حال کی صحیح ترجمانی ہے۔ لیکن جب بعض حاسدین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس صحیح و جائز فعل کو غلط رنگ میں پیش کرنا شروع کیا۔ نور نبوت کی ضیا پاشیوں کو ختم کرنے کے ارادہ سے حقائق کی ترجمانی کو تقیہ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں جھوٹ ہے پر حمل کر کے حضرت علی المرتضیٰؓ کی ذات گرامی کو بھی نہ چھوڑا۔ تو غیرت خداوندی نے گوارا نہ کیا۔ کہ ایسے اہم ترین مسئلہ کو بغیر وضاحت کے چھوڑا جائے لہٰذا سیدنا امام حسین اور آپ کے معصوم بچوں کے مقدس ترین خون سے اس مسئلہ کی وضاحت ایسے انداز سے کروائی کہ کسی صاحب عقل کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔ کہ اگر خلفاء ثلاثہ میں بھی یزید کی طرح کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہوتی۔ تو حضرت علی المرتضیٰؓ شیر خدا بھی حضرت حسینؓ کی طرح میدان جہاد میں نکل کر فرائض اسلامی کی سرانجام دہی فرماتے۔ نہ یہ کہ ان کے بیعت ہو کر فضائل و کمالات بیان فرمادیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا اصحاب ثلاثہ کے خلاف خروج نہ فرمانا بلکہ ان کے ساتھ شیر و شکر کی طرح رہتے ہوئے ان کے فضائل بیان فرمانا اسی بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حضرات نور نبوت کی ضیاء پاشیوں کے کامل ترین مظہر ہیں۔ سیدنا امام حسینؓ

کے خون نے اس مسئلہ کی پوری پوری وضاحت فرمادی۔ کہ اصحاب ثلاثہ میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو شمع نبوت کے پروانے، اخلاق نبوی کے کامل ترین مظہر تھے، ورنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خاموشی ناممکن ہی نہیں۔ بلکہ محال تھی ان کا دین اسلام سے برگشتہ ہونے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ آفتاب نبوت میں کوئی تاثیر نہیں۔ جب ہمیشہ ساتھ رہنے والوں کا یہ حال ہے تو مذہب اسلام کی صداقت کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ درحقیقت شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ ایسی تمام چیزوں کی بیخ کنی کرتی ہے۔ جن سے اسلام کے کسی اصول یا اصحاب رسول پر کسی قسم کا حرف آتا ہو۔ اسی واسطے حضرت معین الدین چشتی اجمیری" فرماتے ہیں۔

شاہ ہست حسین پادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ دادست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین

جو شخص حضرت امام عالی مقام کی شہادت عظمیٰ کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ اس کے لئے خلفاء ثلاثہ کی عظمت فی الاسلام کا اقرار ضروری و لازمی ہے۔ ورنہ ان کی شہادت سے انکار یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فعل پر اعتراض لازم آئے گا۔ اور یہ دونوں چیزیں غلط ہیں۔ لہٰذا خلفاء ثلاثہ کی عظمت فی الاسلام کے اقرار کے بغیر اسلام کا کوئی حکم اور نہ ہی خاندان نبوت کا کوئی فعل صحیح ثابت کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خون سے خلفاء ثلاثہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو کہ اسلام کے پہنچانے میں امت اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں کے مقدس ترین دامن کو تمام حاسدین اسلام کے حسد سے محصون و محفوظ فرما کر حاسدین کے مکر و فریب کو فضائے آسمانی میں اس طرح تحلیل کیا کہ ان کو اپنے آپ کو پیٹنے کے سوا اور کوئی راستہ ہی نظر نہ آیا۔ اس کے علاوہ شہادت امام حسین میں اور بہت سی حکمتیں ہیں جو اس مختصر رسالہ میں نہیں آسکتیں۔ اب اس کے بعد حالت یزید کو ملاحظہ فرمایئے۔ کہ محمود احمد صاحب عباسی نے کس طرح حقیقت حال کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

بحث یزید

اولاً یزید کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان کو ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے بعد اہل سنت والجماعت کا یزید کے متعلق نظریہ اور علماء محققین کا یزید کے بارے میں جو اعتقاد ہے وہ پیش کیا جائیگا اور شاد نبوی ملاحظہ فرمایئے۔

یزید حدیث کی کسوٹی پر

یحییٰ بن سعید نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے دادا سعید بن عمر بن سعید نے فرمایا کہ: ''کنت جالسامع ابی هریرة مسجد النبی صلی اللہ علیه وسلم ومروان معنا قال ابو هریرة سمعت الصادق المصدوق صلی اللہ علیه وسلم یقول هلکة امتی علی ایدی غلمة من قریش فقال مروان لعنة اللہ علیهم غلمة فقال ابو هریره لو شئت ان اقول فلان بن فلان لفعلت فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا الشام فاذا رأهم غلمانا حدثا قال لنا عسی هؤلاء ان یکونو منهم قلنا انت اعلم''

میں حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ مروان مدینہ کا گورنر بھی تھا۔ ابو ہریرہ نے فرمایا کہ میں نے صادق مصدوق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند نوعمر لونڈوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے کہا کہ ان لونڈوں پر خدا کی لعنت۔ ابو ہریرہ نے کہا۔ اگر میں کہنا چاہوں تو نام کہہ سکتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں بنو مروان ملک شام کے حکمران ہوئے ہیں میں اپنے دادا کے ساتھ شام جایا کرتا تھا۔ میرے دادا بنو مروان کے نوجوان لڑکوں کو دیکھتے۔ تو ہم سے کہتے کہ ان میں سے ہی ہیں۔ جن کے ہاتھ سے حضور نے امت کی تباہی کی خبر دی ہے ہم کہتے آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری کے علاوہ امام احمد اور امام نسائی نے بھی روایات کیا ہے اور اس حدیث کے مفہوم کو علامہ خطیب قسطلانی ابن شیبہ سے نقل کرتے ہیں۔ پھر امام کرمانی اپنی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں شیخ

عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی اس حدیث کو دہرایا ہے۔

حضرت حذیفہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنوں کے متعلق جو حدیث فرمائی ہے۔ ہدیہ ناظرین ہے۔

''عن حذیفة قال قلت یارسول اللہ یکون بعد هذا الخیر شر کما کان قبله شر قال نعم قلت فما العصیت قال السیف قلت وهل بعدالسیف بقیة قال نعم یکون امارة علی اقزاء وهدنة علی دخن قلت ماذاقال ثم ینیشاء دعاة الضلال فان کان اللہ فی الارض خلیفة جلد ظهرک واخذ مالک فأطعه ولافمت وانت عاض علی جذل شجرة الحدیث''

(مشکوۃ شریف: کتاب الفتن ص ۴۶۳)

حضرت حذیفہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جیسے اسلام سے پیشتر تاریکی پھیل گئی تھی۔ کیا اس کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا۔ میں نے کہا نجات کیسے حاصل ہوگی۔ آپ نے فرمایا تلوار نجات دے گی۔ میں نے کہا تلوار کے بعد بھی کچھ تاریکی باقی رہے گی۔ آپ نے فرمایا ہاں ناخوشی اور ناگواری سے حکومت قائم ہوگی۔ اور مکروفساد سے صلح ہوگی۔ میں نے عرض کیا۔ پھر کیا ہوگا۔ فرمایا گمراہی کی طرف لوگ بلائیں گے۔ اگر اس وقت کوئی خلیفہ موجود ہو۔ جو امور باطل پر تیرے پیٹ پر درے لگائے۔ اور تجھ سے مال وصول کرے۔ تو اس کی اطاعت کرنا۔ ورنہ افسوس وغم کی حالت میں مرجانا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی دعاۃ الضلال سے مراد یزید پلید لیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے: ''ودعاة الضلال یزید بالشام والمختار بالعراق ونحو ذالک''

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۵۰۸)

اور گمراہی کی جانب بلانے والے ایک یزید ملک شام میں اور مختار عراق میں وغیرہ ذالک۔

حدیث اوّل کے الفاظ غلمة من قریش کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینی شارح صحیح بخاری قریش کے ان بدترین نوجوانوں کی تصریح کرتے ہوئے جن کے منحوس ہاتھوں سے امت کے برباد ہونے کی پیشگوئی حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دی ہے۔ یوں فرماتے ہیں:

"واولھم یزید علیه مایستحق و کان غالباً ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبائر ویولیھا الاصاغر من اقاربه" (عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۳۳۴)

اور پہلا ان کا یزید ہے۔ ہو اس پر جس کا مستحق ہے اور تھا وہ غالباً الگ کرتا۔ مشائخ کو بڑے شہروں کے عہدوں سے اور حاکم بناتا۔ ان کی جگہ چھوٹوں کو اپنے رشتہ داروں سے۔

علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"واعند احمد و النسائی عن ابی ھریرة ان فساد امتی یدی غلمة من سفھاء قریش وبزیادة سفھاء تقع المطابقة الحدیث و الترجمة عند ابن ابی شیبة من وجه آخر عن ابی ھریرة رفعه اعوذ باللہ من امارة الصبیان"

اور نزدیک امام احمد اور نسائی کے حضرت ابوہریرہؓ سے یوں مروی ہے۔ کہ میری امت کی بربادی قریش کے چند بیوقوف نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔ لفظ سفہاء کی زیادتی سے حدیث اور ترجمہ میں مطابقت واقع ہوگی۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری وجہ سے یوں بیان کیا ہے۔

پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے بچوں کی امارت سے اور اس سے آگے فرماتے ہیں۔

"وعند ابن ابی شیبه ان ابا ھریرة کان یمشی فی السوق یقول اللّٰھم لاتدرکنی سنة ستین ولا امارة الصبیان قالوا وما امارة الصبیان وقد استجاب اللہ دعاء ابی ھریرة فمات قبلھا بسنة قال وفی الفتح وفی ھذا اشارة الی ان اول الاغلمة کان فی سنة ستین وھو کذلک فان یزید بن معاویة استخلف فیھا وبقی الی سنة اربع وستین فمات ثم ولی ولده معاویة ومات بعد الشھر"

(حاشیہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۶)

اور نزدیک ابن ابی شیبہ کے یوں ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ بازار میں چلتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے۔ اے میرے اللہ بچا مجھ کو ۶۰ھ سے اور بچوں کی امارت سے۔ کہا انہوں نے کہ نہیں آئی امارت بچوں کی اور قبول کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ کی دعا کو۔ پس انتقال کیا۔ اس سے ایک سال پہلے کہا۔ اور فتح میں یوں ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ پہلا ان غلاموں کا ہوگا۔ ۶۰ھ میں اور وہ اسی طرح ہوا۔ کہ یزید بن معاویہ حاکم ہوا ۶۰ھ میں اور باقی رہا ۶۴ھ تک پس مرگیا۔ پھر والی ہوا اس کا لڑکا معاویہ اور انتقال کیا ایک ماہ بعد۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں جو احادیث اسی سلسلہ میں نقل کی ہیں۔ ان کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

ابویعلے اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں اولاد حکم کو دیکھا۔ کہ میرے منبر پر کود رہے ہیں۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ اس خواب کے بعد نبی کریم ﷺ کو کبھی کسی نے ہنستا ہوا نہیں دیکھا۔ یہاں تک کے آپ کی وفات ہوگئی۔

اور بیہقی نے ابن مسیب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں بنی اُمیہ کو اپنے منبر پر دیکھا تو آپ کو اس سے بہت رنج ہوا۔ پس آپ پر وحی ہوئی کہ یہ صرف دنیا ہے۔ جو انہیں دی گئی ہے۔ تو آپ خوش ہوگئے۔

اور ترمذی و حاکم اور بیہقی نے حسن بن علی سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے تھے۔ رسول خدا ﷺ نے بنی اُمیہ میں سے ایک شخص کو اپنے ممبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کو اس سے رنج ہوا۔ (ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۳۵۸)

علامہ ابن حجر نے چند احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں یزید کی تصریح موجود ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ہدیہ ناظرین ہے۔

"واخرج الرویانی فی مسندہ عن ابی الدرداء قال سمعت النبی ﷺ یقول اوّل من یبدل سنتی رجل من امیۃ یقال لہ یزید" (صواعق المحرقہ ص ۳۲)

حضرت ابی درداء سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ پہلا شخص جو میری سنت کو تبدیل کرے گا۔ بنی امیہ کا ایک آدمی

ہوگا۔ جس کو یزید کے نام سے پکارا جائے گا۔

مذکورہ بالا احادیث سے یزید پلید کا چہرہ اپنی اصلی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ کہ امت کی بربادی کا سبب اور سنت رسول اللہ کو بدلنے والا اولین شخص یزید پلید ہے۔ اس کا انکار، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ جس کی جسارت کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ پہلی حدیث میں گرچہ تصریح نہیں۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ کی دعا اور اس کے افعال شنیعہ نے نصف النہار کی طرح ظاہر کردیا۔ کہ ایسی احادیث کا اولین مصداق یزید کے سوا اور کوئی نہیں۔ آخری حدیث میں اس کے نام کی تصریح سے تو تمام شبہات دور ہوگئے۔ اس آخری حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوگیا۔ کہ اولین کو تبدیل کرنے والا یزید پلید ہے۔ نہ کہ حضرت معاویہؓ جیسا کہ بعض کوتاہ فہم غلط پروپگینڈا کرنے میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔

اعتراض: شاید بعض کوتاہ فہم یہ اعتراض کریں۔ کہ اگر مذکورہ بالا احادیث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو حضرت معاویہؓ کی ذات گرامی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ کہ یزید کے متعلق مذکورہ بالا ارشاداتِ نبویہ کے ہوتے ہوئے اس کو ولی عہد بنانا کیونکر جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

جواب: یہ اعتراض حضرت امیر معاویہؓ پر ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ اول تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کو یہ احادیث ہی نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ اس وقت ذخیرہ احادیث موجودہ شکل میں مدون ہوکر منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ بلکہ صدور رجال ہی میں محفوظ ومحصون تھا۔ تو ایسی صورت میں کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا احادیث کے ہوتے ہوئے حضرات امیر معاویہؓ نے جان بوجھ کر یزید کو ولی عہد بنایا۔

دوسرا اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ان کو یہ احادیث پہنچی ہیں۔ تو پھر قبل از وقت یہ کیسے معلوم ہوسکتا تھا۔ کہ یہ وہی یزید ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے۔ کیونکہ یزید بن معاویہؓ کے زمانہ اقتدار اور اس سے افعال شنیعہ کے صدور سے پہلے محض مذکورہ بالا احادیث کی وجہ سے اس کا تعین مشکل تھا۔ کہ وہ کونسا یزید ہے۔ اس کا تعین ان احادیث کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دوسرے طریقہ سے کسی صحابی سے کردیا ہو تو الگ بات ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ کی ۶۰ھ سے قبل وفات کی دعا نقل کی جاچکی ہے۔

یزید تاریخ کی کسوٹی پر

قبل ازیں کہ تاریخی کسوٹی پر یزید کو پرکھا جائے اوّلاً ہم اس تاریخی کتاب کی اہمیت جس سے ہم حوالہ جات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جناب محمود احمد صاحب عباسی کا خود اپنا اقرار ملاحظہ فرمائیں۔

نامور سے نامور مورخین عہد بہ عہد پیدا ہوئے۔ مبسوط سے مبسوط کتب تاریخ مرتب و مدون کر کے پردہ عدم میں روپوش ہوتے رہے۔ مگر بقول ولے خوئے سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنے کی یا وضعی روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ نقد و درایت سے جانچنے کی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے نہیں کی۔ (مقدمہ خلافت معاویہ و یزید ص ۷)

عباسی صاحب کے خود اپنے اقرار سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ علامہ ابن خلدون ہی ایک ایسا مؤرخ ہے کہ جس نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں روایات کو نقد و درایت کی میزان پر پرکھنے کے بعد پیش فرمایا۔ علامہ ابن خلدون کا یزید پلید کے بارے میں جو فیصلہ ہے۔ عباسی کے اپنے اقرار کے پیش نظر اس کا قبول کرنا اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھنا اور اس کی اشاعت کرنا ضروری و لازمی سمجھا جائے گا۔ ورنہ اپنی تکذیب خود کرنی پڑے گی۔ علامہ ابن خلدون کی تحقیق ملاحظہ کیجئے یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں حضرت امیر معاویہؓ کی برأت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اب انتخاب ولی عہدی کے سلسلہ میں چند امور ایسے ہیں۔ جو قابل بیان ہیں۔ تاکہ اس میں حق و ناحق ثواب و غیر ثواب کی تمیز ہو سکے۔ اول یہ کہ وہ فسق و فجور جو یزید سے اس کی خلافت کے عہد میں صادر ہوا۔ کیا وہ بروقت تقرری ولی عہدی معاویہؓ کے علم میں تھا۔ تو حقیقت یہ ہے۔ کہ معاویہؓ کی شخصیت باعتبار فضیلت و عدالت اس قسم کی بدگمانی سے پاک اور بالکل بری بلکہ وہ تو اپنے عین حیات میں یزید کو گانا سننے سے سختی سے روکا کرتے تھے۔ جو دیگر امور فسق میں جس کا یزید نے ارتکاب کیا۔ کم درجہ ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۲)

اس سے آگے علامہ خلدون فرماتے ہیں:

اب حضرت حسینؓ کا واقعہ تو اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ جب یزید کا فسق فجور تمام اہل زمانہ کے سامنے آشکار ہوگیا۔ تو طرفداران اہل بیت نے کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو بلوایا اور لکھا کہ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ کی پشت پناہی میں ہیں۔ حضرت امام نے سوچا کہ یزید کی بدکاریوں کی وجہ سے یزید کے خلاف اٹھنا تو ہے ہی۔ خصوصاً جب کہ اس پر قدرت بھی ہو۔ تو پھر تاخیر کیوں کی جائے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۷)

اگے مشاجرات صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ ثابت ہو چکا کہ حضرت علیؓ و معاویہؓ کے جھگڑے میں معاویہؓ کی طرف بھی خطاء کی نسبت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اجتہاد ان کی طرف بھی تھا۔ اور اجتہاد بالاجماع خطاء وصواب ہر دو کا احتمال رکھتا ہے۔ اسی طرح ابن الزبیر و عبدالملک کے تنازعہ میں بھی عبدالملک کو خطاکار نہیں ٹھہرا سکتے۔ رہا یزید کا معاملہ تو وہاں تو یزید کا فسق اس کو خطا کا نشانہ بنا رہا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۸)

خط کشیدہ عبارات کو ملاحظہ کیجئے کہ علامہ ابن خلدون کس طرح یزید کو فاسق و فاجر و بدکردار الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتب تاریخ یزید کی بدکرداری سے لبریز ہیں۔

اعتراف حقیقت

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے خود ایسا مواد فراہم کیا ہے۔ جس سے نصف النہار کی مانند ظاہر ہے کہ یزید صرف یہی نہیں کہ خود غیر شرعی افعال کا مرتکب ہوتا تھا۔ بلکہ وہ ایسے اعمال کا مربی و سرپرست تھا جو شریعت میں ناجائز و حرام ہیں ملاحظہ کیجیے وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی و سرپرست تھا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲۵)

شریعت بیضا کی روشنی میں اس چیز کی وضاحت کی جاتی ہے۔ کہ موسیقی اور ادب و آرٹ کو اسلام میں کس نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمایئے: ''عن ابی امامۃ قال قال

النبی ﷺ ان اللہ تعالی بعثنی رحمة للعالمین وھدی للعالمین وامرنی ربی عزوجل بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیة الحدیث" (مشکوۃ شریف)

روایت ہے ابی امامتہ سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق بھیجا۔ مجھ کو سبب رحمت واسطے تمام عالم کے اور سبب راہنمائی واسطے عالم کے اور حکم کیا۔ مجھ کو میرے رب عزت اور بزرگی والے کے۔

ساتھ مٹانے باجوں اور مزامیر کے اور بتوں اور رسولیوں کے اور تمام رسومات و عادات جاہلیت کے جب موسیقی وادب وآرٹ کے آلات کو مٹانے کا حکم رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو دیا ہے۔ اس کے باوجود ان اشیاء کی سرپرستی کرنے والا کیسے اور کیونکر متدین ومنصب خلافت کا اہل تصور کیا جاسکتا ہے۔ جن اشیاء کو اسلام نے مٹانے کا حکم دیا ہے۔ ان کی سرپرستی کر کے ان کو رواج دے کر معاشرہ اسلامی کو برباد کرنا کہاں کا تقویٰ ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

فتاوی شامی جو احناف کی ایک مایہ ناز کتاب ہے اس میں جہاں علوم پر بحث کی ہے۔ وہاں علم موسیقی کو ان علوم میں شمار کیا ہے۔ جن کا سیکھنا ناجائز وحرام ہے۔

"وحرام وھو علم الفلسفة والشعبدة والتنجیم والرمل وعلوم الطبائعین والسحر والکھانة وعلم الموسیقی" (شامی ص ۴۲)

اور جن علوم کا سیکھنا حرام ہے وہ علم فلسفہ کا اور شعبدہ بازی کا تنجیم اور رمل کا علم طبائعین اور جادو وکہانت کا اور علم موسیقی کا۔

لیکن یزید ایسی ناجائز وحرام اشیا جن کا مٹانا اس کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ کی سرپرستی کرتا رہا۔

کارنامہ یزید کی مثالِ ثانی

جناب محمود احمد صاحب عباسی یزید کے مناقب بیان کرتے ہوئے ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

کہ منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزید دامن

انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ابن کثیر نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے۔ جو مدینہ منورہ کے رہنے والی حسن و جمال میں یگانہ ہمہ صفت موصوفہ تھی۔ قرآن شریف اچھی قرأت سے سناتی۔ شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابت کے فرزند عبدالرحمن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ ثناء وصفت کر کے اس کی خریداری پر اس کو راغب کیا۔

''ورله علی سلامة وجمالها وحسنها وفصاحتها وقال لاتصلح الالک یاامیر المومنین وان تکون من سمارک'' (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۴ ج ۸)

اور انہیں (امیر یزید کو) سلامہ اور اس کے حسن و جمال وفصاحت کی طرف رغبت دلائی اور کہا یا امیر المومنین یہ کنیز سوائے آپ کے اور کسی کے لائق نہیں خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے رکھ لیں۔

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آ کر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک شاعر احوص بن محمد دونوں ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں۔ امیر یزید نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا۔ نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔ سلامہ نے کہا۔ کہ شدید محبت مثل روح کے میرے جسم کے رگ وپے میں سرائیت کئے ہوئے ہے۔ تو کیا اب روح وجسم میں مفارقت ہو سکے گی۔ حباً شدیدا جزی کالروح فی جسدی فهل یفرق بین الروح والجسد۔ امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا خذها یااحوص فهی لک وصله صلة سنیة اے احوص اب یہ (سلامہ) تمہاری ہے۔ تم اسے لے لو۔ پھر اسے اچھا انعام بھی عطا کیا۔ انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضہ تھا۔ کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۱۸، ۳۱۹)

ناظرین کرام! جناب محمود احمد صاحب کے اس پیش کردہ حوالہ کو غور سے پڑھیں کہ یزید کے گردوپیش کس قسم کے افراد رہتے اور کس قسم کی اشیاء کا تذکرہ یزید

کی نجی مجالس میں جاری رہتا تھا۔ اس واقعہ سے نصف النہار کی مانند ظاہر ہوگیا۔ کہ یزید حسن و جمال کا دلدادہ اور مغنیہ عورتوں پر فریفتہ ہونے والا ایک آزاد و آوارہ شخص تھا۔ زمانہ قدیم اور اب بھی شرفاء حضرات کا طریقہ ہے کہ اگر سلسلہ مناکحت کہیں قائم کرنا ہو تو سب سے مقدم اخلاق حسنہ کو رکھا جاتا ہے۔ محض حسن و جمال کی پرستش آزاد و عیاش افراد کا شیوہ رہا ہے۔ لیکن مغنیہ کو داخل حرم کرنا تو اس گئے گزرے زمانہ میں بھی خلاف شرافت و معیوب شمار کیا جاتا ہے۔ خواص کے علاوہ عوام الناس بھی مغنیہ عورت کے داخل حرم کرنے کو معیوب شمار کرتے ہیں۔ لیکن یہاں جس کو محمود احمد صاحب عباسی امیر المومنین لکھتے ہوئے فخر محسوس کرتے ان کے ہاں اس قدر عشق آزادی و عیش پرستی ہے کہ جب ان کی داخل حرم کے ناجائز محبت کا راز افشا ہوتا ہے۔

عاشق و معشوق کے اقرار پر صرف یہی نہیں۔ کہ تعزیر اسلامی کا نفاذ نہیں۔ بلکہ ان کے جذبات محبت کا احترام کرتے ہوئے اقرار جرم کے باوجود اپنی داخل حرم کو مزید انعامات کے ساتھ عاشق کے حوالہ کر کے جس قدر بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یزید کا صرف ایک ہی کارنامہ شرافت انسانی کے حسین چہرہ پر اس قدر بدترین داغ ہے۔ جو کبھی دور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اسی کا نام تقوی و پرہیز گاری ہے۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوایاں ہوتیں

ان دونوں حوالوں سے جو محمود احمد صاحب عباسی کے اپنے پیش کردہ ہیں۔ یزید اپنی اصلی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ پہلے حوالہ کے پیش نظر یزید پر تین سنگین جرم عائد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ یزید کا خود ناجائز و حرام فعل کا مرتکب ہونا۔ دوسرے اپنی سرپرستی میں ایسے قبیح و ناجائز افعال کی اشاعت کر کے اسلامی معاشرے کو برباد کرنا۔ تیسرے ناجائز و حرام کام کی اشاعت کے لئے بیت المال کی بربادی۔ دوسرے حوالہ کے پیش نظر اس کی عیاشی و حسن پرستی و بد اطوار افراد کی حوصلہ افزائی منظر عام پر آجاتی ہے۔ یہی وہ چیزیں (۱) تھیں جس کی وجہ سے سیدنا

(۱) یعنی عصیاں خداوندی و اتباع خواہشات نفسانی۔

امام حسینؓ نے مفاد ملت کے پیش نظر یزید کو منصب خلافت کا نااہل تصور کرتے ہوئے اس کی بیعت کو قبول نہ فرمایا بلکہ قوم کو ان کی شہادت یہ سبق پیش کرتی ہے۔

کرتی ہے پیش اب بھی شہادت حسین کی
آزادی حیات کا یہ سرمدی اصول!
چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن تو فاسقوں کی اطاعت نہ کر قبول

یزید کے افعال شنیعہ کے پیش نظر ابتداء کتاب میں جو خلافتِ شرعیہ کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس کو یزید پر چسپاں کیجئے۔ کہ یزید مذکورہ کیرکٹر کے ہوتے ہوئے جو خود عباسی صاحب نے پیش فرمایا ہے۔ خلافت شرعیہ کے معظم ترین مسند پر بٹھانے کے قابل تصور کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے خیال میں تمام دنیا کے عقلاء یزید کو شرعی خلیفہ ہونے کا تصور بھی جرم عظیم تصور کریں گے۔ باقی رہی وہ حدیث جس سے عباسی صاحب نے یزید کو شرعی خلیفہ ہونے پر محمول کیا ہے۔ اس کی اصلیت ہدیہ ناظرین ہے۔

حدیث خلافت کی وضاحت

عباسی صاحب حدیث "الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک" کو حدیث "لایزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشرة خلیفة من قریش" کے متارض اور متناقض سمجھ کر موضوع ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ دین اسلام قوت سے رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔ "لایزال الاسلام عزیز الی اثنی عشرہ خلیفة کلهم من قریش" ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیر المومنین معاویہؓ اور چھٹے امیر المومنین یزید ہوتے ہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۴۵)

اس سے قبل عباسی صاحب فرماتے ہیں۔ ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ ﷺ سے یہ قول منسوب کیا گیا۔ "الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک"

اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی ہیں۔ وہ سعید بن جمہان سے اور وہ حضرت سفینہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی۔ پھر بادشاہت ہوگی۔ یہ حدیث بتفسیر الفاظ ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تقریباً تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور "لایحتج بہ" میں "منکر الحدیث" ہیں۔ یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔ اور حضرت سفینہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت سفینہ مدنی ہیں۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے یہ حدیث ان سے کب کیوں کر اور کہاں سنی۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۴۴)

اولاً یہ وضاحت کی جاتی ہے۔ کہ ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر حدیث کی صحت اور بارہ خلفاء میں یزید کی شمولیت پر بحث کی جائے گی۔ اس کے متعلق گزارش ہے خلافت کی قسمیں ہیں۔ ایک خلافت راشدہ جس کو خلافت علی منہاج النبوت بھی کہا جاتا ہے۔ اس خلافت کی مدت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس برس بتلائی ہے۔ دوسری خلافت مطلق خلافت ہے۔ جو ملوکیت کے ہم معنی ہے۔ خواہ وہ عادلہ بھی ہو۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ میری امت میں خلاف تیس برس تک رہے گی۔ خلافت سے مراد راشدہ ہے۔ جو خلافت علی منہاج النبوۃ ہے۔ اس کے بعد مطلق خلافت کا آغاز ہوتا ہے۔ ان دونوں خلافتوں کے درمیان حضرت امیر معاویہؓ حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بایں معنی کہ نہ ان کو خلیفہ راشد کہا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی ان کی خلافت کو خلافت مطلقہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ پہلوں جیسے اور نہ ان کے بعد آنے والے ان جیسے شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اپنی تائید میں ہم حضرت عبداللہ بن عباس کا قول پیش کرتے ہیں۔ جس کو عباسی صاحب نے اپنی تاریخی ریسرچ میں نقل کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تاثر ملاحظہ کیجئے:

"قلنا یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویہ فوجم طویلاً ثم قال اللھم

اوسع لمعاویہ اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثلہ"

(کتاب انساب الاشراف از بلاذری الجزء الرابع قسم ثانی)

پھر ہم نے ان سے کہا کہ اے ابوالعباس قاصد موت معاویہ کی خبر لایا ہے۔ (یہ سن کر) وہ دیر تک خاموش رہے۔ پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجو، اور کہا کہ واللہ وہ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے۔ لیکن ان کے بعد بھی کوئی ان کے مثل آنے والا نہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباس حلفیہ فرماتے ہیں کہ واللہ حضرت امیر معاویہ نے خود پہلوں جیسے اور نہ ہی ان کے بعد آنے والے ان جیسے ہو سکیں گے اب اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا۔ کہ ان کی خلافت پہلے حضرات کی خلافت سے الگ اور نہ ہی ان کے بعد والوں کی خلافت ایسی ہوگی۔ ورنہ عدم مماثلت اور کونسی چیز میں شمار کی جائے گی۔ اس کے بعد عباسی صاحب کا نظریہ ملاحظہ فرمایئے۔

عباسی صاحب اشاعت دوم کے آئینہ میں

اب حضرت عبداللہ بن عباس کے مذکورہ بالا فرمان کے برعکس عباسی صاحب کی تحقیق ملاحظہ کیجئے۔

اور اموی خلافت کے ان بہترین اور منور ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک فاطمی عالم صاحب نے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا مقتدا اور دین کا پیشوا سمجھتے ہیں۔ یہ باور کرانا چاہا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی۔ اور آپ کی امت تیس چالیس برس بھی آپ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیہ تبریک بھی پیش کیا۔ وہ یہ ہے۔

اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی۔ ان کی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان کے اس فرق کو ان کی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہؓ کا

اپنا قول یہ تھا کہ: ''انا اول الملوک'' میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں۔

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرام کے اجماع کو ہیچ قرار دے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں۔ انہوں نے جمہوریت کی بجائے شخصی حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا (خلافت معاویہؓ و یزید طبع دوم)

عباسی صاحب کی اس ریسرچ کی تردید تو حضرت عبداللہ بن عباسی کے قول سے خود بخود ہو گئی۔ لیکن خلافت علی منہاج النبوت کے باقی نہ رہنے سے عباسی صاحب نے جو نتیجہ حضرت امیر معاویہ اور حضور علیہ اسلام کے برپا کردہ نظام کے متعلق اخذ کیا ہے۔ وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اگر یہی چیز ہے پھر آنجناب نے جو تصویر خلافت علی المرتضیٰ کی پیش کی ہے۔ پھر وہ کیسے صحیح ہے۔ جیسا کہ ان کی بحث خلافت میں یہ چیز مفصل گزر چکی ہے۔ اگر کسی کو بادشاہ تسلیم کرنا مذکورہ بالا قبائح کو مستلزم ہے۔ تو پھر حضور علیہ الصلوۃ واسلام کے فرمان: '' السلطان العادل ظل اللہ فی الارض الخ'' کہ عادل بادشاہ زمین میں خدا کا سایہ ہے۔ کا کیا مطلب لیا جائے گا۔

اور پھر یہاں تو حضور علیہ الصلوۃ نے خلافت نبوت کی عمر کی خود تصریح فرمادی ہے:

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت النبوۃ ثلاثون ثم یوتی اللہ الملک من یشاء'' (ابوداؤد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت نبوت کی عمر تیس برس ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک دے گا۔

خلافت نبوت کی عمر ختم ہونے سے حضرت امیر معاویہ کی ذات گرامی پر کیا اعتراض اور ان کی اس سے تنقیص شان کیسے۔ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ جو خلافت نبوۃ ہے۔ کی عمر تیس برس ہے۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ کی جانب بدعت یا خود ان کی تنقیص شان کا پہلو نکالنا حدیث کی تکذیب کے مترادف ہے۔ خلاصہ بحث کہ جس حدیث میں تیس سال خلافت کی عمر

بتلائی ہے۔ اس خلافت سے خلافت راشدہ وخلافت علی منہاج النبوت مراد ہے۔ اور جس میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے۔ اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو ملوکیت کے ہم معنی ہے اور حضرت امیر معاویہ کی خلافت کو خلافت راشدہ سے خارج سمجھنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی اور نہ ہی ان کی تنقیص شان کا کوئی پہلو نکلتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ یہ علم حدیث سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث ہیں۔ تو اس میں کون سی خرابی جب کہ حشرج کے علاوہ دوسرا راوی اس کو روایت کر رہا ہو۔ جیسے کہ ابوداؤد میں حشرج کی بجائے عبدالوارث بن سعید اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سعید بن جمہان کی حضرت سفینہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت امام بخاریؒ نے ان دونوں کی ملاقات ثابت کی ہے۔ دیکھئے تاریخ صغیر ص ۹۷۔ غرضیکہ ایک صحیح ثابت شدہ حدیث کو موضوع کہنا بڑی جسارت ہے۔

بارہ خلفاء میں یزید کی شمولیت پر بحث

''قوله اثناعشر اميرافيه اقوال قال بعضهم ليس المرادبذلک مدحهم بل بقاء امته المرحومة زمانا كثيرا ولا يلزم ذلک انقطاع الخلافة بعد هم اذلا يتعبر العدد وقيل بل المراد ان الخلافة على حسب السنة تكون فى اثناء عشر اميرا ولايلزم تتابعهم حق ينا قض عليه بتخلل يزيد وقيل بل المراد ان الامارة على حسب سنة الخلفاء تكون فى اثنا عشر اميراوان كان من هذه الامراء من هو ظالم على نفسه كما كان يزيد'' (الکوکب الدری ص ۵۰ جلد ۱)

''قوله ثم ملک بعد ذالک اى لايبقى الامراء بعد ذلک على سير الخلفاء وان كان التضير ليسيرا كمافى معاويه رضی اللہ عنہ وابن ابنه معاويه بن يزيد او المعنى انقطاع الاتصال بعد انقضا و ثليثن وان كان فيمن بعد ذالک امير هو على سيرة الخلفاء'' (الکوکب الدری جلد ۳ ص ۵۵)

''قوله اثناء عش فيه اقوال الاول انه اشارة الى من بعد الصحابة من

خلفاء بنی امیة ولیس علی المدح بل علی استقامة السلطنة وهم یزید ابن معاویة وابنه معاویه ول یدخل ابن زبیر لانه من اصحابه ولا مروان ابن الحکم لکونه بویع بعد بیعته ابن لزبیر فکان غاصباً ثم عبدالملک ثم الولید ثم سلیمن ثم عمر بن عبدالعزیز ثم یزید بن عبدالملک الهشام ثم الولید ابن یزید ثم یزید بن الولید بن عبد الملک ثم ابراهیم بن الولید ثم مروان بن محمد ثم خرجت الخلافت منهم الی بنی عباس الثانی ان بعد موت المهدی ملک خمسة من ولد حسن وخمسة من ولد الحسین ثم رجل من ولد الحسن ثم ولده فیتم اثناعشر وکل منهم امام مهدی والثالث ان المراد اثناعشر الی یوم القیامة وان لم سیتوالی ایامهم (کذافی المجمع)" (حاشیہ ترمذی شریف ص ۴۵ ج ۲)

ناظرین کرام محدثین حضرات کے مذکورہ بالا اقوال سے یزید کی پوزیشن اور اثنا عشرا میرا میں اس کے داخل ہونے کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں کہ مدح کی صورت میں کس طرح یزید کو خارج قرار دیتے ہیں۔

عباسی صاحب کی جسارت

حضرت عبداللہ بن عباس کا حلفیہ بیان جو عباسی صاحب کے حوالہ سے اوپر نقل کیا جاچکا ہے:

"اما واللہ ما کان مثل من قبله ولا یاتی بعده مثله"

کہ واللہ وہ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان کے پہلے گزر گئے ۔لیکن ان کے بعد بھی کوئی ان کے مثل آنے والا نہیں۔

یعنی حضرت امیر معاویہؓ پہلوں سے دوسرے درجہ پر اور ان کے بعد آنے والے تیسرے نمبر پر شمار کئے جائیں گے۔لیکن عباسی صاحب تیسرے درجہ والوں کے مقابلہ میں خلفاء راشدین کی انعقاد خلافت کو بھی ہیچ سمجھتے ہیں۔ملاحظہ کیجئے۔

اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے۔اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی۔لیکن صرف اہل مدینہ کی باقی اہل اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے۔ جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا۔ تو وہ امیر المومنین یزید ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا۔ اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام تر ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ (خلافت معاویہ ویزید طبع دوم)

خلافت راشدہ کے بارے میں انداز تحریر اور اس کے انعقاد کے طریق کو اقتدار یزید کے مقابلہ میں ایسے انداز سے پیش کرنا کہ گویا یزید سے پہلے جو خلفاء گزرے ہیں۔ ان کی خلافت کو جمہوریت کا نام دینا جب کہ کسی ایک کے لئے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ محض خوش فہمی پر مبنی ہے۔ واقعی عباسی صاحب کی بے لاگ ریسرچ کا نتیجہ ہے۔ جو اس کے ہواخواہوں کے واسطے بھی درس عبرت ہے۔ یعنی اسلامی تاریخ میں اگر جمہوری خلیفہ دیکھنا ہو۔ جو بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب رائے سے منتخب ہو کر سامنے آیا۔ وہ صرف یزید ہے جس کا لازماً یہی نتیجہ نکلے گا کہ یزید سے پہلے خلفاء کا طریق انتخاب ہی غلط و غیر جمہوری تھا۔ العیاذ باللہ

لیکن عباسی صاحب جس کی جمہوریت سمجھتے ہیں وہ جمہوریت نہیں۔ اگر عام استصواب رائے ہی جمہوریت ہے۔ تو آپ ہی بتلائیں کہ آگے جو آپ نے آیت مبارکہ ''وامرھم شوری بینھم'' کے متعلق بدیں الفاظ تحریر فرمایا ہے۔

پھر یہ آیت مبارکہ ''وامرھم شوری بینھم'' ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔ اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقعہ بے موقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں انجینئر سے آب پاشی کے نام کے سلسلہ میں خانقاہ نشین صحت عامہ کے بارے میں کمان دار فوج سے اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقل مند سمجھا جائے گا یا احمق اگر'' وامرھم شوری بینھم'' کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس سے بات کی جائے وہ اہل ہو یا نہ ہو تو ظاہر ہے۔ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل وعقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا۔ اور انہی کی بات سنی اور مانی جائے گی۔ خلافتِ معاویہ ویزید طبع دوم کا کیا مطلب ہے۔

جب غیر اہل و ہر کس و ناکس سے مشورہ کرنے والا جناب محمود احمد صاحب عباسی کے اپنے اقرار سے عقل مند کی بجائے احمق و بیوقوف سمجھا جائے گا۔ تو پھر اس سے ناظرین کرام خود اندازہ لگائیں کہ پھر عباسی صاحب احمق ہوئے یا عقلمند۔ اس لئے کہ یزید کے بارے میں استصواب رائے عام ہر کس و ناکس سے مشورہ نہیں تو اور کیا ہے۔

دائے ناکامی، متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اور انتخاب خلیفہ کے بارے میں خلفاء راشدین کے طریقہ انتخاب کو چھوڑ کر استصواب رائے عامہ جو کہ ہر کس و ناکس و غیر اہل سے مشورہ کرنا ہے کو اختیار کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یزید ہرگز اس منصب جلیل کا اہل نہیں تھا اور یہ کہ اصحاب سیاست وارباب شوریٰ ہرگز یزید کو اس منصب عظیم کا اہل تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہیں تھے۔ اسی واسطے یزید کو سابقہ طریقہ انتخاب چھوڑ کر ایک غیر شرعی طریق کار اختیار کرنا پڑا۔ اب راقم الحروف اہل فکر کو اس بات کی جانب متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ یزید کا انتخاب ہی جب غیر شرعی اور بقول عباسی صاحب غیر اصولی طریقہ سے ہوا۔ پھر یزید کو شرعی خلیفہ کہنا ریسرچ کا نتیجہ ہے۔ یا اظہار حماقت کا ایک ترقی یافتہ طریقہ ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مزید براں عباسی صاحب آگے فرماتے ہیں۔

ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۵)

اصحاب سیاست وارباب شوریٰ کے اختلاف کو چند نفوس کے اختلاف پر محمول کر کے بے وقعت اور عوام مسلمانوں کے فیصلہ کو باوقعت و قابل اعتماد ٹھہرا کر یزید کو شرعی خلیفہ ثابت کرنا خود اپنے اقرار کے مطابق حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے اپنے اقرار سے یزید کا انتخاب خلافت راشدہ کے طرز انتخاب سے بالکل الگ اور ایسے جدید طریقہ سے ہوا جو غیر شرعی ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف اصول بھی تھا۔ حالانکہ بحسب ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

16

''علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین'' کہ تمہارے اوپر لازم ہے ،میرا طریقہ اور خلفاء راشدین کا طریقہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ خلافت راشدہ کے ہی مطابق اس کا انتخاب عمل میں لایا جاتا۔لیکن یہاں تو انتخاب یزید کے مقابلہ میں خلافت راشدہ کے طریقہ انتخاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بالکل برعکس اور غیر جمہوری ظاہر کر کے یزید کو خلفاء راشدین پر ترجیح دی گئی ہے۔العیاذ باللہ! ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجاماند مسلمانی

صحابہ کرامؓ پر نکتہ چینی کرنے والا یا ان کے طرز عمل کو یزید جیسے فاسق و فاجر کے مقابلہ میں صحیح سمجھنے والا اگر قابل مدح وستائش ہے تو دنیا میں کوئی چیز قابل مذمت نہیں ہے۔

بشارت مغفرت و یزید

عباسی صاحب نے یزید کو متقی و پارسا ثابت کرنے کے واسطے کہ اس کے اتقاء پرہیز گاری کا تو ذکر ہی کیا۔اس کو تو بارشاد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام دنیا ہی میں مغفرت کی بشارت مل گئی تھی۔نص حدیث سے اس کی فضیلت اور عنداللہ مقبولیت پر کافی زور لگا کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسے مغفور و مقبول ترین شخص کی مخالفت کیسے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔گویا کہ ایسے شخص کی بیعت سے گریز کرنے والا کس طرح نوجوانان جنت کا سردار ہوسکتا ہے۔

اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ملاحظہ کیجئے:

''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گی،ان کے لئے مغفرت ہے۔

عباسی صاحب حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی نے مدینہ قیصر کی تشریح میں یہ بتاتے ہوئے کہ اس سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ سے ہے۔اس حدیث کے حاشیہ میں لکھا ہے:

''کان اول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویہ و معہ جماعۃ من سادات

الصحابة كابن عمر و ابن عباس و ابن الزبير و ابی ایوب انصاری "

(حاشیہ ص ۴۱۰ صحیح بخاری)

مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول جہاد یزید بن معاویہ نے کیا۔ اور ان کے ساتھ سادات صحابہؓ مثل ابن عمرو، ابن عباسؓ و ابن زبیر اور ابوایوبؓ انصاری کی ایک جماعت تھی۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۳)

آگے منقبت یزید کے اثبات میں مہلب کے قول سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے۔ کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔

محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے:

"قال المهلب فی هذا الحديث منقبة المعاوية لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر " (حاشیہ صحیح بخاری ص ۴۱۰)

اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے (حضرت) معاویہؓ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا۔ اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزید) کے کہ انہوں نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ۲۳)

عباسی صاحب نے یہاں یہ باور کرانا چاہا ہے کہ علامہ ابن حجرؒ مہلب کے قول کو منقبت یزید میں استدلالاً پیش فرما رہے ہیں۔ حالانکہ ان کی غرض مہلب کا قول نقل کرنے سے محض اس کی تردید مقصود ہے۔ جیسے کہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:

"وتعقبه ابن التين و ابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله في ذالك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم ان قوله صلى الله عليه وسلم مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد احد ممن غزاها بعد ذالك لم يدخل في ذالك العموم اتفاقاً ندل على ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم انتهى "

اور تعاقب کیا اس (مہلب) کا ابن التین وابن المنیر نے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے خارج بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اہل علم میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ کہ حضور کا یہ قول ''مغفور لھم'' (جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکا بخش دیئے گے) اس شرط سے مشروط ہے کہ یہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ کے بعد ان میں سے مرتد ہوجائے۔ وہ بالاتفاق اس بشارت میں داخل نہیں رہے گا۔

تو اس سے صاف واضح ہے کہ مراد حضور کی یہ ہے کہ مجاہدین روم کی مغفرت کی گئی ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان میں مغفرت کی شرط پائی ہے۔

یہ تھی قول مہلب کے بعد عبارت جس کو چھوڑ کر عباسی صاحب نے حمایت یزید کا حق ادا کرے ہوئے صحافتی دیانت کو بغیر چھری کے ذبح کر دکھلایا۔

علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری نے جو استدلال مہلب کی کیفیت نقل فرمائی ہے، وہ ملاحظہ کیجئے: ''واستدل به المهلب علی ثبوت خلافة یزید وانه من اهل الجنة لدخوله فی عموم قوله مغفور لهم واجیب بان هذا جار علی طریق الحمیة لبنی امیة''

اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور اس کے اہل جنت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ حدیث کے اس جملہ ''مغفور لھم'' کے عموم میں داخل ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ محض بنی امیہ کی حمایت کے جذبہ میں بات کہی گئی ہے۔

اس کے بعد اصل جواب وہی ہے جو علامہ ابن حجرؒ نے ابن المنیر کی جانب سے نقل فرمایا ہے۔

علامہ قسطلانی کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ مہلب اور دوسرے لوگ جو یزید کی فضیلت یا اس کی خلافت پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ محدثین کرام کی نگاہوں میں مخدوش ومشتبہ ہیں۔ جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت بے جا پر محمول کیا ہے۔ اور بشارت جنت مل جانے کی وجہ سے ثبوت خلافت پر استدلال کرنا اگر صحیح ہے تو پھر عشرہ مبشرہ کی خلافت کا ثبوت بھی حدیث تبشیر جنت سے ضرور ہونا چاہیے۔

محدثین کے جواب کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مغفور لھم مشروط ہے۔ ساتھ اس شرط کے کہ مجاہدین قسطنطنیہ اعمال صالحہ کی وجہ سے مغفرت کے اہل رہے ہوں۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی بعد جہاد مرتد ہوگیا۔ تو کسی کے نزدیک بھی وہ اس بشارت کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ اب اسی طرح اگرچہ یزید بھی مجاہدین میں شریک ہونے کی وجہ سے عموم حدیث مغفور لھم میں داخل سمجھا جائے گا۔ لیکن حدیث مغفور لھم کے مشروط ساتھ شرط اہلیت مغفرت کے ہونے کی وجہ سے یزید اس بشارت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ اس لئے وہ اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے شرط مغفرت کا پورا کرنے والا نہ رہا تو اذا فات الشرط فات المشروط کے مطابق مغفرت کا اہل بھی نہیں رہے گا۔ جیسے کہ حجۃ الاسلام رأس المحققین عمدۃ المفسرین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے یہی جواب باصواب دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

غایت مافی الباب لسبب خرابہائے پنہانی کہ داشت
ہمچو منافقاں کہ دربیعت رضوان شریک بودند
بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اونشد،
یزید ہم ازیں بشارت محروم ماند

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہوگئے۔ یزید بھی اپنی اندورونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہوگیا۔

(از مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مولانا حسینؒ صاحب مدنی جلد اول صفحہ ۲۵۲)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیعت رضوان میں منافقین شامل تھے۔ جیسے آیت کریمہ کی عمومیت سے ظاہر ہے:

"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" (پارہ ۲۶ رکوع ۹)

تحقیق جو لوگ بیعت کرتے تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے، اوپر ان کے ہاتھ کے۔

اس آیت کریمہ سے تمام مبایعین کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ

نے منافقین کو اس فضیلت سے محروم ظاہر کرنے کے واسطے دوسری آیت میں قید لگا کر ان کو خارج کر دیا۔

''لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرہ''

''تحقیق اللہ خوش ہوا۔ ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے، تجھ سے اس درخت کے نیچے۔''

مؤمنین کی قید سے غیر مؤمنین یعنی منافقین بیعت رضوان کی فضیلت سے محروم ہو گئے۔ اگرچہ نفس بیعت میں شامل تھے۔ ایسا ہی یزید بھی حضور کے فرمان ''مغفور لھم'' میں ''لسبب'' جہاد کے داخل سمجھا جائے گا۔ جیسا منافقین نفاق کی وجہ سے بیعت رضوان کی فضیلت سے محروم رہے یزید بھی اپنے پوشیدہ فسق و فجور کی وجہ سے ''مغفور لھم'' کی بشارت سے محروم رہے گا۔

یزید اور ایک عباسی عالم

حضرت مولانا نانوتوی کا مذکورہ بالا جواب سن کر ایک عباسی عالم جو حمایت یزید میں سب سے پیش پیش ہیں۔ یوں رقمطراز ہیں۔

رہے بیعت الرضوان والے سوان میں منافق داخل ہی نہیں۔ کیونکہ آیت میں مومنوں کی قید ہے۔ لہٰذا قیاس قابل قبول نہیں اور تاویل باطل ہے۔ ان کی جرأت کا یہ عالم کہ یزید کے بارے میں تمام عالم اسلامی کے بالکل خلاف نظریہ کہ یزید کی برأت فرض ہے۔ پیش فرما کر جو اپنی بے راہ روی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

لیکن علمی قابلیت کا یہ حال کہ حضرت صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ منافق بیعت رضوان میں داخل ہیں کہ نہیں، ہم دوسری آیت جس میں مؤمنین کی قید نہیں کو پیش نہیں کرتے۔ بلکہ اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر واقعی منافق داخل ہی نہیں تھے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی قید پھر کیوں اور کس لئے لگائی۔ ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مومنین کی قید اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے۔ جب نفس بیعت میں غیر مومنین بھی داخل ہوں۔ درحقیقت علماء امت کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان کو صحیح چیز بھی غلط نظر آتی ہے۔

وائے ناکامی متاع کا رواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اگر واقعی یزید حدیث "مغفور لھم" سے خارج نہیں ہوا۔ تو پھر دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی صحابی نے جو امام حسینؓ کو یزید کے خلاف خروج سے روک رہے تھے۔ یزید کی فضیلت وعنداللہ اس کی مقبولیت کے اثبات میں حدیث "مغفور لھم" کو استدلالاً پیش کیا یا کہ نہیں ۔اگر پیش کیا۔ تو ثبوت کی ضرورت ہے اگر پیش نہیں کیا، اور یقیناً نہیں، تو کیا صحابہ کرام کا اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر استدلال نہ کرنا اس بات کا بین ثبوت نہیں، کہ ان حضرات کے نزدیک بھی یزید اس بشارت کا مستحق نہیں تھا، اور نہ ہی وہ حضرات یزید کو ایسا سمجھتے تھے۔ جیسے کہ عباسی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں۔ بلکہ یزید کا فسق وفجور تو ان حضرات کے نزدیک مسلم تھا، اگر بخاری شریف میں حضور کا مجاہدین قسطنطنیہ کے واسطے ارشاد" مغفور لھم" موجود ہے۔ تو وہاں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے:

"قال ابو ھریرۃ سمعت الصادق المصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلکۃ امتی علی ایدی غلیمۃ من قریش" (بخاری شریف کتاب الفتن ص ۲/۴۶)

فرمایا ابوہریرہؓ نے سنا میں نے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔

اس حدیث سے اتنا واضح ہے، کہ امت کی تباہی کا ذریعہ چند قریشی لڑکے بنیں گے۔ وہ چند قریشی لڑکے کون ہیں۔ جو اس منحوس کام کو سرانجام دینگے، اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ ہی سے روایات ملاحظہ کیجئے:

"قال ابن بطال جاء المراد بالھلاک مبینا فی حدیث آخر لابی ھریرہ اخرجہ علی معبد وابن ابی شیبۃ من وجہ آخر عن ابی ھریرۃ رفعہ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان قالوا وما امارۃ البصیان قال ان اطعتموھم ھلکتم ای فی دینکم وان عصیتموھم اھلوکم ای فی دیناکم بازھاق النفس او بازھاق المال او بھماء"

(فتح الباری صفحہ ۱۳/۷)

ابن بطال کہتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ میں ، ہلاکت امت کی مراد ابوہریرہ ہی کی دوسری حدیث سے کھل جاتی ہے۔ جس کو ایک اور سند سے علی بن سعید اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ سے امارۃ صبیان (لڑکوں کی حکومت) سے پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، لڑکوں کی حکومت کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے، تو ہلاک ہو گے، یعنی دین کے بارہ میں اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے، تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے، یعنی تمہاری دنیا کے بارہ میں جان لیکر یا مال چھین کر یا دونوں لے کر۔

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ارشاد کی مراد پورے طور پر واضح ہوگئی، کہ امت کی ہلاکت کے معنیٰ درحقیقت امت کی اجتماعیت یعنی امارت دینی اور خلافت اسلامیہ ہی کی تباہی کے ہیں، جس کی صورت یہ ہوگی کہ نوخیز ناتجربہ کار دین کے کچے لڑکے برسراقتدار آجائیں گے۔ جن کی اطاعت سے دینی سرمایہ ختم ہو جائے گا۔ اور ان کی مخالفت سے دنیا ضائع ہو جائے گی۔ تو اس حدیث سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے کہ قدرت جہاد کے ہونے پر ان کے اقتدار کو چیلنج دینا ضروری و لازمی ہے۔ اس کے بعد ان لڑکوں کا جو امت کی ہلاکت کا سبب ہوئے خاندانی تعلق کہ وہ کس خاندان سے ہوں گے۔ اور ان کی جائے رہائش بخاری شریف کی ہی روایت سے ملاحظہ کیجئے۔

یحییٰ بن سعید بن عمر بن سعید نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے دادا سعید بن عمر بن سعید نے فرمایا:

"کنت جالستامع ابی هریره فی مسجد النبی صلی اللہ علیه وسلم ومروان معنا قال ابوهریرة سمعت الصادق المصدوق صلی اللہ علیه وسلم یقول هلکة امتی ایدی غلمة من قریش فقال مروان لعنة اللہ علیهم غلمة فقال ابوهریرة لوشئت ان اقول بنی فلان بن فلان لفعلت فکنت اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا الشام فاذا راهم غلمانا احدثا قال لنا عسی هؤلاء ان یکونو منهم قلنا انت اعلم" (بخاری شریف کتاب الفتن)

میں حضرت ابوہریرہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ

مروان (مدینہ کا گورنر) بھی تھا، ابو ہریرہ نے فرمایا: کہ میں نے صادق و مصدوق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند نو عمر لونڈوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔ مروان نے کہا ان لونڈوں پر خدا کی لعنت، ابو ہریرہ نے کہا، اگر میں کہنا چاہوں کہ وہ فلاں بیٹا فلاں شخص کا، تو کہہ سکتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں بنو مروان ملک شام کے حکمران ہوئے ہیں میں اپنے دادا بنو مروان کے نوجوان لڑکوں کو دیکھتے، تو ہم سے کہتے کہ یہ انہی میں سے ہیں (جن کے ہاتھ سے حضور نے امت کی تباہی کی خبر دی ہے) ہم کہتے آپ بہتر جانتے ہیں۔

یہ حدیث بخاری شریف کے علاوہ متعدد کتب میں موجود ہے۔

اس حدیث نے ان لڑکوں کے دادا اور ان کی جائے حکومت کی وضاحت کردی۔ اور ملک شام پر حکمران ہونے کے وقت ان کا موجود ہونا آخر کس چیز کا ثبوت ہے۔ کہ وہ کون ہے لیکن پھر بھی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ حضرت ابو ہریرہ ہی کی دعا ملاحظہ فرمائے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت دیکھئے:

"وفی روایۃ ابن ابی شیبۃ ویقول اللّٰھم لاتدرکنی سنۃ ستین ولا امارۃ الصبیان" (فتح الباری ص ۱۳/۷)

اور ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے۔ کہ ابو ہریرہ کہتے تھے۔ کہ اے اللہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھ پر نہ گزرے اور نہ امارۃ صبیان مجھے پائے۔

یہ ۶۰ھ کے زمانہ صبیان ہونے کی خبر اس روایت میں تو ابو ہریرہؓ کا قول ہے۔ لیکن اس کے قیاسی چیز نہ ہونے کی بنا پر حکماً مرفوع حدیث پر محمول کیا جائے گا۔ اس حدیث سے یہ وضاحت ہوگئی۔ کہ امارۃ صبیان ۶۰ھ سے شروع ہوگی۔ اب یہ کہ ۶۰ھ میں کون لوگ برسر اقتدار آئے۔ حافظ ابن حجرؒ کی ذیل کی عبارت پڑھیئے جو حضرت ابو ہریرہ کی روایتوں کی مراد بتلا کر ان کا مصداق متعین فرما رہے ہیں:

"وفی ھذا شارۃ الی ان اول الا غیلمۃ کان فی سنۃ ستین یزید وھو کذلک فان یزید بن معاویۃ استخلف فیھا وبقی الی سنۃ اربع وستین فمات" (فتح الباری ص ۱۳/۷)

اور اس میں اشارہ اس طرف ہے۔ کہ ان نوخیز لڑکا ۶۰ھ میں یزید تھا۔ اور وہ ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی ہے، کیونکہ یزید بن معاویہ ہی اس سن میں برسر اقتدار آیا۔ اور وہ ۶۲ھ تک باقی رہا۔ پھر فوت ہو گیا۔

اس قدر وضاحت کے بعد کہ امت کو تباہ کرنے والا حضور کے فرمان سے ثابت ہونے پر کہ وہ یزید ہے۔ پھر بھی یزید کو "مغفور لھم" میں داخل رہنے کا دعویٰ کرنا "نؤمن ببعض ونکفر ببعض" کا مصداق ہونے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یزید جہاد کی وجہ سے "مغفور لھم" میں داخل تھا۔ تو کیا مذکورہ بالا احادیث سے خارج نہیں ہوا۔ یقیناً ہوا۔

اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی تعصب کی عینک اپنی آنکھوں سے دور نہ کرے، بلکہ انکار ہی کرتا رہے۔ تو اس کی تسلی کے لئے ایک جواب پیش کیا جاتا ہے۔

یزید کی خصوصیت کیسے؟

اگر محدثین کا جواب "مغفور لھم" سے اخراج یزید کے بارے میں کافی نہیں۔ تو پھر ہم کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام عالم انسانی کی مغفرت تسلیم کرنی ضروری و لازمی ہوگی۔ پھر یزید کی خصوصیت کیسے اس لئے کہ بعض ایسی احادیث موجود ہیں۔ جس میں تمام افراد انسانی کی مغفرت کی بشارت موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللہ تنا دوا ھلموا الی حاجتکم قال فیحفو نھم با جنحتھم الی السماء الدنیا الی ان قال قال فیقول فاشھد کم انی غفرت لھم قال یقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجۃ قال ھم الجلساء لاتشقی جلیسھم"

اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ آنحضرت نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اکناف دنیا میں اہل ذکر کی تلاش میں مصروف رہتے ہیں اور جب کسی گروہ کو ذکر الٰہی میں مشغول پاتے ہیں۔ ایک

دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ، اپنے مقصد کی طرف فرمایا، کہ ڈھانپ لیتے ہیں، فرشتے اپنے پروں سے اہل مجلس کو آسمان دنیا تک (حدیث کا آخری حصہ یوں مروی ہے) فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے ان تمام اہل مجلس کی مغفرت کردی۔

حضور نے فرمایا: کہ ان فرشتوں سے ایک فرشتہ دربار ایزدی میں عرض کرے گا۔ یا اللہ ان میں فلاں شخص ایسا ہے جو ان سے نہیں (وہ اس غرض کے لئے نہیں آیا) بلکہ وہ تو کسی واسطے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ کہ وہ ایسی مبارک مجلس والے ہیں۔ کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی مغفرت کی فضیلت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اور مسلم شریف میں بھی بطلیر الفاظ موجود ہے۔

اب ناظرین کرام الفاظ حدیث پر غور فرمادیں۔ کہ اس میں کس قدر تعمیم ہے۔ اور پھر یہ اندازہ لگائیں۔ کہ خطہ ارضی پر کس قدر ایسے مواضع اور مواقع پیش آتے ہیں۔ کہ عالم انسانی کا کوئی فرد ہی شاید ایسا ہوگا۔ جس کو مجالس خیر میں کبھی بھی شرکت کا موقعہ نہ ملا ہو۔ ورنہ ہر فرد انسانی کبھی کبھار ضرور خواہ کسی ادارہ سے ہو۔ ایسی مجلس کی شرکت نہ ملا ہو۔ ورنہ ہر فرد انسانی کبھی کبھار ضرور خواہ کسی ادارہ سے ہو۔ ایسی مجلس کی شرکت سے نہیں رہ سکا۔ تو اب بمطابق ارشاد ربانی:

"فاشهدكم انى غفرت لهم وهم الجلساء لايشقى جليسهم"

تمام شرکاء مجلس وعظ ذکر خواہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں۔ فلاں "ليس منهم" کے پیش نظر ان کی مغفرت ہوچکی ہے۔ اگر یزید "مغفور لهم" میں داخل ہے۔ تو پھر یہاں "فاشهدكم انى غفرت لهم" میں عالم انسانی کا ہر فرد داخل ہے۔ پھر مجاہدین قسطنطنیہ کی شان امتیازی کیسے برقرار رہے گی۔ اور نہ ہی اعمال خیر کی ضرورت ثابت کی جاسکتی ہے۔ بلکہ مجالس خیر میں شرکت ہی مغفرت کے واسطے کافی ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ لہٰذا جو معنی محدثین نے بیان فرمائے ہیں۔ ان کو تسلیم کیئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

خلاصہ کلام کہ یزید حدیث مغفور لھم سے خارج ہی نہیں۔ بلکہ اس کا فسق وفجور اور اس کے ہاتھ سے امت کی تباہی ارشادات نبوت سے ہو رہی ہے۔

یزید کے امیر صحابہ ہونے کی حقیقت

قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں اکابر صحابہ شریک ہوئے۔ کیا وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا۔ جب کہ یزید اس کا اہل نہیں تھا۔ کہ وہ اکابر صحابہ کرام کا امیر بنایا جائے۔ اس سلسلہ میں عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

''واذکر ان یزید بن معاویة غزا بلاد الروم حتی بلغ قسطنطنیة ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر وابن عباس و ابن الزبیر وابو ایوب الانصاری کانت وفات ابی ایوب هنالک قریبامن سور القسنطنیه وقبره هناک تستقی به الروم اذاقحطوا وقال صاحب المرآة والا صح ان یزید ابن المعاویة غزا القسطنطنیة فی سنة اثنین و خمسین ۵۲ سنة وقیل سیّد معاویه جیشا مع سفیان ابن عون الی القسطنطنیة فاوغلوا فی بلاد الروم وکان فی ذالک الجیش ابن عباس وابن عمرو ابن الزبیر وابو ایوب الانصاری وتوفی ابو ایوب فی مدة الحصار قلت الاظهر ان هؤلاء السادات من الصحابة کانوا مع سفیان هذاولم یکونوا مع یزید بن معاویة لانه لم یکن اهلاً ان یکون هولاءِ السادات فی خدمته وقال المهلب فی هذاالحدیث منقبة المعاویة''

اور ذکر کیا گیا ہے کہ یزید ابن معاویہؓ نے بلاد روم میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچا۔ اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی۔ جس میں سے ابن عمر ابن الزبیر اور ابوایوب انصاری بھی تھے۔ جن کی وفات قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ہوئی اور وہیں ان کی قبر بنائی گئی۔ جس سے قحط کے وقت لوگ توسل کر کے دعائیں مانگتے ہیں اور صاحب مرآۃ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ ھ میں کیا اور کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔ جنہوں نے بشدۃ تمام روم کے علاقوں پر حملہ کیا اس لشکر میں ابن عباس ابن عمر ابن الزبیر اور ابوایوب اسی زمانہ

حصار قسطنطنیہ میں وہیں وفات پا گئے میں کہتا ہوں (صاحب المرأۃ) کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ یہ اکابر صحابہ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے، یزید کے ساتھ نہ تھے۔ کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے اکابر اس کی خدمت میں ماتحت کی حیثیت سے رہیں۔ مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے دریائی۔

"لانه اول من غزا البحر منقبة لولده يزيد لانه اوّل من غزا مدينة قيصر انتهى قلت اى منقبة كانت ليزيد و حاله مشهور فان قلت قال صلى الله عليه وسلم فى حق هذا الجيش مغفور لهم قلت لا يلزم من دخوله فى ذالك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختا هل العلم ان قوله صلى الله عليه وسلم مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالك لم يدخل فى ذالك العموم فدل على ان المراد و مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيهم" (عمدۃ القاری صفحہ ۶۴۹ جلد ۲)

جنگ لڑی اور ان کے بیٹے یزید کی منقبت بھی نکلتی ہے۔ کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قیصر کے اس شہر قسطنطنیہ پر دھاوا کیا۔ (صاحب مرأۃ) یزید کی وہ کون سی منقبت تھی جو قابل ذکر ہوتی جبکہ اس کا حال فسق و فجور مشہور ہے۔ اگر تم یہ کہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں مغفور لھم فرمایا ہے۔ تو میں یہ کہوں گا کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ کسی دوسری دلیل سے اس سے خارج نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس میں علماء کا کوئی اختلاف ہی نہیں کہ حضور کے قول مغفور لھم میں وہی داخل ہیں۔ جو مغفرت کے اہل ہیں حتی کہ اگر ان غزوہ کنندوں میں سے بعد میں کوئی شخص مرتد ہو جاتا۔ تو یقیناً اس بشارت کے عموم میں داخل نہ رہتا۔ تو اس سے صاف واضح ہے کہ مراد حضور کی یہ ہے۔ کہ مجاہدین روم کی مغفرت کی گئی۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان میں مغفرت کی شرط پائی جائے۔

اس عبارت میں علامہ عینی نے یزید کی مدح سرائی کی حقیقت کھول دی اور فرمایا کہ یزید کی منقبت ہی کیا اور اس کے فضائل ہی کون سے تھے۔ جن پر اس کی

مدح سرائی کی جائے۔ جب کہ اس کے فسق و فجور کا حال سب کو معلوم اور مشہور ہے۔ اور دوسرے سادات صحابہ کرام جس غزوہ میں شریک ہوئے۔ وہ سفیان بن عوف کی قیادت میں ہوا۔ نہ کہ یزید کی سرکردگی میں اور یہ کہ حدیث نبوی میں جو وعدہ مغفرت وارد ہے۔ اس کے عموم میں وہی داخل مانے جائیں گے۔ جو اس بشارت کی اہلیت کے مصداق تھے۔ یزید نہ اس کا اہل ثابت ہوا۔ اور نہ عموم میں داخل رہا۔ خلاصہ یہ کہ علامہ عینی کے کلام سے یہ واضح ہو گیا۔ کہ اس زیر بحث غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی امارت و قیادت کا دعویٰ یقینی طور پر ثابت شدہ نہیں بلکہ علامہ عینی کے نزدیک اقوال میں اصح قول یہی ہے کہ یزید کی شرکت تو اس غزوہ میں ہوئی مگر قیادت نہیں ہوئی۔

ستم ظریفی کی انتہاء

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان کی نیت سے ان کے اعلیٰ ترین مقام صحابیت سے نیچے لانے کی غرض سے ان کی عمر وفات نبوی کے وقت پانچ برس کی دکھلا کر عباسی صاحب لکھتے ہیں۔

اتنی چھوٹی عمر سن تمیز کی عمر نہیں ہوتی۔ بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جوان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے۔ زمرہ صحابہ کی بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۴۶)

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ ترین کمالات و مقامات درحقیقت آثار و لوازم صحابیت تھے۔ یہاں ان کو ختم کرنے کے واسطے ایک متفق علیہ شئ کو مختلف فیہ ظاہر کر کے ان کے اعلیٰ ترین مقام سے نیچے لانے کی کوشش کرنا اور ادھر عمر بن سعد کو صغار صحابہ سے ثابت کرنے کے واسطے صحیحین کی ایک صحیح و ثابت شدہ حدیث کو ایک ضعیف قول کی بناء پر مسترد کرنا ستم بالائے ستم نہیں تو اور کیا ہے۔ عمر بن سعد کے بارے میں عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے۔ تو یہ بین دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعد نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات

کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۱۷)

اور اس سے پہلے عمر بن سعد کے عہد نبوی میں تولد ہونے پر جو بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ابن سعد کے عہد نبوی میں تولد ہونے کے متعلق ابن فتحون وابن عساکر کے اقوال کو حافظ ابن حجر نے صحیح وثابت شدہ حدیث کے پیش نظر رد کیا ہے۔ لیکن عباسی صاحب نے صحابہ کی عبارت کا اثباتی حصہ نقل کر دیا۔ اور جس حصہ میں حافظ ابن حجر نے ضعیف وشاذ اقوال کی تردید فرمائی ہے۔ اس کو ہضم کر کے صحیح حدیث کی تردید کے درپے ہو گئے۔ حضرت امام حسین ؓ کے مقام صحابیت کو مشکوک کرنے کے واسطے ضعیف وشاذ اقوال کا سہارا لے کر صحیح ثابت شدہ حدیث کی تردید کے درپے ہونا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔

تاریخی حوالہ جات کی حقیقت

عباسی صاحب نے کردار یزید کو بے غبار ثابت کرنے کے واسطے تاریخی عبارات میں قطع وبرید کو کے امت مسلمہ کو جو فریب دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ ملاحظہ فرمایئے فضل یزید کے تحت تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر العربی" تھے۔ جن کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''کان من صلحاء حنابلہ وکان یزار'' یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجع عوام تھے۔ انہوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی ''ولہ مصنف فی فضل یزید بن معاویہ'' اور ان کے شیخ عبدالمغیث کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر اتی فیہ بالغرائب والعجائب البدایہ وانہایہ ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔

(خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۵۵، ۵۶)

اب البدیہ والنہایہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

''الشیخ عبدالمغیث بن زھیر الحربی کان من صلحاء الحنابلۃ وکان یزار ولہ' مصنف فی فضل یزید بن معاویۃ اتی فیہ بالغرائب والعجائب وقد رد علیہ ابو الفرج بن الجوزی فاجاد واصاب'' (البدیہ والنہایہ صفحہ ۳۳۸ جلد ۱۲)

شیخ عبدالمغیث بن زہیر حربی صلحاء وحنابلہ میں سے تھے، لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے اور ان کی (شیخ عبدالمغیث کی) یزید بن معاویہ کی خوبیوں کے بارے میں ایک تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے عجیب وغریب قسم کی باتیں کی ہیں۔ اس تصنیف کا رد علامہ ابوالفرج بن الجوزی نے کیا ہے۔ پس انہوں نے اچھا اور صحیح رد کیا ہے۔

یہ تھی اصل حقیقت جو علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کی ہے۔ لیکن عباسی صاحب نے جو تصرف وتلبیس کے جوہر دکھائے ہیں۔ وہ ملاحظہ فرمایئے "ولا اتی فیہ بالغرائب والعجائب" کا ترجمہ دیکھئے فرماتے ہیں۔ کہ بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔ جس سے لوگوں کے ذہن اس طرف منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سن کر تعجب ہوتا ہے۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر غرائب وعجائب کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ تصنیف ایسے غیر مستند واقعات پر مشتمل ہے۔ کہ جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ کہ شیخ عبدالمغیث نے جو کتاب یزید کی فضیلت میں لکھی ہے۔ اس میں غیر مستند باتیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے لکھی ہیں، اب غور فرمایئے کہ علامہ ابن کثیر اس کتاب کی مدح کر رہے ہیں۔ یا اس کا غیر معتبر ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے فاضل مصنف نے "اتی فیہ بالغرائب والعجائب" کے متصل جو عبارت اسی کتاب کے متعلق تھی۔ اس سے دانستہ چھوڑ دیا تاکہ علامہ ابن کثیر کی رائے سے لوگوں کو بے خبر رکھا جاسکے۔ اور اس عبارت میں شیخ عبدالمغیث کی کتاب کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو عبارت مکمل درج کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابوالفرج ابن جوزی نے شیخ عبدالمغیث کی اس کتاب کا جو انہوں نے یزید کی فضیلت میں لکھی ہے بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔ جیسا کہ "فاجاد واصاب" سے ظاہر ہے۔

اب غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ اس سے یزید کی منقبت

ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص، عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا بہتان باندھا ہے۔ حافظ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی کتاب جس کا نام ہے: ''المراد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید'' میں فرماتے ہیں:

''وقد اجاز العلماء الورعون لعنه'' اور پرہیز گار علماء نے اس پر (یزید پر) لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔ پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے جس کو علامہ ابن حجرؒ نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے:

''سئالنی سائل عن یزید بن معاویة فقلت له یکفیه مابه فقال یجوز لعنه فقلت قد اجازه العلماء الورعون منهم احمد بن حنبل رحمہ اللہ فانه ذکر فی حق یزید علیه اللعنة ثم روی ابن الجوزی عن القاضی ابی یعلی القراانه روی فی کتابه المعتمد فی الاموال باسناده الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قوماً ینسبو ننا الی تولی یزید فقال یابنی وهل یتولی یزید احد یومن بالله ولم یلعن من لعنه الله فی کتابه فقلت واین لعن الله یزید فی کتابه فقال قوله تعالیٰ''

سوال کیا مجھ سے کسی نے یزید بن معاویہ کے بارے میں کہا میں نے کافی ہے اس کو جو اس کے ساتھ ہے پس کہا۔ اس نے کہ جائز ہے۔ لعنت اس پر (یعنی یزید پر) پس کہا میں نے تحقیق پرہیز گار علماء نے اس پر (یزید پر) لعنت کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں پس انہوں نے ذکر کیا یزید کے حق میں لعنت اس پر پھر روایت کی ابن الجوزی نے قاضی ابویعلیٰ القراء سے کہ انہوں نے روایت کی اپنی کتاب المعتمد فی الاموال میں ساتھ اسناد کے صالح بن احمد بن حنبل تک کہا عرض کیا میں نے اپنے والد سے (یعنی احمد حنبل) سے کہ ایک قوم منسوب کرتی ہے ہم کو جب یزید کی طرف۔

''ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعُوا ارحامکم اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمیٰ ابصارهم فهل یکون فساد اعظم من هذا القتل''

(صواعق صوقہ صفحہ ۱۳۲)

فرمایا انہوں نے اے میرے بیٹے کیا دوستی رکھے گا یزید سے اللہ تعالیٰ پر

ایمان لانے والا اور کیوں لعنت نہیں کرے گا اس شخص پر جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہو، میں نے کہا کہاں لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے یزید پر اپنی کتاب میں پس فرمایا احمد بن حنبلؒ نے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو اپنی قرابتیں۔ ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے پھر کر دیا ان کو بہرہ اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں۔ پس کیا ہوگا بڑا فساد اس قتل و غارت سے

اس سے واقع حرّہ مراد ہے کہ یزیدی فوج نے کس طرح اہل مدینہ کے خون سے اپنے ہاتھوں کی رنگین کیا۔ اس کی تفصیل کتاب میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا نظریہ یزید کے بارے میں مذکور ہو چکا ہے کہ وہ اس پر لعنت کے قائل ہیں اور شیخ عبدالمغیث اور علامہ ابن الجوزی دونو حنبلی ہیں۔ اب ناظرین کرام اندازہ لگائیں کہ جب حضرت امام احمد بن حنبلؒ یزید پر لعنت کے قائل ہیں ان کے مقابلہ میں شیخ عبدالمغیث جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہی کے مقلد ہیں کے نظریہ کی کیا پوزیشن ہے؟ خصوصاً اس وقت جبکہ حافظِ حدیث محدث ابن الجوزی حنبلی جیسے حضرات نے اس کی تردید کی ہو۔

یہاں سے محمود احمد صاحب عباسی کے اس حوالہ کی تغلیط بھی ہوگئی جو انہوں نے کتاب العواصم سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قاضی ابی بکر بن عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی کتاب (العواصم ص ۲۳۲) میں بیان کرتے ہیں۔ کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزید کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہؓ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں آگے ان کی عبارت نقل کی ہے۔

دوسرے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد سے حوالہ پیش کرنا ہی صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں ردوبدل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ خود ہی تحریر کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے۔ وہ اصل نسخہ سے حجم میں بہت کم ہے۔ امام موصوف کی مسند بہت کبیر الحجم ہے۔ (خلافت معاویہ صفحہ ۳۰۳)

تو قاضی ابی بکر ابن عربی کا استدلال ہوسکتا ہے۔ کہ اسی نسخہ سے ہو جسمیں ردوبدل ہو چکا ہے۔ دوسرے جب ان کے نظریہ کی یزید کے بارے میں تصریح موجود ہے۔ پھر غیر مصرح عبارت سے ہرگز استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

یزید کے ثقہ راوی ہونے کی حقیقت

اولاً عباسی صاحب نے جو عبارت یزید کو ثقہ روای ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہے۔ اسے ملاحظہ فرمایئے! اس کے بعد اصل عبارت جس سے یزیدی دور اقتدار کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی" نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ حدیث کرتے ہوئے محدث یحیٰی بن عبدالملک بن عقبہ کوفی متوفی ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کرتے تھے، مراسیل ابی داؤد میں ان کی مرویات ہیں۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۴۵)

تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ نقل کر کے جناب محمود احمد صاحب عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا ہے۔ ذیل میں تہذیب التہذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے۔ جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے:

"یزید بن معاویة بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیة بن عبدشمس ابو خالد ولد فی خلافة عثمان وعهدالیه ابوه بالخلافة فبویع منه ستین وابی البیعة عبدالله بن الزبیر ولاذبمکة والحسین بن علی ونهض الی الکوفة وارسل ابن عمه مسلم بن عقیل بن ابی طالب لیبایع له بها۔ فقتله عبیدالله بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسین فقتل کما تقدم فی ترجمته سنة احدی وستین ثم خرج اهل المدینة علی یزید وخلعوه فی سنة ثلاث وستین فارسل الیهم مسلم بن عقبة المری وامره ان یبیح المدینة ثلاثة ایام وان یبایعهم علی انهم خول وعبید لیزید۔ فاذافرغ منها نهض الی مکة لحرب ابن الزبیر ففعل بها مسلم الافاعیل /بقبیحة وقتل بها خلقا من الصحابة وابناءهم وخیار التابعین وافحش القضیة الی الغایة۔

ثم توجه الی مکة فاخذه الله تعالٰی قبل وصوله واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر ونصبوا علی الکعبة المنجنیق فادی ذالک اِلی وهی ارکانها ودی نبائها ثم احرقت وفی اثناء افعالهم القبیحة فجأهم الخبر بهلاک یزید بن معاویة رضی اللہ عنہ فرجعوا وکفی الله المومنین القِتَال وکان هلاکته فی نصف ربیع الاول سنة اربع وستین ولم یکمل الاربعین واخباره مستونات فی تاریخ دمشق لابن عساکر ولَیست له روایة تعتمد وقال یحیی بن عبدالملک بن ابی غنیة احد الثقات حدثنا نوفل بن ابی عقرب ثقة قال کنت عند عمر بن عبدالعزیز نذکر رجل یزید بن معاویة فقال قال امیر المومنین یزید فقال عمر تقول امیر المومنین یزید وامر به فضرب عشرین سوطاً ذکرته للتمییز بینه وبین النخعی ثم وجدتُ له روایة فی مراسیل اِبی داؤد وقد نبهت علیها فی الاستدراک علی الاطواف"

(تہذیب التہذیب للحافظ بن حجر عسقلانی صفحہ ۳۶۰، ۳۶۱، جلد ۱۱)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس یزید کی کنیت ابو خالد ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خلافت کا ولی عہد بنایا ۶۰ ھ میں یزید کی بیعت کی گئی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکے میں پناگزین ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل ابن ابی طالب کو پہلے ہی کوفہ روانہ کردیا تاکہ کوفہ میں لوگوں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لیں۔ ان کو عبیداللہ بن زیاد نے قتل کردیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف فوجیں روانہ کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۶۱ ھ ہجری میں شہید کردئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جاچکا ہے۔

پھر ۶۳ ھ اہل مدینہ نے یزید پر خروج کی اور اس کی بیعت کو توڑ دیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ المری کی سرکردگی میں اہل مدینہ پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ کو لشکری لوگ ہر طرح مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہل مدینہ یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے لئے بیعت لیں اور جب اس سے فارغ ہوجائیں تو ابن الزبیر رضی اللہ عنہ

سے جنگ کرنے کے لئے مکہ روانہ ہو۔ چنانچہ حسب الحکم مسلم بن عقبہ المری نے مدینہ میں افعال قبیحہ کئے اور صحابہ اور ان کی اولاد اور خیار تابعین کی ایک بڑی جماعت کو تہ تیغ کرڈالا اور اور اسی واقعہ کو انتہائی برائی تک پہنچایا۔ (چنانچہ قتل وغارت گری) اور عصمت دری وغیرہ سب کچھ مدینہ منورہ میں ہوا، تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی۔

تنہاء سعید بن مسیب مسجد نبوی میں دیوانہ بن کر پڑے رہے ان ایام میں مزار مبارک سے آذان اور تکبیر کی آواز آتی تھی۔ اور اسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے، اور نہ مسجد نبوی میں کوئی اذان دینے والا تھا اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا (مسند دارمی) پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مگر پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر ہلاک ہوگیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنایا گیا اس لشکر نے مکہ میں ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ پر پتھر برسانے کے لئے منجنیق (بڑے قسم کے گوپئے جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کردی اور خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہوگئی پھر خانہ کعبہ جلادیا گیا۔ انہی کرتوتوں کے دوران اچانک یزید بن معاویہؓ کے ہلاک ہوجانے کی اطلاع پہنچی، خبر سنتے ہی لشکر واپس ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مومنین کو قتال سے بچالیا۔

یزید کی ہلاکت ۶۴ھ میں ماہ ربیع الاول کے نصف میں ہوئی وہ عمر کے چالیس سال بھی مکمل نہ کرسکا۔ ابن عساکر کی کتاب تاریخ دمشق میں اس کے پورے واقعات مذکور ہیں: یزید کی کوئی روایتِ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔ یحیٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔ بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں کہ میں امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امیر المومنین یزید نے یہ کہا ہے اور اس شخص کے لئے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بیس کوڑے مارے گئے (حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس (یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہاں کیا ہے۔ ورنہ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کئے جانے کے قابل

نہیں ہے۔ مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی ہے۔ اور میں نے اطراف پر استدراک میں اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجئے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی نے پیش فرمائی ہے۔ وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے مگر دیکھئے کس طرح قطع و برید کر کے یزید کو ثقہ روایوں میں شمار کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ دونوں عبارتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل غلطیاں منظر عام پہ آجاتی ہیں۔

اغلاط عباسی

الف: تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کی تصنیف ہے جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو صحاح ستہ کے راوی ہیں لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے۔ وہاں اشتباہ دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کا ذکر بھی دیتے ہیں اگرچہ وہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہ بھی ہو۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا ذکر اس لئے نہیں کہ یزید صحاح ستہ راویوں میں سے ہے بلکہ خود حافظ ابن حجر اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ یزید کا ذکر انہوں نے تہذیب التہذیب میں کیوں کیا؟ ''ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النحعی'' یعنی میں نے یزید ابن معاویہ اموی کا ذکر اپنی کتاب میں یزید بن معاویہ نخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ہے۔ غور فرمایئے کہ جناب محمود احمد صاحب عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا؟ اور تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آجانے کی وجہ سے اسے رواتِ احادیث میں شمار کر کے لوگوں کو فریب میں مبتلا کیا ہے یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ و دانستہ ایسا کیا گیا ہے۔

ب: جناب محمود احمد صاحب عباسی نے اسی حوالہ میں محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ کوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی ؒ نے یہ قول تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔ یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے۔

یحییٰ بن عبدالملک ابن عتبہ الکوفی کا نام سرے سے تہذیب التہذیب میں ہے ہی نہیں۔ البتہ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابوذکریا الکوفی کا ذکر بے شک

تہذیب التہذیب میں ہے۔ عذر کیا جاسکتا ہے کہ بے شک کتابت وطباعت کی غلطی ہو۔

ج: جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے یحییٰ ابن عبدالملک ابن عتبہ الکوفی متوفی ۱۸۸ ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ روایانِ حدیث میں شمار کرتے تھے۔ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث یحییٰ ابن عبدالملک ابن ابی غنیہ دونوں پر واضح افتراء ہے کہ انہوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمایئے تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی" نے یحییٰ بن عبدالملک ابن ابی غنیہ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ بن عبدالملک کو احد الثقاۃ (ثقہ راویوں میں سے) ایک کہا ہے۔

اور ان کے شیخ نوفل ابن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہ نہ رہے اور ان کی سند سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہا تھا تو انہوں نے اس کے بیس ۲۰ کوڑے لگوائے حالانکہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز" بھی خاندانِ بنوامیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے۔

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس قرشی الاموی۔: یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب امیہ پر جاکر ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے احد الثقاۃ یحییٰ کی صفت بیان کی تھی۔ مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے ساتھ چسپاں کردیا جسے اہل علم خود عبارت دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔

د: جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مراسیل ابوداؤد میں ان کی (یزید) مرویات ہیں۔ مرویات جمع کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روائتیں ہیں یہ بھی دھوکہ ہے۔

مراسیل ابوداؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے جسے امام ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجر پر افتراء ہے۔

جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

اس میں صاف ذکر ہے کہ مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی مجھے ملی ہے یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے۔ غور فرمائیے کہ عباسی صاحب نے کس طرح دھوکہ دینے کی سعی فرمائی ہے؟

ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف منعطف کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے جس تہذیب التہذیب سے ابن حجر عسقلانی اور یحییٰ ابن عبدالملک ابن ابی غنیۃ کا قول نقل کیا ہے اسی تہذیب التہذیب میں امام ابن حجرؒ نے یزید کے پورے بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح تک نہیں کی بلکہ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے اس کی تنقیص ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کی موت کے لئے لفظ ھلاک استعمال کرنا، ساتھ ہی یہ ذکر کرنا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو مدینہ کی غارت گری کا حکم دیا۔ حضرت حسینؓ پر فوج کشی کرائی مدینہ منورہ کو تین دن تک ہر طرح مباح کر دیا جس کے دوران قتل و غارت گری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، مکہ پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ کی بنیادیں کمزور ہو گئیں اور پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا۔

ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا۔

تہذیب کی عبارت کو اہل علم پھر غور سے پڑھیں۔ نیز حافظ ذہبیؒ نے یزید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے قابل ملاحظہ ہے:

''یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ وعنہ ابنہ خالد وعبدالملک بن مروان مقدوح فی عدالتہ۔ لیس باھل ان یروی عنہ وَ قال احمد بن حنبل لاینبغی ان یروی عنہ'' (میزان الاعتدال صفحہ ۲۷۳، ۳۱۸ جلد ۳)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی اس نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان کی روایت کی ہے اس کا عادل ہونا مجروح ہے۔ یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

۴۔ عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے البدایہ والنہایہ کی حسب ذیل عبارت پیش فرماتے ہیں:

''وکان ابو ایوب انصاری فی جیش یزید بن معاویه والیه اوحی وهو الذی صلی علیه'' (البدایہ والنہایہ صفحہ ۵۷ جلد ۸)

ابوایوب انصاریؓ یزید بن معاویہؓ کے لشکر میں شامل تھے انہوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

(خلافتِ معاویہ ویزید صفحہ ۲۷)

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازے کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی۔

(خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۲۷)

البدایہ النہایہ کی مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے جسے عباسی صاحب نے دیدہ ودانستہ ترک کر دیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

''قال احمد حدثنا اسحق بن عیسیٰ قال حدثنی محمد بن قیس قاضی عمر بن عبدالعزیز عن ابی حرمة عن ابی ایوب الانصاری انه قال حسین حضرته الوفات قد کنت کتمت عنکم شیأ سمعته من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سمعته یقول ان لم تذنبون لخلق اللّٰہ قوما یذنبون۔ فیغفرلهم وعندی ان هذا الحدیث وَ الذی قبله حَمَد یزید بن معاویة علی طرف من الارجاءِ و رکب بسببه افعالاً کثیرةً انکرت علیه کما ستذکره فی ترجمته واللّٰہ اعلم''

(البدایۃ والنہایہ صفحہ ۵۹ جلد ۸)

حضرت امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند سے حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے (حضرت ابوایوب) اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا، جو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گنہگار ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں بخشتا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث "ومن مات لایشرک باللہ شیئاً جعل اللہ فی الجنۃ" (مسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہؓ کو جری کر دیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے (یزید نے) بہت سے افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔

اب بتایئے کہ علامہ ابن کثیرؒ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے؟ یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کیا۔

یزید نے جنازے کی جو نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیر لشکر ہونے کی پڑھائی جو قانون اسلامی ہے۔ اس صورت میں فاضل ومفضول کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے نظائر تاریخ اسلامی میں موجود ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں اپنے غلام حضرت زیدؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت عمرؓ جیسے صحابہ موجود تھے۔

۵۔ عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے البدایہ والنہایہ کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی:

"وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن المراء فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ" (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۳۰ جلد ۸)

ترجمہ: اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات، حلم وکرم فصاحت وشعر گوئی، شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی وعمدگی بھی ان میں تھی۔ (خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۴۹)

اس عبارت کے آگے حسب ذیل عبارت بھی موجود ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عباسی صاحب نے ریسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے اسے چھوڑ دیا ہے۔

"وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشھوات وترک بعض الفضلوۃ فی بعض الاوقات واماتتھا فی غالب الاوقات"

اور نیز اس (یزید) میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض

نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا تھا، اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

غور کیجئے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکا دیا ہے۔ البدایہ والنہایہ کی اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف سے جنہیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے مثلاً حلم، کرم، فصاحت، شعر گوئی، شجاعت، بہادری وغیرہ سے یزید کے متقی و پرہیزگار اور ثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑ سکتی ہے۔ جس کے لئے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ اور ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں اس ریسرچ نے چاک کر دیا۔

۶۔ جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۱۴)

''عمر بن سعد ابن ابی وقاص الزهری ابو حفص المدنی سکن الکوفة روی عن ابیه و ابی سعید الخدری و عنه ابنه ابراهیم و ابن ابنه ابو بکر بن حفص و ابو اسحٰق السبیعی وَالحیراز بن حریث و یزید بن مریم و قتادة والزهری و یزید بن ابی حبیب وغیرهم وقال العجلی کان یروی عن ابیه احادیث و روی عنه الناس و هو تابعی ثقة'' (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ جلد ۷)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ، انہوں نے اپنے والد سے اور ابو سعید خدری سے حدیث کو روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابو بکر بن حفص نے یزید ابو اسحٰق السبیعی سے اور الحیراز بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ والزہری و یزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔ (خلافتِ معاویہ و یزید صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵)

تہذیب التہذیب ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد یہ عبارت ہے جسے عباسی صاحب نے نہایت ہی دیدہ دلیری سے نظر انداز فرما دیا۔

''وھو الذی قتل الحسین''

ترجمہ: یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔

ظاہر عبارت سے واضح ہے کہ یہ قول ''وھو الذی قتل الحسین'' محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا۔ اس سے آگے کی عبارت ہے:

''وذکر ابن ابی حیثمة بسند له ان ابن زیاد بعث عمر بن سعد علی جیش لقتال الحسین وبعث شمر بن ذی الجوشن وقال له اذهب معه فان قتله والا فاقتله وانت علی الناس وقال ابن ابی خیثمه عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقة قال عمر بن علی سمعت یحیی بن سعید یقول ثنا اسمعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد فقال له موسی رجل من بنی ضبیعة یا ابا سعید هذا قاتل الحسین فسکت فقال له عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت وروی ابن خراش عن عمر بن علی نحو ذالک۔ وقال فقال له رجل اما تخاف الله تروی عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود'' (تہذیب التہذیب صفحہ ۴۵۱، جلد ۷)

ترجمہ: ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن سے کہا کہ تم بھی ان کے ساتھ جاؤ اگر یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کریں تو فبہا ورنہ تم ان کو قتل کر دینا۔ اور تم لوگوں پر امیر ہو گے اور ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہو سکتا ہے؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ عمرو بن علی نے کہا میں نے یحییٰ بن سعید کو کہتے سنا کہ ہم سے اسمعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ان سے بنی ضبیعہ قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا اے ابو سعید! یہ تو قاتل حسین ہے پس وہ خاموش ہو گئے۔

پھر اس نے کہا ہم سے قاتل حسین رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہو، پھر بھی وہ

خاموش ہی رہے اور ابن خراش نے بھی عمرو ابن علی سے اس جیسی روایت کی ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ اس شخص نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے عمر بن سعد سے روایت بیان کرتے ہو؟ اس پر وہ رو پڑے اور فرمایا کہ اب میں دوبارہ عمر بن سعد سے روایت نہ کرونگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معین بن سعید القطان ابن ابی خیثمہ اور قبیلہ بنی ضبیعہ کے موسیٰ وغیرہ جو آئمہ رجال حدیث ہیں عمر بن سعد کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے ان کے مقابلے میں تنہا العجلی کے قول کو نقل کر دینا ریسرچ کے پردہ کو چاک کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن معین جیسے امام الجرح والتعدیل کے مقابلہ میں محدث عجلی کا قول کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا۔

عیزار بن حریث وہی شخص ہیں جن کو تہذیب میں عمر بن سعد کے شاگردوں میں ذکر کیا ہے جس کی تصریح خود عباسی صاحب نے کی ہے۔ ان ہی عیزار سے تہذیب کے اسی صفحہ میں محدث موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ قاتل حسینؓ سے ہمارے سامنے راویت بیان کرتے ہو جس پر عیزار بن حریث نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا اور یہی روایت بواسطہ شعبہ عن ابی اسحٰق عن العیزار کی سند سے (میزان الاعتدال ص ۲۵۸ جلد ۲) میں موجود ہے۔

ناظرین کرام! ابتداء بحث میں تہذیب التہذیب کی جو عبارت نقل کی ہے اسے غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ امت کو اپنے اقتدار کی خاطر تباہ کرنے والا اور اسلام کے مقدس و معظم ترین مقامات کی بے حرمتی کرنے والا انسان کس طرح متقی اور پارسا ہو سکتا ہے؟

خلافت معاویہ و یزید کی ایک دوسری عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے:

خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا علامہ موصوف کے الفاظ میں سنیئے!

"فسئله الخليفة عن يزيد أيلعن ام لا فقال لا اسوغ لعنه لانى لو فتحت هذا الباب لافضى الناس الى لعن خليفتنا فقال الخليفه ولم قال لانه يفعل اشياء منكرة كثيرة منها كذا و كذا ثم شرع يعدد على الخليفة افعاله القبيحة ممايقع منه من المنكر" (البدایہ والنہایہ ص ۳۲۸ ج ۱۲)

خلیفہ نے شیخ عبدالمغیث سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟

شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں۔ جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں انہوں نے خلیفہ کے برے اعمال گنانے شروع کئے نیز جو منکرات سرزد ہوئے تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۶)

مذکورہ ترجمہ تو خلافتِ معاویہ ویزید کے مصنف نے کیا ہے جو غلط ہے۔ علامہ کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

خلیفہ نے شیخ (عبدالمغیث) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس پر (یزید) لعن کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اگر میں اجازت دے دوں اور یہ لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں۔ شیخ نے کہا اس لئے وہ خلیفہ بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے۔ مثلاً یہ اور یہ امور، پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گننا شروع کیا جو خلیفہ سے سرزد ہوئے تھے۔

اب دونوں ترجموں کا موازنہ کیجئے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی۔

''لااسوغ لعنہ'' کا ترجمہ عباسی صاحب نے یہ کیا ہے کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں! حالانکہ ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ''لااسوغ'' صیغہ واحد متکلم ہے لیکن عباسی صاحب مصدر کا ترجمہ کرتے ہیں کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور اسوغ کا ترجمہ جواز سے کرنا نامعلوم کہاں کی عربی دانی ہے؟ اگر یہ ترجمہ صحیح مانا جائے تو بعد کی تمام عبارت ہی غلط ہوگی۔ اس لئے کہ جب یزید پر لعن ناجائز ہوا تو یقیناً یہ چیز خاص ہے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔ کیونکہ کسی کام کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کرنے کا کسی کو کوئی اختیار نہیں بلکہ یہ خاصہ ربّ العزّت کا ہے۔ اب جبکہ لعنت ناجائز ہوئی پھر شیخ عبدالمغیث کو لعن کا دروازہ کھولنے کا اختیار کیسے؟ اور یہ جواب وسوال پھر کس طرح صحیح تسلیم کئے جاسکتے ہیں! کیونکہ جس دروازہ کو کھولنے

کا کسی کو اختیار نہیں اسے کھولنے اور نہ کھولنے کی بحث ہی غلط ہے!

پس اصل ترجمہ یہ ہے کہ میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ اگر میں یزید پر لعنت کا دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگے گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا پھر جب خلیفہ نے سوال کیا کہ وہ کیوں؟ تو شیخ نے فرمایا اس لئے کہ خلیفہ فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی انہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لئے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کی اجازت دیدوں تو لوگ خلیفہ، ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے۔

یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہیے۔ مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہیں کرتا تھا! یا مستحق لعنت نہیں تھا! اور بہت پاکباز تھا۔ بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ یقیناً منکرات پر عمل کرتا تھا۔

یزید کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حقیقتِ حال سے نقاب کشائی

فاضل مصنف نے یزید کی تعریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان پیش کر کے اس کی خلافتِ شرعیہ اور اتقاء و پرہیز گاری ثابت کی ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان سے تو یزید کی نااہلی ثابت ہوتی ہے۔ اولاً عباسی صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے!

رجب ۶۰ ھ میں جس وقت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مکہ معظمہ آئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت عبداللہ ابن عباس وہاں موجود تھے مورخ بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحی صحابی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وفات کی خبر سن کر ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"فقلنا یاابالعباس جاء البرید بموت معاویة فوجم طویلاً ثم قال اللّٰھمّ

اوسع لمعاویة اما واللّٰہ ما کان مثل قبله ولا یأتی بعده مثله وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم۔"

پھر ہم نے ان سے کہا اے ابوالعباس قاصد موت معاویہؓ کی خبر لایا ہے (یہ سن کر) وہ دیر تک خاموش رہے۔ پھر دعا مانگی کہ الٰہی معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو! اور کہا کہ واللہ! وہ ان لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے گزر گئے لیکن ان کے بعد بھی کوئی ان کی مثل آنے والا نہیں! اور ان کا فرزند! یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا اور بیعت کرنا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۱)

یزید کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے جو الفاظ استعمال فرمائے وہ "ان ابنه یزید لمن صالحی اهله" کہ ان کا لڑکا یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے۔

اب غور کیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یزید اپنے خاندان میں سے نیک ہے اس کا اپنے خاندان کے نیک کاروں میں شمار ہونے کی وجہ سے مطلق صالحیت کو مستلزم نہیں بلکہ حضرت ابنِ عباسؓ نے "لمن صالحی اهله" فرما کر اس کے بدکردار ہونے کی طرف بلیغ اشارہ فرمایا!

جسے حقیقت شناس ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اگر دامن یزید تمام عیوب سے حضرت ابن عباسؓ کی نظر میں بے غبار ہوتا تو پھر اسلوب بیان بجائے اس کے یوں ہونا چاہیے تھا وان ابنه لمن الصالحین اولمن صالحی القوم لیکن یزید ان کی نظر میں صالح نہیں تھا اس لئے صالح اہلہ فرما کر اس کے بدکردار ہونے کا اشارہ کیا!

حضرت ابن عباسؓ کا فرمان "فالزموا مجالسکم" کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ کو لازم پکڑو! قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کب اور کس موقع پر استعمال کئے جاتے ہیں؟ کیا ایسے موقع پر اس کا استعمال صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ایسے شخص کے ہاتھ میں زمام اقتدار آجائے جو حسب ذیل صفات سے متصف ہو!

علم وفضل، تقویٰ وپرہیزگاری، پابندی صوم وصلوٰۃ، حد درجہ کریم النفس حلیم الطبع، سنجیدہ اور متین، سیاسی امور ہی میں نہیں بلکہ طرز معاشرت میں بھی حضرت فاروق اعظمؓ کی مثال سامنے رکھ کر حد درجہ سادہ زندگی، سادہ لباس، حکومت کے طمطراق اور

ترک شاہی سے سخت متنفر اور اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب ہو جس شخص میں مذکورہ بالا اوصاف پائے جائیں اس کے برسر اقتدار آنے پر تو لوگ دوسرے کو مبارک باد اور شکرانے کے نفل اور اس کی عمر درازی کی دعائیں کی جاتی ہیں نہ یہ کہ لوگوں کو اپنی جگہ کو لازم پکڑنے کی ترغیب دی جائے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے موقع پر ان الفاظ کا استعمال کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا۔ اگر یزید ان اوصاف سے متصف تھا جیسا کہ عباسی صاحب نے تحریر کیا ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان:

''فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم'' کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یزید کی حالت اس کے برعکس تھی۔ حضرت ابن عباس کے اس فرمان سے اس وقت کے حالات کی پوری عکاسی ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یزید کے بارے میں صحابہ وغیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبات و احساسات اس کے ہاتھ میں زمام اقتدار آنے کے بالکل خلاف تھے، اور قوم میں بیزاری کے عام رجحانات پائے جاتے تھے اور قوم کے جذبات اقتدار یزید کے خلاف خروج کی صورت ابھرنے کا شدید خطرہ تھا جس سے مفاد ملیہ کو نقصان عظیم پہنچنے کا اندیشہ تھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مفاد ملیہ کے پیش نظر اھون البلیتین کو اختیار کرتے ہوئے قوم کو خروج سے روکنے کی خاطر ''فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم وبیعتکم'' کی ضرورت پر زور دیا۔

اب اندازہ لگائیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یزید کی منقبت ثابت ہوتی ہے یا منقصت؟

یزید و علماء الناس

عباسی صاحب نے یزید کی منقبت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا جو قول نقل کیا ہے اسے بھی قارئین حضرات کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ مناقب یزید کی حقیقت منکشف ہوجائے۔

18

''قال ابن عباس اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس''

ابن عباسؓ نے فرمایا بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اگر دنیا سے اٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اٹھ جائیں گے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۴۹)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے فرمان کی اصل غرض کیا ہے؟ اگر منقبت مقصود تھی تو پھر ''ذهب العلماء'' فرمانا کافی تھا۔ لیکن علماء کو الناس کی طرف مضاف کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہاں علماء سے مراد وہ عالم جن کا علم محض لوگوں کی خواہشات تک محدود ہو۔ جن کو علماء سوء یا علماء دنیا کہا جاتا ہے۔ علماء الناس یا علماء سوء دونوں میں سے کسی ایک سے موسوم کرنا ایک ہی بات ہے۔

دوسرے علماء الناس سے مراد یہاں عالم دین نہیں بلکہ عالم دنیا مراد ہیں۔ جیسا کہ عباسی صاحب خود یزید کے لڑکوں کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

انہیں کا گھرانا مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں مدوّن ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا، امیر یزید کے فرزندوں میں سے کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے خاص کر علامہ خالد ابن یزید! جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۱)

چنانچہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے علماء الناس فرما کر یزید کے محض دنیا دار ہونے کی طرف بلیغ اشارہ کیا ہے۔ اس سے علماء دین مراد لینا ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ علماء اہل حق کی ایک جماعت کا قیامت تک موجود رہنا حدیث سے ثابت ہے ان کے ختم ہونے کا حضرت ابن عباسؓ کیوں کر حکم لگا سکتے ہیں۔

دنیاوی علوم (کہ جن سے محض خواہشات نفسانی کی تکمیل پیش نظر ہوتی ہے) کے موجد اگر مراد ہوں تو بعید نہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ یزید کی منقبت ثابت ہوئی یا منقصت؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حضرت محمد بن الحنفیہ

خلافت معاویہ و یزید کے مصنف نے یزید کے تقویٰ و پرہیز گاری کے اثبات میں حضرت محمد بن الحنفیہ کا ارشاد البدایہ والنہایہ سے جو پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحب زادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے جو اپنے علم و فضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ امیر یزید کے پاس مقیم رہے تھے ان کے حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی امیر یزید کی نیکوکاری صوم وصلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

''وقد حضرته (یزید) واقمت عنده فرایته مواظبا علی الصلوة متحریا الخیر لیسئل عن الفقه ملازما للسنة'' (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۳ ض ۸)

میں ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا، اور سنت نبوی کا پیروی کرنے والا پایا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۳)

حضرت محمد بن الحنفیہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یزید کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کے کلام میں یہ کہیں نہیں کہ یزید فاسق فاجر نہیں۔ یا وہ متق و پرہیز گار ہے بلکہ وہ اپنے قیام کے دوران جو کچھ انہوں نے یزید کو کرتے ہوئے دیکھا اس کا بیان فرما کر محض امت مسلمہ کو خروج سے روکنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ کہ یزید حقیقت میں کیسا ہے اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔

اور جو مکالمہ حضرت محمد بن الحنفیہ کا اہل مدینہ کے وفد سے یزید پر خروج کے بارے میں عباسی صاحب نے نقل کیا ہے اس میں بھی ارکان وفد سے جو سوالات یزید کے بارے کئے ہیں وہ بھی قریباً ایسے ہی ہیں کہ کیا تم نے اس کو برا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

غرضیکہ اس کی برائی دیکھنے کی نفی یا اس کی نماز وغیرہ دیکھنے کا اثبات فرما کر محض امت مسلمہ کو خروج سے روکنا مقصود ہے نہ یہ کہ یزید متقی و پارسا ہے۔

اور صرف صوم وصلوٰۃ کی پابندی کسی کے متقی اور پرہیز گار ہونے کے لئے کافی

نہیں جب تک کہ وہ ظاہراً و باطناً تمام احکام الٰہی کا مطیع و فرمابردار نہ ہو بلکہ بعض نمازیوں کی نماز ہی ان پر لعنت کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''رب تال القرآن و القرآن یلعنه ,رب مصل و الصلوٰة تلعنه رب صائم و الصیام یلعنه''

اور بہت سے قرآن پڑھنے والے قرآن کو پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے اور بہت سے نماز پڑھنے والے نماز کو پڑھتے ہیں دراں حالیکہ نماز ان پر لعنت کرتی ہے اور بہت سے روزہ رکھنے والے روزہ رکھتے ہیں درآں حالیکہ روزے ان پر لعنت کرتے ہیں۔

یعنی جو لوگ محض صوم و صلوٰۃ کی ظاہری پابندی سے عوام الناس کو اپنے جعلی اتقاء و پارسائی سے مرعوب کر کے اپنے جرائم کو تقدس کے لباس میں چھپانا چاہتے ہیں نیکی کے کام بھی ان پر لعنت کرتے ہیں تو پھر یزید کا متقی و پرہیز گار ہونا کیسے اور کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے؟ اگر حضرت محمد بن الحنفیہ کے سامنے یزید صوم و صلوٰۃ کی پابندی کا اظہار فرما کر متقی و پارسا ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ عباسی صاحب ثابت فرما رہے ہیں، تو پھر ہر نمازی اور ہر روزہ دار کو متقی و پرہیز گار تسلیم کرنا لازمی اور ضروری ہوگا۔ جو کہ عقل و نقل دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہر نمازی اور ہر روزہ دار غیر متقی یعنی فاسق و فاجر ہی ہوتا ہے یا یہ کہ پابندی صوم و صلوٰۃ کو اتقاء پارسائی کے شرائط میں سے شمار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتقاء و پارسائی کے اثبات کے لئے محض پابندی صوم و صلوٰۃ کافی نہیں۔ ہاں! متقی و پرہیز گار ہونے کے شرائط میں سے یہ بھی چند شرطیں ہیں اور جیسے متقی و پرہیز گار ہونے کا واسطے پابندی صوم و صلوٰۃ ضروری ہے اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں ظاہراً و باطناً تمام احکام الٰہی کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔

اگر پابندی صوم و صلوٰۃ ہے لیکن دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں تعمیل احکام الٰہی موجود نہیں تو ایسی نماز روزہ انسان پر لعنت کا سبب بن جاتے ہیں اور یہاں حضرت محمد بن الحنفیہ بھی یزید کے بارے میں یہی فرما رہے ہیں کہ میں نے اس کو ایسا

کرتے ہوئے دیکھا جس سے ان کی غرض محض امت کو خروج سے روکنا ہے۔

رشتہ داریوں سے استدلال کی حقیقت

عباسی صاحب نے فاطمی و اموی خاندان کے درمیان سلسلہ مناکحت ثابت کرنے کی بہت کوشش فرمائی ہے۔ اور اس سلسلہ میں کافی اوراق سیاہ کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی سعی کی ہے کہ اگر واقعہ کربلا کے مظالم اور یزید یا اس جیسے دیگر اموی خلفاء کے فسق و فجور کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو یہ رشتہ داریاں ہرگز نہ ہو سکتی تھیں گویا رشتہ داریوں کا ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یزید کا دامنِ عصمت تمام آلودگیوں سے مصفیٰ و منقیٰ ہے اور کربلا کے مظالم کی تمام داستانیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔ نہ ہی پانی بند ہوا اور نہ کوئی مستقل لڑائی ہوئی اور نہ ہی کسی کی بے حرمتی ہوئی۔

عباسی صاحب کا یہ استدلال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جو عباسی صاحب کی کم فہمی کو عیاں کرتا ہے۔ اس لئے کہ خاندان نبوت کو عصبیت کی پست ترین ذہنیت کی سطح پر لا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا غیرت ملیہ کو چیلنج دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک کسی کی اچھائی یا برائی پرکھنے کا معیار صرف اس کے اپنے اعمال ہی کو قرار دیا جاتا تھا۔

خاندانی عصبیت کی پست ذہنیت کے معیار پر پرکھنے کو ان کے ہاں نہایت ہی قبیح شمار کیا جاتا تھا۔ ان کے ان بلند ترین عزائم کے پیش نظر جب ابتداء ہی سے ان کے ازدواجی تعلقات بلا امتیاز قائم تھے تو اب یزید کے جور و ظلم، فسق و فجور کی وجہ سے ان رشتہ داریوں پر کیسے اثر پڑ سکتا تھا۔ اور نہ ہی ان تعلقات کے قائم رہنے سے یزید کی پارسائی ثابت کی جا سکتی ہے۔

کیونکہ خطا کار ہی قابل ملامت ہوتا ہے نہ کہ اس کا خاندان اور رشتہ دار کرے یزید اور سزا بھگتے تمام خاندان؟ یہ کونسی ریسرچ ہے؟ عیش و عشرت کے وسیع میدانوں میں کھیلتا رہے یزید لیکن ازدواجی تعلقات دوسروں کے منقطع ہوں، یہ کیسا انصاف ہے؟

جب یزید کا بدکردار ہونا پورے خاندان کے بدکردار ہونے کو مستلزم نہیں ہے تو پھر ازدواجی تعلقات کے انقطاع کا کیا جواز؟ اور ازدواجی تعلقات کے برقرار

رہنے سے مظالم کربلا کی نفی اور یزید کی پارسائی کا اثبات کیسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر ہم خاندانی نظریہ جو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے تسلیم بھی کرلیں پھر عباسی صاحب کی ریسرچ کہ آپ کا اقدام خروج خاندانی وراثت پر قبضہ جمانے کی خاطر تھا خود بخود ہوائی منثورا ہوجائے گی! اس لئے کہ جب امام حسینؓ اور آپ کے ساتھی محض خاندانی وراثت کے حصول کی خاطر بنی امیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے فرات کے ساحل پر اپنے آپ کو بنی امیہ کے ظالم ہاتھوں سے ذبح کرا چکے ہوں پھر ایسے غیور خاندان سے یہ کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ حسنی وحسینی لڑکیاں بنی امیہ سے بیاہ کر سلسلہ مناکحت قائم رکھیں۔ کیونکہ جب خاندانی وراثت کا سوال اٹھایا جائے گا تو پھر اس سے پورے خاندان کا متاثر ہونا ضروری ہوگا۔

رشتہ داریوں کی تغلیط تو ناممکن ہے البتہ یہی کہنا پڑے گا کہ آپ کا اقدام خروج جو دینی نقطہ نظر سے جہادِ عظیم ہے کو وراثتِ خاندانی پر محمول کرنا محض عباسی صاحب کی اختراع ہے، جو رقاہتِ خاندانی کی پوری پوری عکاسی کرتی ہے۔

لیکن آپ کے اقدامِ خروج کو الحب للہ! والبغض للہ کے پیشِ نظر جہاد پر محمول کرنے کی صورت میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی! اس لئے کہ اس صورت میں خاندانی سوال پیدا کرنا ہی غلط ہوگا اس سے تو وہی شخص متاثرہ ہوگا جو خود بدکردار ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رشتہ داریوں کا ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ سیدنا امام حسینؓ کا اقدام خروج محض شرعی نقطہ نظر سے یزید کی بدکرداری اور نااہلیت کی بنا پر جہادِ عظیم تھا۔

یزید کی بدکرداریوں اور ظلم وستم کو رشتہ داریوں کے نیچے چھپانے کی کوشش نامحمود کو کسی صورت میں صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا!

اگر امام حسینؓ کا خاندانی اختلاف ہوتا تو اس صورت میں رشتہ داریوں سے استدلال کسی حد تک صحیح تسلیم کی جاسکتا تھا۔ لیکن محض شرعی ودینی اختلاف (یہاں دینی اختلاف سے قلبی واعتقادی اختلاف مراد نہیں بلکہ اختلاف عملی مراد ہے کہ یزید بدعمل وبدکردار تھا) کو خاندانی اختلاف پر محمول کرکے رشتہ داریوں کا سوال اٹھانا محض قوم کو دھوکا اور فریب دینا ہے۔ رشتہ داریوں کا ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے

کہ ان کے ہاں خاندانی تعصب کا شائبہ تک بھی نہیں تھا۔

اور دوسرے حضرت حسنؓ کی حضرت امیر معاویہؓ سے صلح اور حضرت حسینؓ کا اس سے راضی ہونا بھی خاندانی سوال کی تغلیط کے لئے کافی ہے۔

واقعہ کربلا اور یزید

سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے بارے میں کہ اس میں یزید قصوروار تھا یا نہیں؟

اس معاملہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ امام پاکستان مولانا سیّد احمد شاہ بخاری کی ریسرچ پیش کرتے ہیں جو ایک سوال کے جواب میں پیش کی گئی ہے۔

سوال ۵: واقعہ کربلا میں کس حد تک یزید کا ہاتھ ہے؟ اور وہ اس وقت کربلا سے کتنا دور تھا؟ کیا وہ قابل دشنام ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ وہ فاسق و فاجر تھا۔

جواب: واقعہ کربلا کی تمام تر ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ اس واقعہ کے وقت ظاہر میں کربلا سے بہت دور تھا۔ مگر حقیقت میں وہ اسی قدر نزدیک تھا کیونکہ کوئی کام اس کی رائے کے بغیر نہیں ہو رہا تھا۔

امام حسینؓ جیسی عظیم شخصیت پر ہاتھ ڈالنا کسی فوجی افسر یا کسی صوبہ کے گورنر کا ذاتی فعل نہیں ہوسکتا۔

''ہم اس موقع پر اہل سنت کی مشہور و معروف درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو سوال مذکور کے ہر ایک جزو کا شافی جواب ہوگی: (دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ دیوبند ص ۱۱۳)

''والحق ان رضا یزید بقتل الحسین و استبشارہ بذالک و اھانۃ اھل البیت النبی علیہ السّلام مما تواتر معناہ و ان کان تفاصیلہ احادا فنحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ و علی انصارہ و اعوانہ'' (شرح عقائد)

اور حق بات یہ ہے کہ امام حسینؓ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور پھر اس پر خوشی کا ظاہر کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کو رسوا کرنا اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے اخبار احاد ہیں۔ مگر معنی کی رُو سے متواتر ہیں۔ پس ہمیں اس کے بے ایمان ہونے میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ خدا کی لعنت ہو یزید پر اور اس کی

امداد کرنے والوں پر چاہے امداد مشورہ سے کریں اور چاہے اسلحہ سے!

نوٹ: شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت میں غور کرو! اس میں صیغہ متکلم مع الغیر اپنی ذات کی نہیں بلکہ تمام اہل سنت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اور علم عقائد کی کتابوں میں سے صرف اسی شرح عقائد کو نصاب تعلیم کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور آج تک کسی عالم نے اس کتاب کو نصاب تعلیم سے خارج کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ (رسالہ دفع الوسواس بشرح حدیث القرطاس ص ۶)

اس کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی تحقیق انیق دربارہ نامزدگی یزید حضرت امیر معاویہ کا نقطہ نظر اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ و دیگر صحابہ کرام جو یزید کے خلاف خروج کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اور حضرت امام حسینؓ کے نظریات کی اختلافی وجوہات پر محققانہ بحث۔ حضرت امام حسینؓ کے خروج کا شرعی جواز اور خلافت یزید کی شرعی پوزیشن۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی

تحقیق انیق

تاوقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نہ بود، اگر چیزے کردہ باشد در پردہ کردہ باشد، کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را ازاں خبر نہ بود۔

علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از و مشہور است در بیت ام ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت رسول رب العلمین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین یک بار دوبار خفتند وبیدار شدند، ہر بار خندیدند ودر وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیانِ خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد می کنند در شانِ اوشان فرمودہ اند ملوک علی الاسرۃ او مثل الملوک علی الاسرۃ مصداق خوابِ ثانی ہمیں یزید وہمراہیانش برآمدند۔ چنانچہ بر تاریخ دانان وحدیث خواناں پوشیدہ نیست غایتہ مافی الباب بسبب خرابیہا پنہانی کہ

دارشت ہمچو منافقاں کہ در بیعت الرضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشاں نشد یزید ہم از فضائل این بشارت محروم ماند و این طرف مذہب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ در بارہ خلافت آن بود کہ ہر کہ را سلیقہ انتظام مملکت زاید از دیگراں باشد گو افضل از باشد افضل است از دیگراں نظر بریں او را افضل از دیگراں دانستند و اگر افضل ندانستند پس پیش ازیں نیست کہ ترا افضل کردند۔

چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل است نہ واجب۔ لیکن این قدر گناہ سوا ں گفت کہ بست و شش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پیش آیم و این طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را از جلد صحابہ رضی اللہ عنہم نمی شمارم کہ بہ نسبت ترا افضل و اولی ہم دریں چنیں امور معذرت نمایم۔ ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پائے خود از شکم برآوردہ دل بکام و دست بجام سپرد و اعلان نمود ترا صلوٰۃ و ابحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل گردید و این قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل ارائے و تدبیر مختلف افتاد کسے را کہ اندیشہ فتنہ و فساد غالب افتاد ناچار دست بہ پیمانش بکشاد و احتراز عن المعصیۃ شرط اتباع معروف درمیان نہاد و آں را کہ بوعدہ یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ، و رجاء شوکت منظور آمدہ حبۃً للہ برخاست و تہیہ کار ساخت پس ہر خرچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، و امثال اوشاں کردند بجا کردند، آنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق و صواب نمود بناء این اختلاف بر اختلاف امید است نہ بر اختلاف در جواز اصل فعل و عدم جواز جواز آں مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیاں تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ بر نشانہ دنشست و روز عاشورا قیامت قبل از قیامت در میدان کربلا برخاست انا للہ وانا الیہ راجعون بر ہمیں کار نہ فقط حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ را پیش آمد در جہان این چنیں اکثر پیش می آید واقعہ احد

وحنین شنیدہ باشی پس چناں کہ شہدانِ احد و حنین بزمرہ شہادت رسیدہ اند ازاں برہمی کار خللے در فضائل اوشاں را نیافت ہمچنیں شہدانِ کربلا را باید شناخت!

وایں وقتے است کہ بمجرد استخلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا بیعت مردم یا تسلط او خلافتش را عام و شامل شمارند، واگر بایں قدر کہ بوقوع آمد فقط بانعقاد مطلق خلافت او قائل شویم و عموم و شمول خلافتش را تسلیم نکنیم و گوئیم کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، داتباع اوشاں از ربقہ طاعت او ہنوز خارج بودند حالت عزل ہیچ نیست، داوشاں را در خروج بر مخدوم رے نے وایں فرق انعقاد مطلق عموم معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل وعقد فقط موجب اطاعت در حق او در حق خدم او می شمروند ورنہ حاجب بیعت حضرۃ علی کرم اللہ وجہہ واحتمام بداں بر دست حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چہ بود ہمچنیں یزید بیعت اہل شام و دیگر اہل حل عقد وخواست گار بیعت از حضرت حسین، عبدالرحمن ابن ابی بکر و دیگر رضوان اللہ علیہم نشد ے

چوں ایں قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدار کار بر نیت است بشہادت انما الاعمال بالنیات وحسن نیت حضرت حسین رضی اللہ عنہ قابلِ آں نسبت کہ دراں تردد کردہ آید اندرایں صورت در شہادت حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ چہ تردد نہ یزید در حق اوشاں خلیفہ بود نہ خروج بر و ممنوع واگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود واگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع نہ بود وبالجملہ وجود ممانعت مفقود و موجبات جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست باز اگر اوشاں شہید نہ شوند دیگر کدام خواہد بود وازیں ہم در گزشتیم اگر موجبات جہاد نہ بودند اوشاں نیز از قصدِ جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریاں یزید پلید نگذاشتندہ و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دمان عرضہ و مالہ فہو شہید۔

باقی ماند اوشاں مخالفت اجماع کردند جوابش ایں است کہ اول اجماع مسلم نیست اگر باشد عدم مخالفت باشد باایں ہمہ اجماع بر عدم جواز خروج بر فساق است ومعنی آں ہرچہ ہست عرض کردہ شد از اجماع بر عدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکل نیز موجب خروج متوال شد باایں ہمہ اجماع غیر مسلم وقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما وعبد اللہ ابن الزبیر واہل مدینہ کارے کردہ باشد مخالف آں را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت واگر بالفرض اجماع را تسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید مخالف ایں اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ را چہ مضر غایتہ مافی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ وزماں خود وربک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند ولا مخدور فیہ چنانچہ عرض کردہ باشد اکنوں وقت آں است کہ عبارت نووی رحمہ اللہ در ایں بارہ نقل کردہ شود تا تفصیل اجمال وتصدیق ایں مقال بدست آید۔

اجمع اهل السنة ان لاينعزل السلطان بالفسق واما الوجه المذكور في كتب الفقه لبعض اصحابنا انه ينعزل وحكى المعتزلة ايضا فغلط من قائله فخالف الاجماع قال العلماء وسبب عدم الفزاله وتحريم الخروج عليه مايترتب على ذالك من الفتن واراقة الدماء وفساد ذات السبين فتكون المفسدة في انعزاله اكثر منها في بقائه قال القاضي عياض رحمه الله اجمع العلماء على ان الامامة لتنعقد لكافر وعلى انه لو طرأ عليه الكفر انعزل قال وكنا لوترك اقامة الصلوة والدعا اليها قال كذالك عند جمهورهم البدعة قال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لانه متاول قال القاضي فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع اوبدعته خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصبه امام عادل ان امكنهم ذالك فان لم يقع ذالك الالطائفته ووجبت عليهم القيام بخلع الكافي ولايجب في المبتدع

الا اذا ظنوا القدرة عليه فان تحققوا العجز لم يجب القيام واليها جر المسلم من ارضه الى غيرها ويفر بدينه قال ولا ينعقد لفاسق ابتداءً فلو طرأ على الخليفة فسق قال لبعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة وحرب قال جماهير اهل السنة من الفقها والمحدثين والمتكلمين لينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذالک بل يجب وعظه وتخويفه للاحاديث الواردة فى ذالک قال القاضى وقد ادعى ابو بكر بن مجاهد فى هذا الاجماع وقد رد عليه بعضهم هذا القيام الحسين وابن الزبير واهل المدينة على بنى امية ولقيام جماعته عظيمة من التابعين والصدر الاول على الحجاج مع ابن الاشعث وتاول هذا القائل ان لاتنازع الامر اهله فى ائمة العدل وحجة الجمهور ان قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل غير من ـــــ الشرع وظاهر من الكفر قال القاضى وقيل ان هذا الخلاف كان اولا ثم حصل الاجماع على منع الخروج عليهم والله اعلم انتهى بلفظه

پس از مطالعه این عبارت تصدیق اکثر مقدمات حاصل می شود بالجمله بر اصول اہل سنت حال یزید به نسبت سابق متبدل شود نزد بعض کافر شد ونزد بعض کفر او متحقق نه گشت اسلام سابق مخلوط بفسق لاحق شد اگر حضرت امام کافرش پنداشتند در خروج بروچه خطا کردند امام احمد رحمہ اللہ را همین خاطر پسند خاطر افتاد مگر چنانکه ممکن است که کفر کسے نزدیکے متحقق شود ونزد دیگران نشود همچنین خروج برد در حق این وآن مختلف خواهد بود اتفاق در تکفیر و تفسیق وتعدیل وتجریح کسے از ضروریات دینی یا از بدیهیات۔

عقلی نیست که حاجب معذرت افتد ودر صورت فسق آنچه پیش کرده امر یا وخواهد بود تاهم هیچ صعوبتے بر اصول اہل سنت نیست چه یزید اندرین صورت یا فاسق معلن بود تارک الصلوٰة وغیره یا مبتدع بود چه از مروانے نواصب است باین همه خلافتش غیر مسلمه نظر برین وجوه بیاه ملفوظات سابقه

در حروج بر و بیچ قباحتے نے۔ بایں ہمہ حروج برایں چنیں کساں تا حال نزد ہمہ حنفیہ واکثر نزد ہمہ جائز نیست نزد بعض جائز چنانچہ از مشاہدہ عبارت نووی علیہ الرحمۃ واضح است در مسائل مختلفہ خلاف یکے مرد دیگراں موجب تفسیق او شاں آزاد بطلانِ اعمال او عند اللہ نمی تواں شد چنانچہ دانستہ شد۔

(بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل ص ۲۵۲ تا ۲۶۰)

ترجمہ: جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد کیا تھا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی اس کے علاوہ جہاد میں ان سے حسن تدبیر کا مشاہدہ ہونا چنانچہ ام ملحانؓ کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو (۲) مرتبہ سونا اور جاگنا اور ہر بار ہنسنا مشہور بات ہے، آپ نے ہنسنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ دریا میں جہاد کر رہی ہے۔ جن کے متعلق کہا گیا ہے ملوک علی الاسرہ و مثل ملوک علی الاسرہ۔ اس دوسرے خواب کا مصداق یزید اور اس کے ساتھی ہی نکلے۔ جیسا کہ تاریخ جاننے والوں اور احادیث کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعۃ الرضوان میں منافقین شریک ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہوگئے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہوگیا۔

اور ادھر امیر معاویہؓ کا مذہب خلافت کے بارے میں یہ تھا کہ جو شخص بادشاہت کرنے کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اس سے بہتر لوگ موجود ہیں مگر ترجیح اسی کو ہوگی۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یزید کو دوسروں سے بہتر جانا یا اگر بہتر نہیں سمجھا تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ افضل کو ترک کر دیا۔ جیسا کہ مقدماتِ سابقہ سے واضح ہے بلکہ استخلاف افضل صرف افضل ہے نہ کہ واجب۔ جس کو گناہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ سب وشتم کے ساتھ امیر معاویہؓ سے پیش آیا جائے۔

ہاں! امیر معاویہؓ کو اہم اجلہ صحابہ میں شمار نہ کریں گے، بلکہ اولیٰ اور افضل کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح کے امور میں ان کو معذور سمجھیں گے۔ البتہ امیر

معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل وجان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا نماز چھوڑ دی پس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر عزل کر دینے کے لائق ہو گیا۔

حالات میں اس طرح کا الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ہے ممکن ہے محال نہیں ہے۔

شاید اس وقت رباب حل وعقد کی آراء اور تدبیریں مختلف ہو گئیں کسی پر فتنہ وفساد کا غلبہ ہو گیا مجبوراً بیعت قبول کر لی اور گناہ سے بچنے کے لئے اتباع معروف کو بطور شرط مدنظر رکھا اور جس کو ایک جماعتِ کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ کی امید دکھائی دی خدا کے بھروسہ پر تیار ہو گیا اور لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہٰذا جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمر اور آپ کی طرح دوسروں نے کیا ٹھیک کیا اور اسی طرح سیّد الشہداءؓ نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک اور درست کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد امیدوں کے اختلاف پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز وناجائز کی بنا پر اختلاف ہوا ہے۔

مگر اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک قیامت قائم ہو گئی، انا للہ الخ!

اس طرح کے کاموں میں ایسی باتیں فقط سیّد الشہداءؓ ہی کو پیش نہیں آئی ہیں بلکہ جہادوں میں اکثر ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔

مثلاً واقعہ احد وحنین کو سنا ہی گیا ہے پس جس طرح شہداءِ اُحد اور حنین شہادت کے مرتبہ پر پہنچے اور ان پر دو واقعات میں کچھ کمزوری ہو جانے کی وجہ سے ان کے فضائل میں خلل نہیں پڑتا اسی طرح شہداء کربلا کو بھی جاننا چاہیے اور یہ اس وقت ہے کہ صرف استخلاف امیر معاویہؓ یا لوگوں کا بیعت کر لینا یا ان کا تسلط ہو جانا وغیرہ کی وجہ سے ان کی خلافت عام اور سب کو شامل شمار کریں۔ اور اگر اسی کو مان لیں کہ جو ہوا تو صرف ان کی خلافت کی مطلقاً منعقد ہونے کے اہم قائل ہوں گے۔ اور ہم صاف کہہ دیں گے کہ حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اتباع وانصار امیر معاویہؓ کی اطاعت کی ذمہ داری سے ہنوز خارج تھے، معزولی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور ایسی حالت میں ان لوگوں کے خروج میں ان پر کوئی گرفت بھی نہیں ہے۔ اگرچہ

ناسمجھ لوگ انعقاد مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو نہیں سمجھتے۔

پس گزشتہ واقعات کے تتبع اور حضرت امام حسینؓ کا حسن نیت اس کا مقتضی نہیں کہ اس میں تردد و تذبذب کو راہ دی جائے۔ موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں کیا شبہ ہے، یزید نہ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا ناجائز تھا۔

اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا۔ اور اگر مان ہی لیا جائے کہ خروج کرنا امام رضی اللہ عنہ کا جائز نہ تھا تو عزل ممنوع نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ ممانعت کے اسباب مفقود اور اسباب جہاد موجود۔ تو پھر حسن نیت میں کیا کلام کیا جاسکتا ہے۔

پھر اگر یہ حضرات شہید نہ ہوں گے تو دوسرا کون شہید ہوگا؟ اور ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر اسباب جہاد نہ بھی تھے تو آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آکر چلے جانے کا راستہ مانگا مگر یزید پلید کے لشکریوں نے جانے نہ دیا۔ اور گھیر کر مظلوم شہید کر دیا۔

حدیث میں ہے ''جو شخص اپنے مال اور آبرو کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ بھی شہید ہے۔'' باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسینؓ نے اجماع کی مخالفت کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو اجماع ہی تسلیم نہیں ہے۔ اگر ہو بھی تو اس بات پر کہ مخالفت نہیں ہوئی بایں ہمہ فاسق پر نہ خروج کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا اور اس کا مطلب جو کچھ کہ ہے پہلے عرض کیا گیا۔

عدم جواز پر اجماع کی وجہ سے نفس فسق پر خروج کرنا لازم نہیں آتا، کیونکہ اس کلی مشکک کے مراتب کے خصوصیات زائد بھی موجب خروج نہیں ہوسکتیں۔

پس اجماع غیر مسلم جس وقت کہ حضرات حسنینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ اور اہل مدینہ نے فیصلہ کرلیا تھا۔ مخالف اس کو متفق علیہ کیونکر کہہ سکتا ہے؟

اور اگر بالفرض اجماع کو مان ہی لیا جائے تو وہ اجماع حضرت امام حسینؓ کے بعد منعقد ہوا ہے۔ لہٰذا اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسینؓ کو کچھ مضر نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ امام موصوف نے اپنے زمانہ میں ایک اختلافی مسئلہ میں غلطی کرلی جس میں کوئی شرعی باز پرس نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

اب ہم امام نوویؒ کی عبارت درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس اجمال کی تفصیل اور گزشتہ باتوں کی تصدیق ہو جائے۔

اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے کہ بوجہ فسق خلیفہ معزول نہیں ہوگا لیکن ہمارے بعض اصحاب شوافع کی فقہی کتابوں میں ہے کہ معزول ہوگا اور معتزلہ سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے۔ سو یہ غلط ہے اور مخالف ہے اجماع کے علماء نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معزول نہ کرنے اور اس پر خروج نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خونریزی اور فتنہ وفساد باہمی بڑھ جائے گا اور معزولی کا مفسدہ اس کے باقی رہنے سے زیادہ ہو جائے گا۔

قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ علماء کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی ہے اور اگر امام پر کفر طاری ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا اور کہا ایسا ہی اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف بلانا چھوڑ دے تو بھی معزول ہوگا۔ فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت کا پایا جانا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ بعض بصریین قائل ہیں کہ بدعتی کی امامت منعقد ہوگی اور باقی رہے گی کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کفر اس پر طاری ہوا اور شریعت کے اندر تغیر یا بدعت شروع کر دیا تو خلافت وولایت کے حکم سے نکل گیا اور اس کی اطاعت جاتی رہی۔ لہٰذا مسلمانوں پر اس کے خلاف اٹھنا اس کو علیحدہ کرنا اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس کی قدرت ہو۔

پس اگر ایسا کچھ ہی لوگ کر سکیں تو کافر کر علیحدہ کرنے کے لئے تو اٹھنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور بدعتی پر واجب نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ بدعتی کے علیحدہ کرنے پر لوگوں کو امکانی طاقت ہو اور مجبوری متحقق ہو جائے تو ایسے وقت میں اٹھنا نہیں چاہیے بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کی خاطر بھاگیں۔

فرمایا اور فاسق کی امامت شروع شروع میں منعقد نہ ہوگی ہاں اگر خلیفہ فاسق ہو گیا تو بعض اس کے عزل کو واجب کہتے ہیں۔ بشرطیکہ فتنہ وفساد اور جنگ وجدال نہ ہو۔

جمہور اہل سنت میں سے فقہاء محدثین اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلیفہ کی معزولی بوجہ فسق ظلم اور لوگوں کے حقوق کو چھوڑ دینے کی بناء پر نہ ہوگی اور نہ اس کو علیحدہ کیا جائے گا اور نہ اس پر اٹھنا جائز ہوگا۔ بلکہ اس کو سمجھانا اور ڈرانا ضروری ہوگا۔ ان حدیثوں کی بناء پر جو اس بارے میں موجود ہیں قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ابو بکر ابن مجاہد نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور لوگوں نے امام حسینؓ ابن زبیرؓ اور اہل مدینہ کا بنی امیہ پر خروج کرنا اور تابعین کی ایک بڑی جماعت اور صدر اول کا حجاج پر مع ابن الاشعث کے اٹھنے کو پیش کر کے ان کا رد کیا ہے۔

اور قائلین نے ان کے قول الا ننازع الامر اہلہ کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد امام عادل نہ کہ اور حجاج پر خروج کی دلیل جمہور کی یہ ہے کہ محض اس کے فاسق ہونے کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس نے شریعت میں تغیر اور اظہار کفر کیا، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف پہلے تھا بعد کو ایسے لوگوں پر اٹھنا منع ہو گیا! واللہ علم!

علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات گزشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ پس اہل سنت کے اصول پر یزید کی سابق حالت بدل گئی۔ بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ سابق اسلام فسق کے ساتھ ساتھ مخلوط ہو گیا۔ اگر امام موصوف نے یزید کو کافر سمجھا تو اس پر خروج کرنے میں کیا غلطی فرمائی۔ امام احمدؒ کو یہی بات پسند آئی جیسا کہ یہ بات ممکن ہے کہ کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک ثابت ہوا اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہوا۔ ایسا ہی اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہو جائے گا اور تکفیر، تفسیق، تعدیل، جرح وغیرہ وغیرہ پر کسی کا اتفاق کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں ہے۔

عذر، معذرت کی ضرورت پیش آئے اور فسق کی صورت میں جو کچھ میں نے پیش کیا ہے وہ یا تو وہی ہوگا پھر بھی اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یزید یا تو کھلم کھلا فاسق تھا۔ یعنی تارک نماز وغیرہ یا پھر بدعتی تھا یعنی بہت بڑا ناجی تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس کی خلافت عام طور پر غیر مسلم تھی۔ ان وجوہ مذکورہ کی بناء پر اس کے خلاف خروج کرنے میں کوئی قباحت نہیں رہ جاتی ہے۔ پس

ایسے لوگوں کے خلاف اٹھنا اس وقت تمام لوگوں کے لئے جائز ہے۔ اور اگر تمام کے نزدیک جائز نہیں ہے تو بعض کے نزدیک جائز جیسا کہ علامہ نوویؒ کی عبارت سے سمجھا جاتا ہے اور مسائل مختلف فیہ میں ایک کا خلاف دوسروں کے حق میں فسق و فجور کا سبب یا ان کے اعمال کا خدا کے نزدیک رائیگاں ہو جانا نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل ص ۲۵۲ تا ۲۵۹)

تعارضاتِ عباسی

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے ریسرچ جدید کی آڑ میں جس تلبیس سے کام لیا ہے اس کے تعارضات ملاحظہ کیجئے۔

مثال اوّل

حضرت حسینؓ کے بارے میں امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح و بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے معاہدہ کر لیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کو توڑ ڈالنے کی نہیں۔ اس سے چند سطر آگے فرماتے ہیں۔

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۱۶)

اس میں صاف اقرار ہے کہ حضرت حسینؓ کی جانب صلح و مصالحت سے عدم اتفاق کی نسبت کرنا یہ غالی راویوں کا بیان ہے۔ لیکن خود ہی دوسری جگہ مصنف بدیں الفاظ اس واقعہ کو پیش کرتا ہے۔

البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح و مصالحت کر لیں لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا اور زجر و توبیخ کی تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۹۴)

دنیا ایسی ریسرچ پر ہنسے گی نہیں تو اور کیا کرے گی؟ کہ ایک چیز ایک جگہ محض غلو پر مبنی ہونے کی وجہ سے اگر نا قابل التفات ہے۔ وہی چیز دوسری جگہ کیسے اور کیوں کر اصل حقیقت اور امر واقع ظاہر کر کے پیش کی جاسکتی ہے؟

مثال ثانی

عباسی صاحب یزید کے فضائل ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ اولاد میں علم وفضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آتیں۔ نہ بقول کذابین کے غناو موسیقی کی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۱)

دوسری جگہ جو یزید کا نقشہ پیش کیا ہے وہ ملاحظہ فرمایئے وہ خود شاعر تھا، موسیقی کا ذوق رکھتا تھا، اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب وآرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۲۵)

ناظرین کرام عباسی صاحب کی ریسرچ کی داد دیں کہ اگر ایک جگہ غناء موسیقی گھرانہ یزید کی طرف منسوب کرنا کذابین کا قول ہے تو کیا پھر موسیقی کا ذوق رکھنا، ادب وآرٹ کی سرپرستی کا انتساب یزید کی جانب کرنا کس کا قول شمار کیا جائے گا؟

اگر غناء وموسیقی کی آواز گھرانہ یزید سے نکلنے کا قول محض کذب وافتراء ہے تو پھر اس کو فضائل یزید میں شمار کرنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے؟

مثال ثالث

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کرنے سے گریز کیا اس لئے بیعتِ خلافت مکمل نہ ہوسکی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲)

اس کا دوسرے الفاظ میں یہ مطلب ہوگا کہ خواص واہل مشورہ نے گریز کیا اس واسطے بیعت خلافت مکمل نہ ہوسکی یہ اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جب کہ عوام الناس کی بیعت کو قابل حجت نہ سمجھا جائے خواہ تعداد کے لحاظ سے کس قدر اکثریت کا

یہ فعل ہو۔ جس سے اہل مشورہ وخواص امت حضرات گریز کریں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن عباسی صاحب خود ہی بیعت یزید مکمل ہونے کے سلسلہ میں دلائل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۳۵)

اندازہ لگائیے کہ بیعت خلافت یزید کو ثابت کرنے کے واسطے اسی اکثریت کو جو اہل خواص واہل مشورہ کی عدم تائید کی وجہ سے ناکارہ کی گئی تھی اسی اکثریت کو اقتدار یزید بچانے کی خاطر سہارہ بنا کر استدلالاً پیش کیا جارہا ہے بلکہ ہر شے کے حسن وقبح کی بنیاد ہی اکثریت کے فیصلے پر رکھی گئی ہے۔ خواہ پیغمبر بھی اکثریت کی مخالفت کیوں نہ کرے۔ ہر صورت میں ترجیح اکثریت ہی کے فیصلے کو ہوگی۔ جیسا کہ عباسی صاحب نے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال پیش کرکے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔

ہم جناب محمود احمد صاحب عباسی کے اس استدلال کو ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔ آں حضرت کی ریسرچ جدید کے خلاف پیش کرتے ہیں کہ اب بھی لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلہ میں کہ یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں شامل تھا۔ آنجناب کا اختلاف بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو کیا اب آپ کروڑوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلہ میں اپنے فیصلے کو بے وقعت کہنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ اگر تیار ہیں تو ہمارا مقصد حاصل اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یزیدی خلافت غلط ہوگی۔

مثال رابع

اپنے موقف کی غلطی کا احساس کے ذیل فرماتے ہیں۔

"مؤرخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حضرت حسین" کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی اور ان

سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں؟ اور کیا ہوے، تو آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا استخفاف اب ممکن نہیں۔

آپ نے دمشق جانے کے لئے جیسا کہ ابھی تفصیلاً بیان ہوا ہے باگ موڑ دی اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کیں۔

پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔

یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحدوں پر مصروف جہاد ہوں۔ یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے تا کہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۱۷۷، ۱۷۸)

ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور ریسرچ جدید کی صداقت کا خود فیصلہ کریں کہ جب سیدنا امام حسینؓ

(۱): اہل کوفہ کی بے وفائی پر یہ معلوم کر چکے کہ بیعت یزید پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اب اس کی بیعت کے سوا کوئی سبیل نجات نہ ہونے کی وجہ سے بغرض بیعت دمشق کی جانب باگ موڑ دیتے ہیں اس کے باوجود تین شرائط کا ذکر کرنا کیسے اور کیونکر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے؟

پھر شرائط بھی وہ جو آپ کے علم و یقین کے خلاف اور برعکس ہوں اس لئے کہ اتفاق امت کی وجہ سے جب بیعت یزید کے سوا کوئی صورت حال نظر ہی نہیں آتی تھی پھر شرط اول پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے اگر یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں۔

جب جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف غیر ممکن ہو چکا تھا پھر غیر ممکن شرائط کا ذکر کہاں کی عقل مندی ہے۔ کیا نقل کے لئے دانشمندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟

(۲): جب ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے؟ تو پھر دوسری جگہ ساٹھ کوفیوں کا ذکر کرنا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی

قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ان کوفیوں نے جن میں چارنو وارد کوفی بھی شامل تھے۔ حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاؤ سلمٰی پر چل کر ڈیرے ڈالیں بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہوں گے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۱۰)

یہ تحریر کیسے صحیح قرار دی جاسکتی ہے؟ ایک جگہ تو خروج پر آمادہ کرنے والوں کا عدم پتہ ہونا ظاہر کرتے ہیں اور دوسری جگہ ساٹھ کوفیوں کے حضرت حسینؓ کے ہمراہ ہونے کا اقرار اور بیس ۲۰ ہزار سوار پیادے کی امداد اور نصرت کا وعدہ متعارض چیزیں تحریر کرنا نہ معلوم کن لوگوں کے نزدیک ریسرچ کہلاتا ہے۔

مثال خامس (۵)

یزید کی ولی عہدی اور بیعت خلافت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''الغرض امیر یزید کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا۔یہ رضامندی مصلحت کے تقاضہ کی بناء پر تھی نہ کسی خوف کے تحت اور لالچ کی وجہ سے ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا''

اس سے آگے فرماتے ہیں۔

''عالم اسلام کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تو بیعت کے لئے امیر یزید کے پاس حاضر ہوئے تھے۔اس سے آگے امیر یزید کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکتِ اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوانوں کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا''

(خلافت معاویہ ویزید ص ۴۵)

یہاں بلا کسی استثناء کے یہ ثابت کیا گیا کہ یزید کی ولی عہدی اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی و بلا کسی اختلاف کے ہوا تھا اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر مملکتِ اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت ہو کر یہ ثابت

کر دیا تھا کہ یزید اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب ہے گویا کہ بیعت یزید پر پوری امت کا اتفاق بلا کسی اختلاف کے ہو چکا ہو۔ جب کہ دوسری جگہ ایک حوالہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یاحسین الاتتقی اللہ تخرج من الجماعۃ''

اے حسین! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو۔

''وتفرق بین الامۃ بعد اجتماع الکلمۃ''

اور امت میں تفرقہ ڈال رہے ہو! حالانکہ وہ سب ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۶۶)

اس حوالہ میں بھی یہی ثابت کیا گیا ہے کہ تمام امت بلا کسی استثناء بیعت یزید پر مجتمع ہو چکی ہے۔ لیکن آگے اس کے برعکس کوفی سپاہیوں کی ریشہ دوانیاں کے ذیل خود ہی جو تحریر پیش کرتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

مؤرخین نے ابو مخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً یہی نقل کیا ہے کہ معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزید کی بیعت کر کے ''فرار من بیعۃ یزید'' (ص ۱۵۱ البدایہ)

حضرت حسینؓ تشریف لے آئے اور کوفی سپاہیوں کو حال معلوم ہوا تو ان کی تحریرات اور وفود آنے لگے البدایہ والنہایہ سے حوالہ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

''ان کے (حسین کے) پاس عراق کے علاقہ سے کثرت سے خطوط گئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور اِن تحریرات میں ان کو تحریص بلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کی بجائے وہ ان سے بیعت کر لیں گے! ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا''

اس کے بعد عباسی صاحب فرماتے ہیں:

''مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا۔''

اس سے کچھ آگے فرماتے ہیں۔

اسی مورخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو اشخاص جو کوفہ کے ممتاز افراد تھے سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے

پاس دو دو تین تین مکاتیب وخطوط بھی کوفیوں کے تھے جن میں موصوف کو کوفہ آنے اور بیعت وخلافت لینے کی دعوت دی گئی تھی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۶، ۹۷)

اس سے آگے کوفہ کی حالت بیان کرتے ہوئے عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

''باین ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں حضرت نعمان صورت حال پر پوری طرح قابو نہ پا سکے۔ خلیفہ وقت نے مجبور ہو کر امیر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے مامور ومتعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر سپرد کی گئی۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد نے بعجلت تمام سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہنچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کرلیا۔ مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے یا منصور امت شعار قرار دے کر فوجی قاعدے سے مرتب کیا۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۰۹)

ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ اہل کوفہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد سیدنا امام حسینؓ سے اپنی رائے کا اظہار بذریعہ خطوط وفود کر چکے تھے۔ کہ آپ کوفہ چلے آئیں ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ جس کی تصدیق کے لئے آپ نے مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تو چالیس ہزار اشخاص حضرت امام عالی مقام کی بیعت میں داخل ہو گئے اسی وجہ سے نعمان کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تا کہ کوفہ کی حالت کو درست کیا جا سکے۔

یہ بھی جناب محمود احمد صاحب عباسی کا اپنا بیان ہے۔ اب ناظرین کرام غور فرمائیں کہ جب کوفہ کی یہ حالت تھی جو بیان کی گئی ہے۔ پھر مذکورہ بیان کہ یزید کی ولی عہدی اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا پوری امت کی رضامندی سے ہوا تھا اور افتراق امت سے روکنے کے حوالہ جات جیسا کہ البدایہ والنہایہ سے حوالہ پیش کیا جا چکا ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ

اے حسین! اجتماع امت کے بعد اس میں تفرقہ نہ ڈالو!..... کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

اہل کوفہ کی حالت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اقتدار یزید کے خلاف تھے اس کے باوجود اتفاقِ امت اور پوری امت کی رضامندی اور مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت یزید کے لئے وفود کی آمد اور اتفاق امت کا پروپیگنڈا جناب محمود احمد صاحب عباسی کے اپنے ہی اقرار سے "ھباءً منثورا" ہو جاتا ہے۔

جب چالیس ہزار اشخاص کا امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا اقرار عباسی صاحب خود کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اقتدار یزید کی مخالفت کو چند نفوس کے اختلاف پر محمول کر کے یہ کہنا کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلہ میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ اہل مکہ وخواص امت یزید کے خلاف تھے جن کو طاقت کے بل بوتے پر مطیع کرنے کی کوشش کی گئی جس کے حوالہ جات عباسی صاحب نے پیش فرمائے ہیں۔

ان تمام واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اقتدار یزید پر اتفاق امت کا پروپیگنڈہ ایک خاص ذہنیت کی اختراع ہے۔

خلیفہ وقت اور باغی

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے خلیفہ وقت کی اطاعت اور امتناع خروج پر بہت سے دلائل پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو شخص اتفاق امت کے بعد خلیفہ وقت کے خلاف خروج کر کے امت میں افتراق ڈالنا چاہے اس کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ امت میں کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو۔

دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق فیصلہ یہی ہے کہ اس کو بغاوت کی پاداش میں قتل کر دیا جائے آگے یزید کو اتفاق امت سے خلیفہ وقت ظاہر کر کے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اتحاد امت کا شیرازہ بکھیرنے والا ظاہر کیا گیا ہے بلکہ آگے خروج کو محض خاندانی وراثت کے حصول پر محمول کر کے جس دیدہ دری سے کام لیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار اٹھانے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھا جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے

خلیفہ انہیں بنایا جائے باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کاروائی نہیں کی گئی۔ حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سنتِ رسول ﷺ سے نہ تعامل خلفائے راشدینؓ سے اور نہ عزائم آل بیت سے یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی۔" (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۸۰)

عباسی صاحب کے کذب وافتراء کا کہاں تک تجزیہ کیا جائے اگر سیدنا امام حسینؓ کے متعلق ان کے جہاد کو وراثت خاندانی کے حصول پر محمول کیا جائے تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح ومصالحت کو کیوں کر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟

حالانکہ وہ رضائے امام حسینؓ کے متعلق خود ہی تحریر کرتے ہیں مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کرلی ہے !معاہدہ کرلیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۱۶)

جب یزید کے والد حضرت معاویہؓ سے بغیر کسی ادعا کے بیعت کرلی جاتی ہے اور فتنہ پردازوں کی کوئی بات مانی نہیں جاتی پھر اقتدار یزید کے بارے میں ان کی دعوت کو محض نواسہ رسول ﷺ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلافت کا دعویدار ٹھہرا کر اپنی دروغ گوئی کا ثبوت دینا کہاں کی ریسرچ ہے؟

کیا حضرت امیر معاویہؓ کے وقت امام حسینؓ نواسہ رسول ﷺ وفرزند علی المرتضیٰ نہیں تھے۔ وہاں صلح ومصالحت سے بیعت کرنا کسی کی بھی پروانہ کرنا لیکن یہاں نواسہ رسول ﷺ اور فرزند علی المرتضیٰؓ ہونے کی حیثیت سے دعویٰ خلافت کرنے کو عقل تسلیم کرسکتی ہے؟

متعارض ومتناقض چیزیں تحریر کرنا پھر اسے ریسرچ جدید کا نام دینا پتہ نہیں کس کے ہاں معقولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

جب سیدنا امام حسینؓ کا خروج واقعی محض نواسہ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے اور یزید کے مقابلہ میں اس کی خلافت پر اتفاق امت کے بعد اپنی خلافت قائم کرنے کے واسطے تھا۔ باوجود اس کے یزید میں ایسی کوئی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے

اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا اور صحابہؓ نے بھی آپ کو اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن آپ نے کسی کی بات نہ مانی اور ناجائز خروج کر کے احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کی جیسا کہ عباسی صاحب نے جابجا اس کی تشریح کی ہے۔

عباسی صاحب کی اس بحث کے پیش نظر امام حسینؓ کو باغی قرار دے کر قتل کرنا ضروری ولازمی تھا جیسا کہ مذکورہ حدیث:

"فمن ارادان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان" سے ظاہر ہے تو اب اس صورت میں حضرت امام حسینؓ کو قتل کرنا یا قتل کرنے کا حکم دینا یا اس پر راضی ہونا کسی صورت میں بھی قابل ملامت نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

کیونکہ احکام اسلام کی بجا آوری مبارک باد کے لائق ہے نہ کہ ملامت کے۔

اب ہم جس چیز کی وضاحت کرنی چاہتے ہیں کہ یزید کے شرعی خلیفہ ہونے کی صورت میں نائب پیغمبر ہونے کی حیثیت سے جیسا کہ عباسی صاحب کا دعویٰ ہے۔ امام حسینؓ کے قتل کا حکم یا اس پر اظہار رضامندی جائز ہی نہیں بلکہ اس کے فرائض منصبی میں داخل تھی لہٰذا عباسی صاحب کے واسطے ضروری تھا کہ یہ ثابت فرماتے کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا تھا تاکہ اس سے یزید کی شرعی پوزیشن واضح ہوجاتی اس لئے کہ ان کے قتل کرنے کے جواز یا عدم جواز سے یزید کی شرعی پوزیشن بے نقاب ہوجاتی ہے۔ جواز کی صورت میں یزید کی پوزیشن مضبوط اور امام حسین کو باغی تسلیم کرنا پڑے گا۔ عدم جواز کی صورت میں یزید کی پوزیشن محض ایک صاحب اقتدار کی رہ جاتی ہے جو شرعی لحاظ سے ہرگز اس منصب عظیم کا اہل تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نااہل ہونے کی وجہ سے ہی اس کی شرعی پوزیشن تسلیم نہیں کی گئی۔ لیکن عباسی صاحب نے جہاں قتل حسینؓ سے یزید کی برأت فرما کر یزید کی پوزیشن کو ختم کیا ہے وہاں اپنے ریسرچ کی دھجیاں بھی فضائے آسمانی میں تحلیل کر کے جو مضحکہ خیز متعارض ومتناقض بوالعجبیاں پیش فرما کر دیانت انسانی کے حسین چہرہ کو داغدار کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اس لئے کہ یزید اتفاق امت سے شرعی خلیفہ تسلیم کر لینے کی صورت میں امام حسینؓ کا اقدام خروج بغاوت پر ہی محمل کیا جائے گا نہ کہ اجتہادی غلطی پر کیونکہ

احکام شرعی کی موجودگی میں اجتہاد کا کا کون سا مقام خصوصاً اس وقت جب کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج ہی نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فرزند علی رضی اللہ عنہ ہونے کی حیثیت سے وراثت خاندانی کے حصول پر محمول کر کے اُن کے خلاف تلوار اٹھانے کا جواز پیش کیا جائے۔

عباسی صاحب کی ریسرچ ملاحظہ کیجئے۔

ریسرچ جدید یا افتراء مبین

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے یزید اور اس کے فوجی افسروں کی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل یا اس پر اظہار رضا مندی یا اس پر اظہار رضامندی سے برأت فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ یزید کے متعلق اس کے متفق علیہ خلیفہ ہونے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے شرعی اقدام کو غلط و ناجائز قرار دینے کے بارے میں جو بحث کی ہے وہ تمام تر غلط اور افترا خالص ہے ورنہ بتلایا جائے کہ متفق علیہ خلیفہ بھی موجود ہو اور احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کر کے محض وراثت خاندانی کے حصول کی خاطر اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنے والے کے قتل سے متفق علیہ و شرعی خلیفہ اور اس کے فوجی افسروں کی برأت ثابت کرنے کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ افتراء مبین کا رہین منت ہے۔ براءت یزید ملاحظہ فرمائیے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی"

جناب عباسی صاحب تاریخ شہادت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زمان فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا تھا یا اس پر رضا مندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیے کہ وہ شخص پرلے درجے کا احمق ہے''

(خلافت معاویہ و یزید ص ۱۹۷)

دوسری جگہ امام غزالی" کا فیصلہ جو پیش فرمایا ہے۔

''ویزید اصح اسلامه واصح قتل الحسین ولا امره به ولاء وضاء و

مهما لایصح ذالک منه لایجوز ان یظن ذالک فان اساءة اظن بالمسلم ایضاً حرام۔" (وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱ ص ۴۶۵)

ترجمہ: اور یزید صحیح الاسلام تھا اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم یا اس پر راضی ہوا۔ پس جب یہ قتل اس سے (یزید) پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا تو پھر اس کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا کس طرح جائز ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی رکھنا کس طرح جائز ہے۔ اس لئے کہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی رکھنا حرام ہے۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۵۳)

اس سے حقیقت بالکل عیان ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا امور کی نسبت یزید کی طرف کرنا عدم ثبوت کی بنا پر صحیح نہیں۔

مطلب یہ کہ اگر ان امور کا صدور پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ واقعی یزید نے ایسا کروایا ہے تو وہ یقیناً مجرم ہے ورنہ برأت کے کیا معنی بدگمانی اسی فعل کی نسبت ہو سکتی ہے جو اس کے لئے ناجائز ہو کیونکہ جائز فعل سے بدگمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو حضرت امام غزالیؒ کے اس بیان سے یزید کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یزید کے محض صاحب اقتدار ہونے کی حیثیت سے اس کو امور بالا کا جواز تو کجا بلکہ یہ تو اس کے لئے ناجائز و حرام تھے اب امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کے واسطے جب باغی کو قتل کرنے کا حکم دینا ہی جائز نہیں پھر وہ خلیفہ کیسے سمجھا جائے گا۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے بیان کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت حسینؓ کے قتل جیسے شنیع و حرام فعل کی نسبت بلا ثبوت یزید کی جانب کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔ لیکن عباسی صاحب کی ریسرچ کی بنیاد ہی امام حسینؓ کے باغی ہونے پر رکھی گئی ہے۔ جس کا لازماً نتیجہ نکلے گا کہ امام عالی مقام کا بغاوت کے صلہ میں قتل کرنا ضروری و لازمی ہے نعوذ باللہ من ذالک حضرت امام غزالیؒ کا ریمارک تو ریسرچ جدید کے لئے پیغام موت ہے۔ نقل کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

عمر بن سعد

قتل حسینؓ سے عمر بن سعد کی برأت کرتے ہوئے عباسی صاحب فرماتے ہیں:

عمر بن سعد کو قاتل حسینؓ کہتے ہیں لیکن اِن ہی راویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی روایت میں گویا حق برزبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہوجانے پر ابن سعد پر رنج و صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہوکر زار وقطار رونے لگے۔ اُن کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تربتر ہوگئی۔ ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے۔

''قال فکانی انظر د موع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیه ولحیة'' (طبری ص ۲۵۹ ج ۶)

ترجمہ: (راوی) نے کہا گویا میں نے عمر (بن سعد) کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) اُن کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۲۱۲)

اس سے کچھ آگے امام حسینؓ کے ساتھ قتال کے بارے میں عمر بن سعد کا نظریہ ملاحظہ فرمایئے:

''چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت''

(غایۃ التواریخ ص ۲۳۴ ج ۶ از کتاب دوئم)

چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہیت تھی۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۱۹)

اس سے آگے: ''اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ باحسین رضی اللہ عنہ مقاتلت آغاز وخود را مطرود وملعون دارین سازہ'' (ص ۲۳۲ ایضا)

لیکن عمر بن سعد چونکہ حسین سے قتال وجدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین ودنیا میں اپنے آپ کو مطرود وملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۱۹)

عباسی صاحب کے اپنے پیش کردہ حوالہ جات سے نصف النہار کے مانند اصلی حقائق سامنے آجاتے ہیں کہ عمر بن سعد کے نزدیک امام حسینؓ کی جلالت شان وشرعی اقدام ویزید کی بدکرداری وغیر شرعی پوزیشن کے پیش نظر امام عالی مقام سے قتال وجدال دنیا وآخرت میں اپنی گردن میں طوق لعنت ڈالنے کے مترادف ہے۔

اسی واسطے عمر بن سعد کو حضرت حسینؓ کے مقتول ہونے پر اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ آنسوؤں سے داڑھی بھی تر ہوگئی۔ اب ناظرین کرام غور فرمادیں کہ ریسرچ جدید کے کذب وافترا کی اگر کچھ بھی حقیقت ہوتی جو امام عالی مقام کو باغی اور یزید پلید کو شرعی خلیفہ وامیر المومنین ثابت کرنے پر کی ہے تو پھر باغی سے جدال وقتال کرنا لعنت کا سبب کیسے اور کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

عمر بن سعد کا نظریہ تو یہ ہے کہ امام عالی مقام سے جدال وقتال، دنیا وآخرت میں ملعون ومطرود ہونے کا سبب ہے لیکن عباسی صاحب کی ریسرچ کے مطابق امام حسینؓ سے جدال وقتال احکام اسلامی کی سرانجام دہی کے پیش نظر جائز ہی نہیں بلکہ قاتلین خراج عقیدت پیش کرنے کے مستحق ہیں لہٰذا حضرت امام حسینؓ سے قتال رحمت خداوندی کا سبب ہونا چاہیے جو کہ عباسی صاحب کی ریسرچ کا نتیجہ ہے نہ کہ ملعون ومطرود ہونے کا سبب جیسا کہ عمر بن سعد کا نظریہ ہے۔

اب عباسی صاحب ودیگر اس کذب وافترا کے مداحین ہی بتلائیں کہ یزید کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور حضرت حسینؓ کی جلالت شان کو پہچاننے والے عمر بن سعد کا نظریہ صحیح قرار دیا جائے گا کہ امام حسینؓ سے جدال وقتال ملعون ومطرود ہونے کا سبب ہے یا آپ کے امام العباسی کا کذب وافتراء جو کہ بدیں الفاظ پیش کیا گیا ہے تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی ﷺ کا نواسہ اور حضرت علی کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۸۰)

حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کی وجہ سے عمر بن سعد سے پوچھیے۔ جو یزید کے کارناموں سے اچھی طرح واقف تھے۔ کیا یہ کذب وافتراء جو ریسرچ جدید کے شکل میں پیش کیا گیا ہے نذر آتش کے قابل نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا یہ محض کذب وافتراء کا پلندہ اس قابل تھا کہ اس کو شائع کرکے قوم کے ملی جذبات کو مجروح کیا جائے۔ امت کے اتفاقی نظریہ کی مخالفت کرنے کا یہی اثر ہوتا ہے کہ قوت عاقلہ گرد وپیش پر نظر کرکے اصلی حقیقت تک پہنچنے کی بجائے حقائق سے انکار شروع کردیتی ہے۔

جب بتحقیق عباسی صاحب عہد نبوی کے یہ مولود (یعنی عمر بن سعد) نبی کریم کے ماموں کے فرزند بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور ہوئیں جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔

(خلافت معاویہ ویزید ص ۲۰۰)

ان کے نزدیک جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جلالت شان واتباع نبوی کے پیش نظر ان سے جدال وقتال کرنا ملعون ومطرود ہونے کا سبب ہے تو پھر عباسی صاحب کی بے لاگ ریسرچ جس میں امام عالی مقام کے اقدام خروج کو طلب حکومت وخلافت پر حمل کرتے ہوئے اُن کے خلاف تلوار اٹھانے کا جواز ثابت کیا گیا ہے بلکہ ایسی ریسرچ پیش کی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو بغاوت کے صلہ میں قتل کیا جانا ضروری ولازمی ہے۔ کیوں ملعون ومطرود ہونے کا سبب نہیں۔ اگر یزید ویسا ہی تھا جیسا کہ عباسی صاحب نے ثابت کرنے کی بے سود کوشش فرمائی ہے تو پھر اُس سے حریف کے ساتھ جدال وقتال ملعون ومطرود ہونے کا سبب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کی فقط ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ یزیدی فوج کا کمانڈر چیف عمر بن سعد حالت یزید سے بخوبی واقف تھا کہ یزید بدکرداری کی وجہ سے ہرگز خلافت عظمیٰ کا اہل نہیں ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خروج مفاد ملیہ کے پیش نظر بالکل صحیح وبروقت ہے۔

عمر بن سعد نے سمجھا کہ ہم دنیاوی مفاد کو ترجیح دے کر کہیں امام عالی مقام جن کا اقدام خروج محض مفاد ملیہ کے پیش نظر ہے کے ساتھ جدال وقتال فرما کر دربار ایزدی میں ملعون ومطرود نہ ہوجائیں۔ اب دیکھئے کہ بے لاگ ریسرچ کا مصنف اور اس کے مداحین عہد نبوی کے مولود عمر بن سعد کے نظریہ کو تسلیم کرکے اس کذب وافتراء کو جو کہ ملعون ومطرود ہونے کا سبب ہے نذر آتش کرکے اس نظریہ سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتے ہیں یا ضد پر قائم رہتے ہوئے مذکورہ سبب کے اہل بنتے ہیں۔

زود شو وریاب استغفار کن
گریہ ہائے ہم چو ابرزار کن

خلاصہ بحث کہ جب بے لاگ ریسرچ کے پیش نظر امتناع خروج و اطاعت امیر کے متعلق احکام اسلامی کی موجودگی وصحابہ رسول اللہ ﷺ کے روکنے کے باوجود محض خلافت وحکومت کو خاندانی وراثت سمجھ کر متفق علیہ شرعی خلیفہ کے خلاف خروج کیا گیا تھا تو اس کا لازماً یہی نتیجہ نکلے گا کہ ایسے شخص کا بغاوت کے صلہ میں قتل کیا جانا ضروری ہے۔

اس کے باوجود متفق علیہ خلیفہ اور اس کے فوجی افسروں کی ایسے شخص کے قتل سے جس کا بغاوت کے صلہ میں قتل کیا جانا ضروری ہے بری الذمہ قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج کے ناجائز قرار دینے اور یزید کے متفق علیہ خلیفہ ہونے کے متعلق جس قدر دلائل ہیں وہ تمام کے تمام یا تو غلط ہیں یا معنے غلط پہنائے گئے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے روکنے کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ وہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس خروج کو طلب حکومت وخلافت کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح بھی جائز ومناسب نہ تھا حالانکہ یہ چیز بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کی اصل حقیقت کیا تھی وہ ملاحظہ کیجئے۔

موقف صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بارے میں علامہ ابن خلدون کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

اب جب یزید سے بداعمالیاں آزادانہ صادر ہونے لگیں تو اس کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔ بعض نے اس کے خلاف اٹھنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا جس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن زبیر نے یا انہوں نے جو ہر دو اصحاب کے متبعین تھے اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے اور کشت وخون کا بازار نہ گرم ہو جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا تو اس کو نبھا نہ سکیں گے کیونکہ یزید کی پشت پر اس وقت بنی امیہ کی عصبیت تھی اور قریش کے عام ارباب حل وعقد بھی اس کی معاونت میں بلکہ عصبیت مضر بھی اسی کی مدد پر تلی ہوئی تھی جس کے مقابلہ کی تاب کسی کو نہ تھی اسلئے وہ یزید سے دست کش ہی رہتے اور اس کی ہدایت کے لئے دعائیں کرتے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۲)

اس سے آگے حضرت حسینؓ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت حسینؓ کے علاوہ دیگر صحابہ جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام وعراق میں اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد وخونریزی کا خطرہ تھا۔ اسی لئے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت حسینؓ کا ساتھ نہ دیا مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان کو گنہگار ٹھہراتے کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعث گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۴۷)

علامہ ابن خلدون کی مذکورہ بالا تحقیق سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوگیا کہ سیدنا امام حسینؓ کو روکنے یا ان کا ساتھ دینے کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک محض خونریزی کے خطرہ کے پیش نظر تھی نہ اس وجہ سے جو عباسی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں ورنہ پھر بتلایا جائے اس قدر احکام اسلامی کی خلاف ورزی کرنے کے باوجود ان کی برأت کیسے صحیح قرار دی جاسکتی ہے۔

حضرت محمد بن علیؓ اور برأت حسینؓ

اولاً محمد بن علی (ابن الحنفیہ) کے بارے میں عباسی صاحب کا نظریہ ملاحظہ کیجئے:

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزید کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی۔ انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۷) اس کے علاوہ کتاب میں متعدد جگہ ان کے طرز عمل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ یزید کے خلاف خروج کو محض طلب حکومت وخلافت کا ایک ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز نہ تھا۔

اور خود ہی عباسی صاحب نے حضرت محمد بن علیؓ کی یزید کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران گفتگو حضرت حسینؓ کی برأت کرتے ہوئے یزید کو یہ باور کرانے کا حوالہ کہ حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو پیش فرما کر یہ اقرار کرلیا کہ واقعی میری تاریخی ریسرچ امام حسینؓ کی تنقیص شان اور یزید کی عظمت شان کے

بارے میں بالکل اختراع اور خلافت حقیقت ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ کیجئے:

''حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہیئے جو مجھے ناگوار ہو''

یزید نے جواب دیا: ''میرے چچیرے بھائی میں حسین کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دکھے۔'' (خلافت معاویہ ویزید ص ۱۸۲)

ناظرین کرام غور فرمادیں کہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے حضرت امام حسینؓ کی شان کے خلاف عباسی صاحب کے متفق علیہ خلیفہ کی زبان سے ایک لفظ سننا بھی گوارہ نہ کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں یہ واضح کردیا کہ گو میرا نظریہ خروج کے بارے میں محض خونریزی کے خطرہ سے حضرت حسینؓ کے نظریہ سے مختلف تھا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حضرت حسینؓ نے دینی زاویہ نگاہ سے کوئی ایسا اقدام کیا جس سے ان کی شان عظمت میں کوئی فرق آگیا تھا۔ بلکہ یزید اور طرفداران یزید کو امام عالی مقام کی شان عظمت سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت محمد بن علیؓ نے اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ امام حسینؓ کے خلاف کوئی ایسا پروپیگنڈہ جس سے ان کی تنقیص شان کا ادنیٰ شائبہ تک پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہ بھی ناقابل برداشت ہے کیونکہ حضرت حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو۔ جب حضرت محمد ابن الحنفیہؒ کے روکنے سے عباسی صاحب کے متفق علیہ خلیفہ کو بھی حضرت حسینؓ کے خلاف شان کوئی لفظ استعمال کرنے کا جواز نہیں تو پھر آنجناب کی تاریخی ریسرچ جو حضرت حسینؓ کی نہ صرف تنقیص شان پر مبنی بلکہ آپ کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو ایک ادنیٰ مسلمان کے لئے بھی استعمال نہیں کئے جاسکتے کیسے اس قابل ہے کہ اس کو منظر عام پر کر حضرت ابن الحنفیہؒ کی مخالفت کر کے ان کی روح کو اذیت پہنچائی جائے۔ ریسرچ کی عرق ریزی ملاحظہ کیجئے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلہ میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے وہ لکھتا ہے۔

اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے حولناک خطروں کو نظر انداز کردیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو اُن کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اِس تصویر میں خدوخال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حبّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر وبیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی (ولی عہدی) کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کرسکے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۴)

اس عبارت کو غور سے پڑھیئے اور اندازہ لگایئے کہ عباسی صاحب نے یہ حوالہ پیش فرما کر کس طرح رقابت خاندانی کا زہر اگلا ہے۔ امام عالی مقام کو ناکام مدعی معمولی قسمت آزما جو اپنی مطلب برآری کے واسطے جائز وناجائز کی بھی کوئی پرواہ نہ کرتا ہو بناوٹی ولی اللہ بے دانش محب جاہ، باغی عہد شکن (غدار) بلا دلیل دعویدار کے ناجائز القاب دیئے گئے ہیں۔

اندازہ لگایئے کہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ جب یزید سے امام حسینؓ کی شان کے خلاف ایک لفظ سننے کے لئے تیار نہیں بلکہ فوراً یزید کو منع کردیتے ہیں۔ اگر آج حضرت محمد بن الحنفیہؒ زندہ ہوتے کیا ایسی دل آزار تاریخی ریسرچ سے خوش ہوتے یا صد بار اس سے بیزاری کا اعلان فرما کر عباسی صاحب کی نامحمود ونامسعود کوشش کو پائے استحقار سے ٹھکرادیتے۔ اگر عباسی صاحب کو حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی ذات گرامی کا کوئی لحاظ نہیں تھا تو کم ازکم اپنے شرعی خلیفہ یزید ہی کی اتباع میں امام حسینؓ کی شان کے خلاف ایسا کوئی لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتے جس سے آپ کی تنقیص شان

کا کوئی پہلو نکلتا ہو جیسا کہ یزید حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے منع فرمانے سے رک گیا۔

عباسی صاحب نے دوزی کے بکواس کو تو قابل لحاظ و قابل اتباع سمجھ کر بڑے فخر سے اس کو نقل کیا ہے۔ لیکن حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے ارشادات کو جو برأت حسینؓ سے متعلق ہیں کی پرواہ تک نہیں کی کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ اس ریسرچ کی بنیاد ہی امام حسینؓ کی تنقیص شان پر رکھی گئی ہے۔

لیکن خود حضرت امام حسینؓ کے بری الذمہ ہونے پر دلیل پیش کر رہے ہیں۔ یہ امام حسینؓ کی کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔

تمام صحابہ کرام جو خروج کو خونریزی کی وجہ سے نامناسب سمجھتے تھے۔ اگرچہ یزید فاسق ہی تھا۔ ان میں عباسی صاحب کے نزدیک جو سب سے پیش پیش رہے ہیں وہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی ذات گرامی ہے۔

ان کے مذکورہ بالا فرمان سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کے طرز عمل سے انقاء یزید اور اس کے شرعی خلیفہ ہونے پر استدلال کرنا خود ان کے برأت حضرت حسینؓ سے متعلق ارشادات کی تغلیط کرتے ہوئے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنے کے مترادف ہے۔ تو یہاں سے تمام صحابہ کرام کے طرز عمل کی وضاحت بھی ہو گئی۔

موقف صحابہؓ و تائید امام حسینؓ

عباسی صاحب کا صحابہ کرام کی خاموشی کو انقاء یزید اور اس کے جائز خلیفہ ہونے پر حمل کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ ورنہ لازماً خروج کے نتیجہ میں احکام اسلام کی خلاف ورزی کے پیش نظر امام عالی مقام کو باغی اور سخت گنہگار کہنا اور ان کے اس ناجائز اقدام کی مذمت کرنا صحابہ کرام کی جانب سے لازمی و ضروری تھا۔ لیکن کتب تاریخ و سیر اس سے خالی پڑی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس حضرت امام حسینؓ کی خلاف شان لفظ سننے گوارا نہ کرنا جیسا کہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے طرز عمل سے ظاہر ہے آخر کیوں؟ اور صحابہ کرام کی جانب سے بھی بجائے ان کی مذمت کے خاموش رہنا یزید کے نااہل ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر واقعی یزید صحابہ کرام کے نزدیک بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ عباسی صاحب کا دعویٰ ہے۔ تو پھر کیا امام

حسینؓ کو روکنے میں صرف افہام وتفہیم تک بات محدود رہتی۔ ہرگز نہیں بلکہ جس طرح حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح ومصالحت کر لینے پر حضرت امام حسینؓ کی مخالفت کو محض افہام وتفہیم سے ختم نہیں کیا بلکہ بقول عباسی صاحب کے بڑے بھائی کی سختی اور ان کی زجر وتوبیخ نے امام حسینؓ کو مخالفت سے روک دیا جیسا کہ یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے بھائی سے یہ الفاظ کہے:

''فقال اخوہ واللہ لقد ھممت ان اسجنک فی بیت واطبق علیک بابہ حتی افرغ من ھذالشان ثم اخرجک فلمارای الحسین ذلک وسکت وسلم'' (البدایہ النہایہ ص ۱۵۰ ج نمبر ۸)

ترجمہ: تو ان کے بھائی نے کہا خدا کی قسم میں تم کو گھر میں قید کر دوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کر دوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح ومصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حسینؓ نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور اتباع کی۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۹۵)

اسی طرح صحابہ کرام پر بھی ضروری ولازمی تھا۔ خاص کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر کہ امام حسینؓ کو سختی سے روک کر کسی مکان میں قید کر دیتے۔ جب بقول عباسی صاحب تمام صحابہ کرام یزید کو شرعی خلیفہ سمجھتے تھے تو پھر بتلایا جائے کہ انہوں نے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ کے اوپر کیوں عمل نہ کیا، کیا وہ نعوذ باللہ دین سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ یا حضرت امام حسینؓ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے اور اسی طرح حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) پر بھی ضروری ولازمی تھا کہ حضرت حسینؓ کو سختی سے روک کر حضرت حسنؓ کی مثال قائم کر کے امت کو اس فتنہ عظیم سے محصون ومحفوظ فرماتے بلکہ اس کے برعکس صحابہ کرام کا طرز عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یزید کی نااہلیت پر تو تمام صحابہ کرام کو اتفاق تھا لیکن یزید پر خروج کو محض فتنہ فساد و خونریزی کی وجہ سے نامناسب خیال فرماتے تھے۔

لیکن جب یزید اپنی بدکرداریوں میں حد سے گزر گیا اور ساکنان مدینہ منورہ نے اس کے باوجود خاموش رہنا عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف سمجھتے

ہوئے یزید کی بیعت کو فسخ کر کے میدان جہاد میں کودنا ہی باعث نجات سمجھ کر علم جہاد بلند کیا جو واقعہ حرۃ سے مشہور ہے۔

یزید علماء امت کی نظر میں

تاریخی لحاظ سے کردار یزید کی وضاحت کے بعد اب اس کی شرعی پوزیشن کو علماء امت کے نظریات سے واضح کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جو اسی سلسلہ میں ہے پیش کی جاتی ہے:

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اخاف اھل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔ (مسلم شریف)

ترجمہ: جو شخص خوفزدہ کرے گا مدینہ والوں کو اللہ تعالیٰ اس کو خوف زدہ کرے گا اور اس پر لعنت اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

اہل علم حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اہل مدینہ نے جب یزید کی بدکرداریوں کی وجہ سے اس کی بیعت کو فسخ کیا تو یزید کی اجازت پر کس طرح اس کے بدبخت لشکریوں نے اہل مدینہ کے مقدس ترین خون سے اپنے منحوس ہاتھوں کو رنگین کر کے اپنی عاقبت کو برباد کیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس حدیث کا مصداق یزید پلید اور اس کے لشکری نہیں تو اور کون ہے اگر اہل مدینہ کو ظلماً قتل کر کے اور مدینہ منورہ کی بے حرمتی کے بعد بھی حدیث مذکورہ بالا کا مصداق یزید اور اس کے لشکری جنہوں نے وہاں ہر ظلم کو روا رکھا نہیں ہیں تو پھر اور کوئی شخص اس کا مصداق نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کے اس بدترین فعل کو قبیح شمار کیا جاسکتا ہے۔ العیاذ باللہ!

آگے اہل مدینہ کی فسخ بیعت کی وجہ ملاحظہ کیجئے:

امیر الانصار حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ

حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ جو انصاری کے امیر کہلاتے تھے۔ وہ بیعت یزید کے فسخ کرنے کی وجہ ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

"فقد اخرج الواقدی من طرق ان عبداللہ بن حنظلة بن الغیل قال واللہ ماخرجنا علی یزید حتی خفنا ان نری بالحجارة من السماء انه رجل ینکح امهات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوة"

(صواعق محرقہ ص ۱۳۲)

واقدی نے متعدد طرق سے یہ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہؓ نے فرمایا کہ واللہ ہم نے یزید کی بیعت کو اس وقت فسخ کیا جب ہم کو اپنے اوپر آسمان سے پتھر برسائے جانے کا خطرہ پیدا ہوا کہ وہ (یعنی یزید) ایسا آدمی ہے کہ وہ نکاح کرتا ہے امہات اولاد اور بنات اور اخوات سے اور پیتا ہے شراب اور تارک نماز ہے۔

امیر الانصار حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کے بیان سے اہل مدینہ کے خروج کی وجہ اور یزید کی پوزیشن واضح ہوگئی۔

مجدد اوّل حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیز، خامس الخلفاء الراشدین اور سادات تابعین اور اموی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ان کا زمانہ یزید کے زمانے کے بہت ہی قریب تھا۔ وہ یزید کے حالات سے کما حقہ واقف تھے۔ ان کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہا تو آپ نے اس شخص کو ڈانٹا اور اس کے بیس ۲۰ درے لگوائے۔ یہ واقعہ صواعق محرقہ اور تہذیب التہذیب اور تاریخ الخلفاء مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے راویوں کی تہذیب التہذیب میں توثیق فرماتے ہیں جس سے اس واقعہ کی صحت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یزید کو امیر المومنین کہنے پر نکیر کرنا اور کہنے والے پر حد جاری کرنا یزید کی شرعی پوزیشن کو واضح کر رہا ہے اور آئندہ اس کو امیر المومنین کہنے والے کے واسطے شرعی سزا بھی بتلا رہا ہے۔

ائمہ اربعہ

علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں یزید کے بارہ میں "کیا الہراسی" کا قول نقل کر رہے ہیں۔ جس سے یزید کے بارہ میں ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہوتا ہے:

''مسئل الکیا الھراسی الفقیہ الشافعی عن یزید بن معاویہ ھل ھو من الصحابہ ام لا وھل یجوز لعنہ ام لا فاجاب انہ لم یکن من الصحابۃ لانہ ولد فی ایام عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ واما قول السلف ففیہ لکل واحد من ابی حنیفہ ومالک واحمد قولان تصریح وتلویح ولنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذلک وھو المتصید بالفھد ولعب بالنرد ومدمن الخمر''

(حیوۃ الحیوان ص ۱۹۵ ج ۲)

ترجمہ: ''الکیا الہراسی فقیہ شافعی سے سوال کیا گیا کہ یزید بن معاویہ صحابہ میں سے ہے یا نہیں۔ آیا اس پر لعنت جائز ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یزید صحابہ میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کی ولادت حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں ہوئی ہے رہا سلف صالحین کا قول اس کی (لعنت) کے بارے میں تو، اس میں امام ابوحنیفہ ،امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں۔ ایک تصریح کے ساتھ، ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے نزدیک ایک ہی قول ہے۔ یعنی تصریح نہ کہ تلویح (یعنی صراحت کے ساتھ لعنت کا جواز) اور کیوں نہ ہو جب کہ یزید کی کیفیت یہ تھی کہ وہ چیتوں کے تو شکار میں رہتا اور نرد سے کھیلتا اور شراب خواری کرتا''

اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک یزید کے بارے میں واضح ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یزید کا فسق و فجور کس قدر واضح و ناقابل انکار ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے اوپر لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا۔ حضرت امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ صراحت کے ساتھ یزید پر لعنت کے قائل ہیں جیسا کہ صواعق محرقہ میں امام احمد بن حنبل کا قول یزید کے بارے میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

''فقال یابنی وھل یتولی یزید احل یومن باللہ ولم لا العن من لعنہ فی کتابہ'' (صواعق محرقہ ص ۱۳۲)

ترجمہ: ''تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا، ایسا بھی ہوگا جو یزید سے دوستی کا دم بھرے اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔''

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایمان باللہ اور حب یزید کا اجتماع نا ممکنات میں سے ہے جیسا کہ ان کے مذکورہ بالا فرمان سے واضح ہے۔

محققین علماء امت ومحدثین کرام

مثل علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا الہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء سلف کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ کتاب میں ان کے حوالہ جات سے واضح ہے۔

علامہ ابن حجر ہیثمیؒ

علامہ ابن حجرؒ صواعق محرقہ میں اہل سنت والجماعت کے یزید کے بارہ میں دو گروہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک گروہ یزید پر لعنت کے جواز کا قائل ہے۔ دوسرا گروہ اس پر عدم لعنت کا قائل ہے۔ ان دونوں گروہوں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

"وبعد اتفاقهم على فسقه اختلفوا في جواز لعنه بخصوص اسمه فاجازه قوم منهم ابن الجوزي ونقله عن احمد وغيره" (صواعق محرقہ ص ۱۳۲)

ترجمہ: "اور یزید کے فسق پر ان کے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) متفق ہونے کے بعد اختلاف ہوا اس پر نام لے کر لعنت کرنے میں بعض نے اسے جائز رکھا۔ ان میں ابن جوزی ہیں۔ انہوں نے یہ جواز امام احمد سے نقل کیا ہے"

علامہ ابن حجر کی اس عبارت سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جو شخص یزید کو فاسق وفاجر کی بجائے متقی وپارسا سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا یزید کے بارہ میں مکتوب گرامی

یزید بد بخت فاسقوں کے زمرہ سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لئے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابولہب جہنمی اور اس کی عورت۔

"نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں۔"

"ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ"

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے" (مکتوب نمبر ۲۵۱ دفتر اورص ۴۴۳)

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی

مولانا یزید پر لعنت وعدم لعنت پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ سب سے اچھا مسلک یہ ہے کہ اس شقی کو ترحم اور مغفرت سے یاد نہ کرے اور لعنت جو کافروں کے لئے مخصوص ہے اس سے بھی اپنی زبان کو آلودہ نہ کرے کیونکہ باوجود کفر کے شیطان پر بھی لعنت نہ کرنا برا نہیں۔ (مجموعہ الفتاوی مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۰۵)

"امام اھل سنت والجماعت حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ الحق انہ کان ملکامن ملوک المسلمین لہ حسنات ولہ سیات والقعول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوک لانحبہ ولانسبہ" (مجموعہ فتاوی مصریہ ص ۲۱۰)

ترجمہ: "اور حق بات یہ ہے کہ وہ (یعنی یزید) ایک بادشاہ ہے۔ مسلمان بادشاہوں سے کہ اس کی نیکیاں بھی ہیں اور نافرمانیاں بھی اور اس کی مثال اس جیسے بادشاہوں کی ہے نہ ہم اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کو گالی دیتے ہیں"

امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک یزید عام شاہان اسلام کہ جن میں اچھائی اور برائی دونوں پائی جاتی ہیں۔ کی مانند ہے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں کہ یزید اہل سنت والجماعت کے نزدیک اچھائی اور برائی کا جامع ہونے کی وجہ سے فاسق و فاجر سمجھا جائے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں کہ ہندوستان کو علوم اسلامیہ سے سب سے پہلے روشناس کروانے والی صرف آپ کی ذات بابرکات ہے۔ آج اگر ہندوستان کی علوم اسلامیہ کی تابانی کے سامنے تمام

ممالک اسلامیہ کی آنکھیں خیرہ ہیں تو وہ آپ ہی کے خاندان کی قربانی کا ثمرہ ہے۔
ان کا یزید کے بارے میں نظریہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت حذیفہؓ کی روایت شدہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثم ینشاء دعاۃ القتال'' کا مصداق یزید و مختار کو ٹھہراتے ہیں۔

''و دعاۃ الضلال یزید بالشام و مختار بالعراق (حجۃ اللہ البالغۃ''

(جلد ثانی ص ۵۰۸)

''اور گمراہی کی طرف بلانے والا یزید ملک شام میں مختار عراق میں''

اہل کا فیصلہ ناظرین کرام پر چھوڑتا ہوں کہ جب یزید محض یہی نہیں کہ وہ خود گمراہ ہے بلکہ گمراہی کا داعی ہے کیا گمراہی کی جانب دعوت دینے والا متقی و پارسا و شرعی خلیفہ ہونے کے قابل تصور کیا جاسکتا ہے ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح ہندوستان کی عظیم ترین شخصیت ہے وہ لعنت یزید میں توقف کی وجہ ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

''در لعن یزید توقف از الجہت است کہ روایات متعارضہ متخالفہ از اربلید در مقدمہ شہادت امام علیہ السلام وارد شدہ''

ترجمہ: ''یزید پلید پر لعنت میں توقف اس وجہ سے ہے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے واقعہ میں اس پلید کی جانب سے ایک دوسری کے مخالف و متعارض روایات وارد ہیں۔''

اس عبارت سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا نظریہ یزید کے بارے میں صاف ظاہر ہے۔ اُن کی عبارات میں جہاں یزید کا تذکرہ ہے وہ اس کو پلید کے لفظ سے ہی تحریر فرماتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ امام حسینؓ کے خروج کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وھنوز اھل مدینہ واھل مکہ واھل کوفہ بہ بتسلط یزید پلید راضی نہ شدہ بودند'' (فتاوی عزیزی ص ۲۱)

ترجمہ: ''اور ابھی اہل مدینہ اور اہل مکہ واہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے راضی نہیں ہوئے تھے۔''

حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ یزید کے بارے میں طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک یزید پلید سب آدمیوں سے زیادہ بدتر ومبغوض ہے اور اس بے سعادت نے وہ کام کئے ہیں کہ اس امت میں کسی نے نہیں کئے بعد قتل امام حسینؓ کے اور اہل بیت کی اہانت کی۔ اُس نے مدینہ منورہ کو خراب کرنے اور وہاں کے رہنے والوں کے قتل کرنے کو لشکر بھیجا اور بقیہ اصحاب وتابعینؓ کے قتل کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کی تخریب کے بعد مکہ معظمہ اور اس کی حرم شریف پر قبضہ کرنے کا اور عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کا حکم دیا۔ انہیں دنوں اسی حالت میں وہ مرگیا۔

(نورالایمان ترجمہ نورالایقان مصنف حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی ص ۹۴)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا گنگوہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لہٰذا یزید کے وہ افعال ناشائستہ ہر چند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہوگیا کہ وہ ان مفاسد سے راضی وخوش تھا اور ان کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدون توبہ کے مرگیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یوں ہی ہے اور جو علماء اس میں تردد رکھتے ہیں کہ اول میں وہ مومن تھا اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا تحقیق نہیں ہوا پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں لہٰذا وہ فریق علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۳۹)

اس عبارت سے حضرت مولانا گنگوہیؒ کا نظریہ یزید کے بارے میں ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے لعنت یزید کے بارے میں دو گروہ ہیں ایک گروہ اس پر جواز لعنت کا قائل ہے اولا دوسرا گروہ عدم جواز کا قائل ہے اور حضرت مولانا گنگوہی بھی عدم جواز لعنت کے قائل ہیں بہر صورت فسق یزید پر تمام کا اتفاق ہے۔ لیکن حضرت مولانا دونوں گروہوں کی تصویب فرما کر ترجیح عدم جواز لعنت کو دیتے ہیں جیسا کہ آگے انہوں نے خود اس کی تصریح کی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حضرت مولانا تھانویؒ حضرت امام حسینؓ کے خروج کے بارے میں ایک طویل سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے، دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا، حضرت امام نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں بس ہم اس بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانے گے۔"

باقی یزید گو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ خصوص جب کہ حضرت امام آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا اس کو تو عداوت ہی تھی چنانچہ امام حسنؓ کے قتل کی بنا یہی تھی اور مسلط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے مگر مسلط ہونا کب جائز ہے خصوص نااہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔

(فتاوی امدادیہ ص ۵۴ ج ۵)

حضرت مولانا تھانویؒ نے اتنی عبارت میں بہت سے اشکالات کا حل فرما دیا۔ منیب کے لئے تو بس یہی کافی ہے۔ ضدی کے واسطے تمام قرآن بھی ناکافی ہے۔

اِن حضرات کے علاوہ استاذی المکرم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فسق یزید کے قائل ہیں۔ اور حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی کفر یزید کے قائل ہیں جیسا کہ تفسیر مظہری ص ۲۱۹ ج ۵ میں انہوں نے کفر یزید پر دلائل پیش کئے ہیں۔

علماء محققین کے پیش کردہ نظریات کے پیش نظر جب کہ بعض اُن میں سے لعن یزید کے قائل ہوں۔ یزید کے لئے کون سی خوبی ہے جس کو ثابت کرنے کے واسطے عباسی صاحب نے نامحمود کوشش فرمائی ہے۔ جب نصوص احادیث و تاریخ اسلامی وعلماء ربانی کے نزدیک یزید کی بدکرداریوں کی وجہ سے اس کا مذکورہ بالا مقام متعین ہو چکا ہے۔ پھر اس کو وہاں سے اٹھا کر بلند مقام پر لے جانا عباسی صاحب کے بس کی بات نہیں ہے۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ

شاہ ہست حسین پادشاہ ہست حسین
دین ہست حسین دین پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست دردست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ ہست حسین

یہاں حضرت امام حسینؓ کے اقدام خروج کی صحت ہی نہیں بلکہ لاالہ کی بنیاد ہی امام عالی مقام کے اس اقدام شرعی پر رکھتے ہوئے یزید کی نااہلیت کو حضرت معین الدین چشتیؒ واضح فرمارہے ہیں۔

فسق یزید

فسق یزید کے بارے میں قبل ازیں ارشادات نبوت گزر چکے ہیں جن کا مصداق محدثین کرام نے یزید ہی کو قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اُس کے ذاتی فسق وفجور کے علاوہ خاندان نبوت کی شہادت اور اسلام کے مقدس ترین مراکز کی بے حرمتی اور وہاں کے باشندگان شمع نبوت کے پروانوں کا قتل عام یہ تین کارنامے اُس کے دور اقتدار کے ایسے قبیح وبدترین افعال ہیں کہ جن کی وجہ سے ارشاد نبوت: "ھلکة امتی علی ایدی غلیمة من قریش" کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی کا مصداق یزید اور اُس کے ہمنوا ساتھیوں کے سوا اور کسی کو قرار ہی نہیں دیا جاسکتا بلکہ بعض روایات میں یزید کے نام کی تصریح موجود ہے۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے۔

"لایزال امر هذه الامة قائماً بالقسط حتی یکون اوّل من غلیمه رجل من بنی امیة یقال له یزید" (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۱ ج ۸)

ترجمہ: "میری امت کا امر و حکم عدالت کی بنیادوں پر قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا وہ شخص جو اُسے تباہ کرے گا بنی امیہ سے ایک آدمی ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔"

اور یہ روایت صواعق محرقہ میں بھی موجود ہے۔

اس کی سند میں اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن دوسری احادیث اور یزید کے افعالِ شنیعہ اور محدثین نے فہم ثاقب کے پیش نظر اس کی سند میں کلام ضرر رساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ کیجئے:

"من اخاف اهل المدینة ظلماً اخافه الله وعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین" (مسلم شریف)

ترجمہ: "جس نے خوف زدہ کیا اہل مدینہ کو ظلماً خوف زدہ کرے گا اللہ اُس کو اس پر خدا کی لعنت اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی"

یزید کی فوج نے اس کے حکم سے جس قدر بدترین سلوک ساکنانِ مدینۃ الرسول سے کیا ہے اس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کون سا وہ ظلم تھا جو ان بدبخت لشکریوں نے صحابہ کرام و تابعین عظام کے برگزیدہ گروہ سے نہیں کیا۔ اس قدر وضاحت کے بعد یزید اور اس کے بدبخت لشکریوں کو حدیث مذکورہ کا مصداق قرار نہ دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ یزید کے بارے میں تفصیلی بیان پہلے مذکور ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

لیکن اس کے برخلاف راقم الحروف نے ایک ماہانہ رسالہ میں استاذی المکرم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مدظلہ العالی کی کتاب شہید کربلا اور یزید پر تبصرہ دیکھا جس میں ایک صاحب کی طرف سے حضرت موصوف کی فسق یزید کے منصوص ثابت کرنے میں سختی سے مخالفت کی ہے جس کے

پڑھنے کے بعد راقم الحروف کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس قدر وضاحت کے بعد ایک صحیح وثابت شدہ چیز کی مخالفت محض اس بنا پر کرنا کہ اُن کا سابقہ مضمون کہیں غلط نہ ہوجائے باعث استعجاب نہیں تو اور کیا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے فسق یزید کے منصوص ہونے کے خلاف جو دلائل پیش فرمائے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے:

''کہ یزید کے فسق کو ہم ایک عقیدہ کی طرح واجب التسلیم نہیں سمجھتے ہماری ناقص رائے میں یزید کے فسق کا مسئلہ ایک خالص تاریخی مسئلہ ہے۔''

تاریخ سے اگر کسی کے نزدیک یزید کے متعلق ان اعمال وافعال کی نسبت صحیح ثابت ہوتی ہے جو موجب فسق ہیں تو بے شک اس پر فسق کا شرعی حکم لگے گا لیکن شریعت یہ کسی پر لازم نہیں کرے گی کہ یزید کو فاسق مانا جائے اور اس کے لئے فسق کے ثبوت پر عقیدہ رکھا جائے اس لئے کہ یہ ثبوت کسی شرعی نص سے نہیں بلکہ تاریخ سے ہورہا ہے اور تاریخ خواہ فنی اعتبار سے کسی کے فسق کا کتنا ہی پکا ثبوت پیش کرتی ہو شرعی اعتقاد کی موجب نہیں ہوسکتی۔ آگے فرماتے ہیں۔

الغرض کسی معین شخص کی اچھائی برائی کا بطور عقیدہ واجب التسلیم ہونا صرف کتاب وسنت کی خبر کی بنا پر ہوسکتا ہے اور کسی بنیاد پر کسی معین شخص کی اچھائی برائی بطور عقیدہ واجب التسلیم نہیں۔

پس کسی بھی شخص کی اچھائی برائی کا مسئلہ جو نصوص کتاب وسنت کی بجائے تاریخی روایات پر مبنی ہو عقائد کے باب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آگے فرماتے ہیں۔

کہ آخر ان روایتوں میں سے کونسی روایت میں اس امر کی واجب الاعتقاد تعیین ہوتی ہے کہ غلمۃ من قریش میں یزید بھی ضرور داخل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اگر ۶۰ھ سے پناہ سے مانگتے تھے یا کون کہہ سکتا ہے کہ حضور کے الفاظ امارۃ صبیان میں یزید کی امارت بھی ضرور شامل ہے۔

خصوصاً اس وقت جب کہ امارت صبیان کی جو علامت حضور ﷺ نے بیان فرمائی اسے یزید پر منطبق کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ ذاتی طور پر ہزار فسق میں ڈوبا ہوا سہی مگر اس سے کوئی ایسا حکم ثابت نہیں جس پر عمل کرکے امت کا

دین برباد ہوتا ہو اور جب ایسا کوئی حکم ثابت نہیں تو اس کا تو سوال ہی نہیں کہ اپنے کسی ایسے حکم کی نافرمانی کئے جانے پر اس نے لوگوں کو مارا کاٹا ہو۔

پس آنحضرت نے صرف اتنا فرمایا کہ ساٹھ سال کے بعد آپ کی امت میں بعض ایسے خلف پیدا ہوں گے۔ یہ ساٹھ سال کب پورے ہوئے اس کا کوئی ذریعہ علم آج کسی کے پاس نہیں اس کا صحیح علم اگر ہوسکتا تھا تو صرف ابوسعید خدریؓ (روای حدیث) کو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سننے والے کسی دوسرے صحابی کو۔ مگر ہمیں صرف ابوسعید خدریؓ ہی کا نام معلوم ہے کہ انہوں نے یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب اسی واقعہ کی طرف توجہ کیجئے کہ ابوسعید خدریؓ ان صحابہ میں ہیں جنہوں نے حضرت حسینؓ کو یزید کی بیعت پر مستقیم رہنے کی تلقین کی ابن کثیر ناقل ہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔

کیا اس سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ جو ہمارے علم میں واحد ہستی ہیں جنہیں اس ساٹھ سال کی مدت کا صحیح شمار ہوسکتا تھا۔ اُن کے شمار سے ساٹھ سال کی یہ مدت ۶۰ھ میں پوری نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ جن روایات کی رو سے یزید قطعی جہنمی ثابت ہو رہا تھا۔ وہ حسین (سیّد شباب اہل جنت) کو اس جہنمی کے خلاف خروج کے معاملے میں اللہ سے ڈرا رہے ہیں۔

یہ مضمون نگار کے اپنے خیالات ہیں جن کے دلائل سطحی لحاظ سے بڑے پختہ و ناقابل تردید معلوم ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض حضرات نے فسق یزید کے منصوص ہونے کی تغلیط شروع کردی جس سے نہ صرف اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی تغلیط لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ جیسا کہ آگے جواب سے واضح ہے۔

لیکن درحقیقت یہ دلائل اثبات دعوی میں نہایت ہی کمزور اور مضمون نگار کے عدم رسوخ فی العلم کو عیاں کرتے ہیں اگرچہ مضمون نگاری کے اعتبار سے بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

فسق یزید کے منصوص ہونے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی

مختلف اسلوب سے بیان کی جاچکی ہے۔ اس کے بارے میں محدثین کرام کا نقطہ نظر پہلے کتاب میں درج کیا جاچکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حوالہ اور ہدیہ ناظرین ہے تاکہ فسق یزید کے منصوص ہونے کے بارے میں محدثین کرام کا نظریہ واضح ہوجائے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی محدث زمان کا نظریہ

یزید کے بارے میں علامہ مناوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "ھلاک امتی علی یدی غلمۃ من قریش" کا مصداق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال جمع منهم القرطبی منهم یزید بن معاویه و اضرابه من احداث ملوک بنی امیة فقد کان منهم ما کان من قتل اهل البیت و خیار المهاجرین ولانصار بمکة والمدینة وسبی اهل البیت قال القرطبی وغیر خاف ماصدر عن بنی امیة وحجاجهم من سفک الدماء و اتلاف الاموال واهلاک الناس بالحجاز والعراق وغیرهما۔

قال وبالجملة فبنوا امیة قابلو اوصیة المصطفی صلی اللہ علیه وسلم فی اهل بیته وامته بالمخالفة والعقوق فسکوا دماءهم وسبو النساءهم و اسرو اصغارهم وخربو اديارهم وحجدو اشرفهم وفضلهم واستباحوانسلهم وسبیهم وسبهم فخالفوارسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی وصیته وقابلوه بنقیض قصده وامنیته فیا خجلهم اذالتقوابین یدیه ویافضیحتهم یوم یعرضون علیه وهذا الخبر من المعجزات وقال ابن حجر وتبعه القسطلانی وفی کلا ابن بطال اشارة الی ان اول الاغلمة یزید کان فی سنة ستین قال وهو کذالک فان یزید بن معاویة اتخلف فیها وبقی الی سنة اربع وستین فمات ثم ولی ولده معاویة ومات بعد اشهر قال الطیبی راهم المصطفی صلی اللہ علیه وسلم فی منامه ینعبون علی منبره" (فیض القدیر ص ۳۵۵ ج ۶)

اس سے محدثین کرام کا نقطہ نظر یزید کے بارے میں کہ وہ اس حدیث کا اولین مصداق ہے بالکل واضح ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ محدثین کرام آنحضرت کی اس پیشین گوئی کو معجزات سے شمار کرتے ہیں۔

اس قدر وضاحت کے بعد فسق یزید کو غیر منصوص کہنا باعث استعجاب نہیں تو اور کیا ہے۔ مضمون نگار نے فسق یزید کے مسئلہ کو خالص تاریخی مسئلہ پر عمل کر کے جو غلطی کی ہے اُس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

۱۔ کہ اگر تاریخی اعتبار سے ہی یزید کا فسق تسلیم کرلیا جائے اور پھر تاریخ ہی یزید کے بارے میں شرعی حکم طلب کر رہی ہو پھر بتلایا جائے کیا جواب دیا جائے گا یہی کہ وہ فاسق ہے۔ جب اس پر فسق کا شرعی فتویٰ لگے گا تو پھر شرعی لحاظ سے ایسے شخص کے متعلق کیا نظریہ رکھا جائے گا۔ کیا عقل و نقل دونوں کا یہ فیصلہ نہیں کہ ایسے شخص کے اعمال کے مطابق اس کے فسق کا نظریہ رکھا جائے تا کہ احکام اسلامی کی عظمت برقرار رہے۔

اس صورت میں بھی فسق یزید کے مسئلہ کو خالص تاریخی کہنا صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا، مضمون نگار اپنے کسی سابقہ مضمون کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں ورنہ حقیقت بالکل واضح ہے۔

۲۔ تاریخ فسق کو ثابت نہیں کرتی بلکہ تاریخ ان اعمال و افعال کی مظہر ہے جو موجب فسق ہیں۔ اب جو شخص ایسے افعال کا مرتکب ہوگا جو موجب فسق ہیں اس کے متعلق اگر شارع کی جانب سے کوئی پیشین گوئی موجود ہے تو اس پیشین گوئی کے مطابق اس کے فسق کو عقیدتاً تسلیم کرنا پڑے گا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی معین شخص کی اچھائی برائی کا بطور عقیدہ واجب التسلیم ہونا صرف کتاب و سنت ہی پر مبنی ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر حیثیت سے اس کی تعیین نصوص اسلامیہ سے ہو بلکہ جن افراد کے صالح اور غیر صالح ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا مصداق ہونے کے واسطے ان علامات کا پایا جانا ہی کافی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی میں بیان فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر آنحضرت کے فرمان ثلثون دجالون کذابون کلهم یزعم انه نبی اللہ کو ملاحظہ فرمائے کہ تیس دجال آئیں گے۔ اُن دجاجلہ کی نشانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ہر ایک اُن میں سے اپنے آپ کو نبی اللہ ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اب جو شخص بھی اس دعویٰ کے ساتھ سامنے آئے گا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق سمجھا جائے گا۔

لیکن نص میں ان مدعیان نبوت کی کوئی تعیین نہیں کہ وہ کون کون ہیں اور

اُن کے کیا نام ہیں۔ بلکہ تاریخی لحاظ سے جس کا بھی دعویٰ نبوت ثابت ہوا اُس کے ارتداد کو بطور عقیدہ واجب التسلیم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس دعویٰ کے ساتھ سامنے آنا ہی سب سے بڑی علامت اس کی تعیین کی ہے۔ لیکن افسوس کہ مضمون نگار نے کس قدر غلطی کی ہے کہ مرتدین کا راستہ بھی ہموار کر دیا کہ جب کسی معین شخص کی اچھائی برائی کا بطور عقیدہ واجب التسلیم ہونا صرف کتاب وسنت کی خبر کی بنا پر ہوسکتا ہے اور کسی بنیاد پر کسی معین شخص کی اچھائی برائی بطور عقیدہ واجب التسلیم نہیں تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا کوئی متبع اگر مضمون نگار سے یہ سوال کرے کہ پھر ہمارے نبی کے ساتھ اس کے برعکس اُس کی برائی بطور عقیدہ واجب التسلیم کیسے؟ جب کہ اس کی تعیین بھی تاریخ سے ہو رہی ہے نہ کہ نص سے۔ تو کیا اس کو یہی جواب دیں گے کہ واقعی اس کی برائی بھی بطور عقیدہ واجب التسلیم نہیں ہرگز نہیں۔

تو اس سے یہ صاف واضح ہوگیا کہ کسی معین شخص کی اچھائی برائی کا بطور عقیدہ کتاب وسنت کی خبر پر مبنی ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں جو فاضل مضمون نگار بیان فرما رہے ہیں۔ ورنہ پھر ان مدعیان نبوت کے متعلق کیا عقیدہ رکھا جائے گا۔

پس فسق یزید کے منصوص ہونے کا مسئلہ بھی ایسا ہی سمجھئے جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد کا بطور عقیدہ واجب التسلیم ہونے کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تعیین بجائے نص کے تاریخ سے ہو رہی ہے۔ ایسا ہی یزید کے تعیین بھی تاریخ ہی سے کافی سمجھی جائے گی۔ جب نفس ایمان کے مخالف کی تعیین کے لئے تاریخ کافی تصور کی جاسکتی ہے تو پھر عملی زندگی کے کمزور شخص کی تعیین کے لئے تو بطریق اولی تاریخ کافی تصور کی جائے گی۔ پس یہ کہنا کہ کسی بھی معین شخص کی اچھائی برائی کا مسئلہ جو نصوص کتاب وسنت کی بجائے تاریخی روایات پر مبنی ہو۔ عقائد کے باب میں داخل نہیں ہوسکتا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہنا کہ یزید سے کوئی ایسا حکم ثابت نہیں کہ جس پر عمل کر کے امت کا دین برباد ہوتا ہو۔ کس قدر غلط اور خلاف حقیقت ہے کیا استعلال مکہ مکرمہ اور اباحت مدینہ طیبہ اور مدینہ الرسول کے باشندوں کے قتل عام کا حکم دین کی اشاعت کا سبب تھا اور اسلام کے مقدس ترین مقامات کی

بے حرمتی امت کے دین کی اگر بربادی نہیں تو اور بربادی کسی چیز کا نام ہے۔

کیا خاندان نبوت کی بے حرمتی اُس کے اقتدار کی منحوس یادگار نہیں۔ اس کی ذمہ داری اگر یزید پر نہیں اور کس پر اس کی ذمہ داری ڈالی جائے گی۔ فوجی آفیسر بھی آخر اُسی کے ماتحت تھے۔ کیا اس قدر عظیم ترین شخصیت پر ہاتھ ڈالنا کسی فوجی افسر کا ذاتی فعل قرار دیا جاسکتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تو فرماتے ہیں کہ یزید پلید کو اہل بیت سے عداوت تھی۔ اصل عبارت ملاحظہ کیجئے۔

پس معلوم ہوا کہ آزردگی معصوم کے ساتھ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو تعصب اور عداوت کی بنا پر ہو۔ جس طرح یزید پلید کو عداوت اہل بیت اطہار کے ساتھ تھی (تحفہ اثنا عشریہ ص ۴۱۴) تو پھر کیا جن سے محبت ومودت جزو ایمان ہے۔ اُن کی بے حرمتی ہی نہیں بلکہ خاک وخون میں لپٹانا اُمت کے دین کا برباد کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کے اقتدار میں جس کو اُن سے عداوت ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے تو وہ قریب غی (وادی جہنم) میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اس پر فاضل مضمون نگار فرماتے ہیں۔ یہ ساٹھ سال کب پورے ہوئے اس کا کوئی ذریعہ علم آج کسی کے پاس نہیں۔ کس قدر غلط اور بے بنیاد بات تحریر کی ہے۔ حضرت مولانا نے غور نہیں فرمایا کہ اگر پیشین گوئی کے وقوع فی الخارج کے بعد بھی کسی کو آج تک ساٹھ سال کے پورے ہونے کا علم نہیں ہوا تو پھر پیشین گوئی کا اعجاز ہرگز برقرار نہیں رہ سکتا۔

دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیشین گوئی ہی صحیح نہیں اس لئے کہ جب آج تک کسی کو ساٹھ سال (جو کہ حدیث میں موجود ہیں) کے پورا ہونے کا ہی علم نہیں کہ کب پورے ہوئے۔ یہ اسی صورت میں قابل تسلیم ہے جب یہ مانا جائے کہ پیشین گوئی کا وقوع نہیں ہوا، ورنہ پیشین گوئی کے ظہور کے بعد ساٹھ سال پورے ہونے کا علم نہ ہونا کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا آج تک پیشین گوئی کا

وقوع نہ ہونا اس کا بین ثبوت ہے کہ پیشین گوئی صحیح نہیں العیاذ باللہ۔

لہٰذا یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ ساٹھ سال کے پورے ہونے کا کوئی ذریعہ علم آج کسی کے پاس نہیں۔ دوسرے اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی مدت کی پیشین گوئی کی نسبت لازم آتی ہے جس کے علم کا ذریعہ ہی امت کے پاس کوئی نہ ہو جو شان نبوت کے خلاف ہے۔

رہا حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کا طرز عمل کہ جب خود ہی اس روایت کے راوی ہیں کہ جس کی رو سے یزید جہنمی ثابت ہو رہا ہے وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سید شباب اھل الجنہ کو اس جہنمی کے خلاف خروج کے معاملہ میں اللہ سے ڈرا رہے ہیں آخر یہ کیا ماجرا ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ یزید کے زمانہ اقتدار کے شروع میں جب کہ اس کے تمام افعال شنیعہ منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا تھا۔ کہ ان احادیث کا مصداق یہی صاحب اقتدار ہے۔ کیونکہ ان علامات کے ظہور سے پہلے جن کا ذکر احادیث میں ہے حتمی فیصلہ کرنا کہ یزید ہی ان احادیث کا مصداق ہے کسی طرح بھی درست نہیں تھا۔ اس لئے کہ صحابہ عالم الغیب تو نہیں تھے اور حدیث میں اس کے نام وغیرہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا بعد از ظہور افعال شنیعہ ہی اس کے مصداق ہونے کو پہچانا جا سکتا تھا۔ اس چیز کے پیش نظر حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے استدلال کیسے صحیح اور یزید ان احادیث کا مصداق ہونے سے کیسے خارج۔ پس حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کی روایت بھی صحیح اور یزید کا اس روایت کا مصداق ہونا بھی درست اور حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے خلاف خروج سے روکنا بھی مصداق حدیث ہونے پر اثر انداز نہیں لیکن تمام افعال ناشائستہ منظر عام پر آنے کے بعد مثلاً اھانت اہل بیت واستحلال مکہ واباحت مدینہ صحابہ وتابعین کا قتل عام ہو چکنے کے بعد یزید کی برأت کے لئے حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ کے اس وقت کے طرز عمل سے استدلال پکڑنا جب کہ یہ تمام چیزیں پردۂ غیب میں مستور تھیں مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ راقم الحروف کو یہ معلوم کر کے بڑا صدمہ پہنچا کہ فاضل مضمون نگار بہت بڑی شخصیت کے خلف الرشید ہیں کہ اگر ایسے حضرات کی دینی بصیرت کا یہ حال ہے تو دوسروں پر کیا شکوہ۔۔۔ آگے فرماتے ہیں۔

''قرائن کی بنیاد پر کتنا ہی غالب گمان قائم ہوتا ہو کہ یزید اس فہرست میں داخل ہے مگر یہ احتمال اپنی جگہ رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے داخل نہ ہو۔ اس لئے کہ احادیث کے الفاظ کسی معین شخص کی تعیین کے لئے مساعدت نہیں کرتے اور جب یہ صورت ہے تو ہم میں سے کسی بڑے سے بڑے کے لئے بھی اس جرأت کی گنجائش نہیں ہے کہ ان احادیث کی بنیاد پر کسی شخص معین کے فسق کو ایک عقیدہ کی طرح واجب التسلیم قرار دیا جائے۔ اس کا مآل حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے ظن وتخمین کی بنیاد پر ایک بات کی حتمی نسبت ہے اور اس کی جرأت کو روا رکھنے کا آج تک اسلام میں تصور نہیں کیا گیا۔''

کیا اچھا ہوتا اگر فاضل مضمون نگار اس موضوع پر قلم نہ اٹھاتے اس لئے کہ اس سے محض یزید ہی کی برأت ثابت نہیں ہوتی بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی جس کے ارتداد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات: ''ثلثون دجالون کلهم یزعم انه نبی الله'' میں داخل ہونے پر امت مسلمہ اجماع کرچکی ہے۔ کی بھی برأت تسلیم کرنی پڑے گی کیونکہ یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرائن کی بنیاد پر کتنا ہی غالب گمان ہوتا ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی ان تیس دجاجلہ میں داخل ہے مگر یہ احتمال اپنی جگہ رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے داخل نہ ہو اس لئے کہ احادیث کے الفاظ کسی شخص کی تعیین کے لئے مساعدت نہیں کرتے۔ العیاذ باللہ!

چون کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جب ان احادیث کی بنا پر کسی شخص معین کے فسق کو ایک عقیدہ کی طرح واجب التسلیم قرار دینا صحیح نہیں تو پھر کسی شخص معین کے ارتداد کو جو فسق سے نہایت ہی قبیح ہے۔ ایک عقیدہ کی طرح واجب التسلیم قرار دینا کس طرح صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ واقعی اگر اس قسم کے لایعنی دلائل سے کوئی دعویٰ ثابت ہوسکتا ہے تو پھر ہر شخص اپنے دعوی میں دلائل کے اعتبار سے سچا ہے۔

اس نظریہ سے کہ کسی معین شخص کی اچھائی برائی کا مسئلہ جو نصوص کتاب وسنت کی بجائے تاریخی روایات پر مبنی ہو۔ عقائد کے باب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشین گوئیوں کا غلط ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ ہر پیشین گوئی

کے مصداق کا وقوع فی الخارج کے اعتبار سے پایا جانا تمام اہل اسلام کے نزدیک ضروری ولازمی ہے۔ بلکہ یہ ہمارے ایمان کا لازمی جز ہے کہ جو آقا نے فرمایا وہ ہر صورت ہو کر رہے گا۔ پیشین گوئی کے مصداق کی تعیین جب تاریخی روایت سے نہیں کی جاسکتی جو کہ واحد ذریعہ ہیں۔ اس کی تعیین کا تو پیشین گوئی پھر کیسے اور کیونکر صحیح قرار دی جاسکتی ہے کیونکہ مثال کے طور پر جس شبہ کی بنا پر یہاں یزید کو حدیث کا مصداق قرار دینے سے خارج قرار دیا ہے وہ شبہ ہر اس شخص پر صادق آئے گا جس کو بھی مصداق حدیث قرار دیا جائے گا تو اس صورت میں جس چیز کا مصداق حدیث ہونے کی حیثیت سے خارج میں پایا جانا لازمی وضروری تھا۔ فاضل مضمون نگار کے نظریہ کے مطابق اس کا خارج میں پایا جانا تو درکنار اس کے وقوع فی الخارج کا تصور بھی اسلامی نظریہ کے خلاف ہے۔

اس لئے کہ جس کو بھی تاریخ پیشین گوئی کا مصداق ہونے کے لئے پیش کرے گی۔ اس کے عدم مصداق ہونے پر مذکورہ شبہ اور یہ کہ اس صورت میں اس کا مآل حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے ظن اور تخمین کی بنیاد پر ایک بات کی حتمی نسبت ہے اور اس کی جرأت کو دور رکھنے کا آج تک اسلام میں تصور نہیں کیا گیا کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر تصدیق ثبت کردی جائے گی کہ واقعی یہ اپنے ظن اور تخمین کی بنیاد پر حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک بات کی حتمی نسبت ہے۔

تو اس صورت میں محض یہی نہیں کہ پیشین گوئی کی تغلیط ہے بلکہ اسلامی نظریات کی ایک گونہ تضحیک ہے۔ العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے مامون ومحفوظ رکھے۔

فسق یزید کے منصوص ہونے کا کوئی جدید نظریہ نہیں بلکہ ائمہ محدثین کا یہی نظریہ ہے۔ یہ کہنا کہ علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اس لئے کہ علماء دیوبند ائمہ محدثین سے اس مسئلہ میں متفق ومتحد ہیں اگر اسلاف دیوبند کا اس مسئلہ میں کوئی الگ مسلک ہوتا تو ضرور اس کا کہیں ذکر ہوتا اور محدثین کے نظریہ کی تردید ہوتی بلکہ علماء دیوبند کا فسق یزید کی منصوصیت کے بارے میں وہی مسلک ہے جو ائمہ محدثین کا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اس مسئلہ میں نقطہ نظر ملاحظہ کیجئے۔

حضرت شاہ صاحب حضرت حذیفہؓ کی روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دعاۃ الضلال یزید بالشام و مختار بالعراق'' (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۰۸ ج ۲)

ترجمہ: '' اور گمراہی کی جانب بلانے والا یزید تھا۔ ملک شام میں اور مختار وغیرہ عراق میں۔

یہ آنحضرت کے فرمان ثم یشاء دعاۃ الضلال کا مصداق یزید وغیرہ کو قرار دے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ اس خاندان اور علماء دیوبند کے مسلک کو الگ سمجھنا عدم واقفیت کی دلیل ہے ورنہ حقیقت نصف النہار کے مانند ظاہر ہے کہ علماء دیوبند درحقیقت خاندان ولی اللہی کے مظہر ہیں۔ جس قدر کمالات علمیہ کی بارش علماء دیوبند پر ہوئی، یہ اُسی خاندان کے فیوضات مقدسہ کی برکت کا نتیجہ ہے کہ آج تمام دنیا اس سرزمین سے نکلی ہوئی نورانی شعاعوں سے مستنیر ہو رہی ہے۔

اس کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ علماء دیوبند کا یہ مسلک نہیں قابل تعجب نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا علماء دیوبند اس مسئلہ میں اپنے اساتذہ کے خلاف نظریہ رکھتے تھے۔

رہا علماء کا یہ فرمان کہ جواز لعن وعدم جواز کا مدار تاریخ پر ہے اپنی جگہ صحیح و نا قابل تردید ہے جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا ہے اس لئے نفس فسق تو حدیث سے ثابت ہے لیکن اعمال فسق کا اقبح وغیر اقبح ہونا اور اعمال غیر شریعت کا مستحل وغیر مستحل سمجھ کر ارتکاب کرنے کا مدار تو تاریخ پر ہے۔ یعنی اعمال فاسقانہ کا ارتکاب محض فسق کا فتویٰ دیتا ہے یہ منصوص ہے لیکن آگے ان اعمال فاسقانہ کا اقبح وغیر اقبح یا ان کا ارتکاب مستحل وغیر مستحل سمجھ کر کرنا اس کا ثبوت تاریخ ہی سے ملے گا۔

جواز لعن وعدم جوزا کا مدار تاریخ پر ہونے سے فسق یزید کے مسئلہ کو خالص تاریخی مسئلہ پر محمول کرنا مضحکہ خیز نہیں تو اور کیا ہے۔ اس لئے کہ فسق کے آخری حدود کے غیر منصوص ہونے سے نفس فسق کے غیر منصوص ہونے پر استدلال کرنا اہل علم کی شایان شان کے خلاف ہے کیونکہ ابتداء اور انتہاء کو ایک ہی درجہ میں رکھنا ایام طفولیت کی یاد تازہ کرنا ہے۔

یزید کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصریح کے بعد کہ آپ صاف اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا مصداق قرار دے رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ یہ علماء دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

ستین سنۃ کی بحث

رہی یہ بحث کہ روایات میں جو ساٹھ سالہ مدت کا ذکر ہے۔ اس کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سمجھا جائے یا ہجرت سے اس کے متعلق عرض ہے کہ اس قدر طویل مدت گزرنے کے بعد جب کہ پیشین گوئی بھی نصف النہار کی طرح ظاہر ہو چکی ہو اور شارحین حدیث نے بھی اس کے ایک ایک مصداق کی تعیین کر دی ہو یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد اب اس میں ایسے شبہات پیدا کرنا جس سے مصداق حدیث مشکوک ہوتا ہو پیشین گوئی کے اعجاز کا انکار نہیں تو اور کیا ہے۔

باقی رہی اصل حقیقت، اس کے متعلق عرض ہے کہ پیشین گوئی کا اعجاز علی وجہ الکمال۔ اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے۔ جب پیشین گوئی میں ایسی چیزیں ذکر کی جائیں جو فیما بین الناس معروف و مشہور ہوں کیونکہ غیر معروف اشیاء کا ذکر پیشین گوئی کے اعجاز کے خلاف ہے لیکن ان اشیاء کا معروف و مشہور ہونا ظہور پیشین گوئی کے زمانہ میں ضروری ہے، پیشین گوئی کے وقت ضروری نہیں۔

اب لیجئے اصل بحث کو کہ ۶۰ ھ سے مراد کون سا سن مراد ہوگا۔ مذکورہ بحث کے پیش نظر وہی سن مراد ہوگا جو اہل اسلام میں معروف و مشہور ہے تو متعارف فیما بین الناس وہ سن ہجری ہے نہ کہ سن وفات۔ اس لئے کہ اہل اسلام کے سن کی ابتدا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتی ہے۔ باقی اگر کسی روایت میں سبعین کا فقط ہی آیا ہو۔ یعنی ۷۰ ھ کا ذکر ہو تو اس صورت میں دس سال قبل از ہجرت بھی شامل کرنے پڑیں گے تاکہ روایات میں تعارض نہ رہے۔

لیکن اگر ساٹھ سالہ مدت کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ہی سمجھا جائے اور اس صورت میں یہ مدت ۶۰ ھ پر نہیں بلکہ ۷۰ ھ پر تمام ہونے کا دعویٰ

کر کے یزید کو ان اخلاف کی فہرست سے نکالا جائے، جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے ایسا کیا ہے تو علاوہ دوسری خرابیوں کے کسی بھی شخص کو پیشین گوئی کا مصداق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ جس کے بھی مصداق ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا اُن کے اپنے اصول کے مطابق بہر صورت اس کا مآل حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے ظن اور تخمین کی بنیاد پر ایک بات حتمی کی نسبت لازم آئے گی جس کی جرأت کو روا رکھنے کا آج تک اسلام میں تصور نہیں کیا گیا۔ تو اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا انکار لازم آئے گا جس کا تصور بھی ہر مسلمان حرام سمجھتا ہے۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید کا پس منظر

جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جو ریسرچ پیش فرمائی ہے، اس میں ایک بھی دلیل ایسی نہیں جو یزید کی پارسائی اور اس کی خلافت شرعیہ کے اثبات میں کافی ہو جیسا کہ راقم الحروف نے اجمالاً اس کا تعارف کرایا ہے۔ پھر لطف یہ کہ جن کتابوں سے عباسی صاحب نے حوالہ جات پیش فرما کر اپنا نقطہ نظر ثابت کرنے کی نامحمود سعی فرمائی ہے۔ اُن کے تمام مسلم مصنفین یزید کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عباسی صاحب کی کتاب خلافت معاویہ و یزید کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر صاحب بصیرت اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کو اصل حقیقت سے ادنیٰ مناسبت بھی نہیں بلکہ حقیقت سے اُس کو اُسی قدر بُعد ہے جس قدر اُس کے بے لاگ ریسرچ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں عباسی صاحب نے جو روش اختیار کی ہے۔ اس سے اس کتابچہ کے منظر عام پر لانے کا پس منظر عیاں ہو جاتا ہے کہ اس سے عباسی صاحب حقائق اصلیہ کو ثابت نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنی اغراض پنہانی کے پیش نظر امت مسلمۃ کی خاندان نبوت سے والہانہ عشق و محبت کو رقابت خاندانی کی وجہ سے ختم کرنے کے ارادے سے رقابت خاندانی کے مظہر کو بے لاگ ریسرچ کے نام پر منظر عام پر لائے ہیں۔

رقابت خاندانی کی وجہ سے بعض انسان ایسے کام کر گزرتے ہیں کہ دیانت مسلم تو کجا شرافت انسانی بھی کانپ اٹھتی ہے لیکن وہاں دیانت و شرافت کا گزر تو

درکنار اس کا تصور بھی تو ناممکنات سے شمار ہوتا ہے۔ اس کوچہ میں صرف عباسی صاحب ہی متفرد نہیں بلکہ یہ چیز اُن کو وراثت میں ملی ہے۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں کہ عباسی خاندان کس قدر فاطمی خاندان کے ساتھ جور وظلم کرتا رہا اور اپنے استحقاق اور برتری کو فاطمی خاندان پر ظاہر کرتا رہا۔

خلیفہ منصور عباسی کی ظالمانہ روش جو اُس نے فاطمی خاندان کے ساتھ روا رکھی تاریخ کا ہر طالبعلم اِس سے بخوبی واقف ہے۔ کونسا وہ ظلم تھا جو اس ظالم نے خاندان نبوت کے ساتھ روا نہیں رکھا اور کون سی وہ برتری وفضیلت خاندانی تھی جو اپنے لئے اُس نے مخصوص نہیں کی بلکہ اُس نے محمد مہدی کو جو مکتوب لکھا۔ اُس میں کس طرح اپنا استحقاق اور تفوق خاندان نبوت پر ظاہر کیا جو ایک مسلمان کے اسلامی تقاضے کے خلاف اور ملت اسلامیہ کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔ مکتوب بہت طویل ہے یہاں صرف اُس کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں کہ عہد نبوت کے قریب ترین زمانہ میں ان کے اسلاف پر کس قدر رقابت خاندانی کا بھوت دل ودماغ پر سوار تھا۔

خلیفہ منصور عباسی کا مکتوب محمد مہدی کے نام

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دارومدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جاہل بازاری لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں ،باپوں اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا، اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کے قائم مقام بنایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کو قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت کا پاس ولحاظ کرتا تو آمنہ (مادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جنت میں داخل ہونے والوں کی سردار ہوتیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق جس کو چاہا برگزیدہ کیا۔

اس سے آگے فرماتے ہیں:

تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہ کو دن میں نکالا، اُن کی بیماری کو چھپایا اور رات کے وقت اُن کو دفن کیا مگر لوگوں نے سوائے شیخین کے کسی کو منظور نہ کیا۔ تمام مسلمان اِس پر متفق ہیں کہ نانا ماموں اور خالہ مورث نہیں

ہوتے پھر تم نے علی اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے وفات کے وقت دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بعدازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی ان چھ شخصوں میں سے تھے۔ لیکن سلفوں نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور اِس معاملہ میں اُن کو حقدار نہ سمجھا۔ عبدالرحمن ؓ نے تو ان پر عثمان ؓ کو مقدم کر دیا اور وہ اِس معاملہ میں متہم بھی ہیں۔ طلحہ ؓ و زبیر ؓ اُن سے لڑے۔ سعد ؓ نے اُن کی بیعت سے انکار کیا۔ بعدازاں معاویہ ؓ کی بیعت کی، بعد اس کے تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے۔ اِن سے اُن کے ساتھی جدا ہو گئے اور حکم مقرر کرنے سے پہلے اُن کے ہواخواہ ان کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے پھر انہوں نے رضامندی سے دو شخصوں کو حاکم مقرر کیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا پھر حسن ؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے خلافت کو معاویہ ؓ کے ہاتھ کپڑوں اور درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا اور اپنے ہواخواہوں کو معاویہ ؓ کے سپرد کر دیا اور حکومت نااہل کو سونپ دی۔

پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق بھی تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے اور قیمت وصول کر لی۔ پھر تمہارے چچا حسین ؓ نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر خروج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا یہاں تک کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا اور اُن کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے آئے۔

اس سے آگے فرماتے ہیں:

غرض دنیا و آخرت اور جاہلیت اور اسلام کا کوئی شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث عباس ؓ نہ ہوئے۔ جب اسلام شائع ہوا ہے تو عباس ؓ اس وقت ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل تھے اور قحط کی حالت میں اُن کی دست گیری کرتے تھے اگر بدر میں عباس ؓ کو باکراہ نہ نکالا جاتا تو ابی طالب وعقیل بھوکے مرجاتے اور عتبہ وشیبہ کے برتن چاٹتے رہتے لیکن عباس ؓ ان کو کھانا کھلا رہے تھے۔ انہوں نے ہی تمہاری آبرو رکھی، غلامی سے بچایا، کھانے کپڑے کی کفالت

کرتے رہے پھر جنگِ بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر چھڑایا۔ پس تم ہمارے سامنے کیا تفاخر جتاتے ہو۔ ہم نے تمہارے عیال کی کفر میں بھی خبر گیری کی، تمہارا فدیہ دیا، تمہارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا اور ہم خاتم الانبیاء کے وارث ہوئے۔ الخ

(تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۳۱۳ تا ۳۱۷ مصنف مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)

اس مکتوب کو بار بار پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ خاندانی رقابت کی وجہ سے کس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت کو مجروح کرنے کی ناجائز کوشش کی گئی ہے۔ اور کس طرح اپنا استحقاق وتفوق خاندانی جتلا کر خلافت اسلامیہ کو خاندانی وراثت پر عمل کر کے اس کو اپنا ورثہ سمجھ کر خاتم الانبیاء کے وارث ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

حالانکہ سیادت خاندانی کو فاطمی خاندان کے مقابلہ میں پیش کرنا ارشادات نبوت سے ناواقفی کی علامت ہے۔ رہا خلافت اسلامی کا مسئلہ یہ کسی خاندان کی وراثت نہیں ہوسکتی۔ اور خلیفہ منصور عباسی نے علوی خاندان کے افراد کو جس بے دردی سے قتل کرا کے اپنی شقاوت قلبی کا ثبوت دیا ہے وہ رہتی دنیا تک خاندان عباسیہ کی پیشانی پر بدنما داغ رہے گا۔ جو کسی چیز سے دور نہیں کیا جاسکے گا۔

اگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو قید میں ڈال کر زہر دی گئی اور کوڑے لگوائے گئے وہ محض اسی وجہ سے کہ انہوں نے خلیفہ منصور عباسی کے رقیب ابرہیم بن عبداللہ نفس زکیہ کے بھائی کی حمائت کا فتویٰ کیوں دیا۔

اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو جو کوڑوں سے پٹوایا گیا وہ بھی صرف اسی بنا پر کہ جب مدینہ منورہ میں منصور کے خلاف خروج کا مسئلہ چھڑا تو لوگوں نے اپنے اپنے اس معاہدے کا ذکر کیا جو خلیفہ عباسی نے لوگوں سے بیعت لیتے وقت یہ معاہدہ کروایا تھا کہ بیعت فسخ کرنے کی صورت میں اس کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی۔ اس پر امام مالک رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ یہ جبری طلاق ہے جو نہیں پڑتی۔ اُن کی طرف یہ مسئلہ منسوب ہے کہ: ''طلاق المکرہ لیس شئی'' اس کی بنیاد یہی ہے۔

مطلب یہ کہ خاندان نبوت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ بھی صرف رقابت خاندانی کے اثرات کا نتیجہ اور آئمہ دین کو جو ظلم کا تختہ مشق بنایا وہ بھی صرف اسی

وجہ سے کہ وہ ان کے رقیبوں کی حمائت کیوں کرتے ہیں۔ابوجعفر منصور عباسی کے تفاخرنسبی کے دلائل کو سامنے لایئے کہ جب اس خاندان کے سامنے مذکورہ خاندانی سیادت کی حسین ترین تصویر آتی ہے،تو کیا پھر یہ حضرات کسی کو اپنے سے اونچا دیکھنا برداشت کرسکتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس نے عباسی صاحب کو ہر بددیانتی کے روا رکھنے کی اجازت دی کہ جس طرح بھی ہو دن کو رات کہنا پڑے نور کو ظلمت، ناجائز کو جائز،حرام کو حلال، گندگی کو بندگی، بدی کو نیکی سب جائز ومباح ہے لیکن یہ کیسے برداشت کے قابل ہے کہ خاندانی سیادت کے تمام اوصاف ہم میں پائے جائیں لیکن امت مسلمہ تعظیم وتکریم کی پیشانیاں ہمارے رقیب فاطمی خاندان کے سامنے جھکائے۔

اس تعظیم وتکریم کے ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے۔کہ ان کے محاسن کو معائب کے رنگ میں اور جہاد کو بغاوت کی صورت میں اور اہلیت کو نااہلی کے لباس میں گویا کہ ان کے ہر کمال کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے کہ لوگوں کی تمام عقیدتیں خود بخود پاش پاش ہوجائیں۔

اس کی صورت عباسی صاحب کو یہی نظر آئی کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کو ایسے رنگ میں پیش کیا جائے جس سے مذکورہ بالا مقصد حاصل ہونے سے ان کی سیادت خاندانی خود بخود ختم ہوجائے۔

خلافت مرتضوی کے خلاف عباسی پروپیگنڈہ

اموی خلافت کے پس منظر کی ابتدا ہی حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت سے کرتے ہوئے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کا "علی وجہ الکمال" نہ انعقاد ہوا اور نہ ہی وہ اس منصب جلیل کی اہلیت رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی دور خلافت سے قبل مسلمان کفار کے مقابلہ میں صف آرا تھے اور فتوحات پر فتوحات حاصل کئے چلے جارہے تھے۔حکومت کی باگ دوڑ جونہی حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ میں آئی انہوں نے کفار کے محاذ سے مسلمانوں کے رخ کو پھیر کر خود مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑا کردیا اور مسلمانوں کی تلواریں اہل

اسلام کے خلاف چلتی رہیں اور فتوحات اسلامی کا سلسلہ ایسا رکا کہ چار سال نو ماہ کی اپنی مدت حکومت میں ایک انچ کا اضافہ بھی مسلمانوں کی فتوحات میں نہ کر سکے۔ (مگر بلاذری نے لکھا ہے کہ ۳۹ھ یعنی جس کے ایک سال بعد حضرت علی المرتضیٰ شہید ہوئے حارث بن حرۃ المعبدی نے حضرت علیؓ کی اجازت سے سندھ کے بعض علاقوں پر چڑھائی کر کے فتوحات حاصل کئے تھے۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۸)

بلکہ وہ تو سبائی گروہ کے آلہ کار تھے۔ سبائی جو چاہتے اُن سے کروالیتے۔ ان کی خلافت کا انعقاد ہی سبائی گروہ کے اثر سے ہوا۔ اسی وجہ سے اکابرین صحابہؓ نے بیعت کرنے سے گریز کیا۔

گویا کہ جس قدر مسلمانوں کا نقصان ان کی دورِ خلافت میں ہوا۔ یہ ان کی نااہلی کا بین ثبوت ہے، بخلاف خلافت بنو امیہ کے، ان کے زمانہ حکومت میں ہر طرح امن اور خوشحالی کا دور دورہ رہا۔

اگر تحقیقاً اموی خلافت کا پس منظر بیان کرنا ہی تھا تو شہادت مرتضوی سے شروع کرنا کافی تھا لیکن بسم اللہ ہی کتاب کی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلافت قبول کر لینے کے اقدام کو غیر عاقلانہ ظاہر کرنے سے کرنا اس چیز کی غمازی کر رہا ہے کہ عباسی صاحب کی قلم محض رقیبانہ جذبہ انتقام کے تحت حرکت کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حوالہ جات پیش کرنے میں عباسی صاحب بددیانتی میں سب سے بازی لے گئے۔ مثال کے طور پر ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کا انعقاد ثابت کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے مخالفین حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا عذر بیان کیا ہے کہ ان حضرات کی مخالفت خطائے اجتہادی کے قبیل سے تھی اور جن دلائل کی بنا پر ان حضرات نے مخالفت کا رویہ اختیار کیا تھا وہ فلاں فلاں تھے لیکن عباسی صاحب جذبہ انتقام میں اس قدر محوِ خواب ہیں کہ ان دلائل کو حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کی منشاء اور اُن کے موقف کے بالکل برعکس خود شاہ صاحب کو ہی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ ابتداء کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

ناظرین کرام خود فیصلہ کریں کہ اگر یہ بددیانتی رقابت خاندانی کی بنا پر نہیں تو کیا

22

عداوت خاندانی کا نتیجہ ہے کہ یہ خاندان بددیانتی میں بہت سخی ہے۔ عباسی صاحب کے پروپیگنڈہ کا روایتی جواب ابتداء کتاب میں دیا جاچکا ہے اب درایتی جواب ملاحظہ کیجئے۔

عباسی پروپیگنڈے کا جواب میزان درائیت پر

حضرت علی المرتضیٰ" کی خلافت کے واقعات کو منظر عام پر لاکر رقابت خاندانی کے فرائض کی ادائیگی کے پیش نظر ان کی عظمت فی الاسلام وسیادت خاندانی کے ختم کرنے کا رجحان پیدا کرنا عباسی صاحب کے بس کی بات نہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ" کے ساتھ جن احسان فراموشیوں کا ارتکاب کیا جارہا ہے اور جن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندے کو یاد کیا جارہا ہے۔ ''الی اللہ المشتکی'' سوا اس کے جواب میں اور کیا کہا جاسکتا ہے اور باوجود یکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ان کو کیسے دکھایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ" کی پچھلی زندگی کو تمقیصاً پیش کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدمات ملیہ وعظیم ترین کارہائے نمایاں سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنالیتے ہیں۔ وہ اسلامی اطلس میں ایران، مصر شام وعراق کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادسیہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہوسکتی۔ وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست اُن کے دشمنوں کو اٹھانی پڑی لیکن یرموک کی فتح پر خوشی کے شادیانے بجانے والوں سے کون پوچھے کہ ارے محسن کشو یرموک تک تم پہنچ بھی سکتے تھے اگر کھولنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کے دروازوں کو نہ کھول دیتا۔ حضرت ابوہریرہ" صحیح فرماتے تھے جب کسی ملک کی فتح کی خبر مدینے پہنچتی کہ خبر گو آج آئی ہے لیکن فتح کا یہ واقعہ تو اسی دن پیش آچکا تھا جب مدینہ منورہ کے اطراف میں اللہ کا رسول اور فدایان رسول خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ تم نے تو دجلہ کے کنارے دیکھا کہ سعد بن وقاص اپنی فوج کو تراتے ہوئے مدائن کی طرف لے جارہے ہیں لیکن دیکھنے والوں نے اسی واقعہ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا جب مدینہ کے خندق کو پھاند کر عمرو بن عبدود عرب کا سورما

اس شخص سے مبارزت طلب کر رہا تھا جس نے ایک ہی وار میں سو کے برابر سمجھے جانے والے اِس پہلوان کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا۔ یقیناً حافظے کمزور بھی ہوتے ہیں لیکن کیسا اتنے کمزور کہ ہر دوسرے قدم کو اٹھانے کے بعد دماغ سے یہ بات ہی نکل جائے کہ دوسرا قدم اٹھ ہی نہیں سکتا اگر پہلا قدم نہ اٹھتا۔ یہ فطرت کی انتہائی دنائت اور گندگی کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا اس کے احسانوں کا صرف اس لئے انکار کر دیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تھی تو اس وقت ہمارے سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا تھا۔

اصل حقیقت

یہ تو صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چوتھے جانشین تھے ان کو پہلا جانشین یا خلیفہ اول کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کیا واقعہ کا انکار کیا جائے لیکن کہنے والوں نے جیسے یہ کہا کہ خلافت کی یہ ترتیب ہر خلیفہ کی وفات کی ترتیب تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو قدرت جنھیں رسول کی جانشینی کے شرف سے مشرف کر چکی تھی وہ اِس شرف سے محروم ہو جاتے۔

(۱): اِسی طرح میرا تو کم از کم ذاتی خیال یہی ہے کہ ردۃ کے داخلی فتنے سے پیغمبر کے باندھے ہوئے شیرازے کو بکھیرنے سے بچانے کے لئے صدیق اکبرؓ خلیفہ اوّل کے آہنی ارادے کی ضرورت تھی وہ نہ ہوتے تو جو کچھ بعد کو ہوا کچھ بھی نہ ہوتا۔

(۲): اور اندرونی فتنے فرو ہو جانے کے بعد اسلام کی اِس جدید اجتماعی طاقت کو منتشر کرنے کے لئے ایک طرف سے رومیوں اور دوسری طرف ایرانیوں کی خارجی قوتوں نے جب سر نکالا تو اِن دونوں طاقتوں کو واپس کر کے خود اُن پر چھا جانے کے لئے فاروقی عزم وارد مسلمانوں کو عطا کیا گیا۔

(۳): اور ثروت و دولت کا جو طوفان اِس کے بعد مسلمانوں کے گھر گھر میں اُبلنے لگا۔ یقیناً اِس بے ہوش و بدحواس کرنے والی دنیا کے ساتھ دینی زندگی کے مطالبات کی تکمیل شاید مشکل ہو جاتی اگر خدا کے اِس راست باز بندے کا نمونہ

مسلمانوں کے سامنے نہ ہوتا جو غنا اور تونگری کی بلند ترین منزلوں پر پہنچنے کے بعد بھی دین کے ہر ہر جزئی مطالبے کو زندگی کے آخری لمحوں تک نہ صرف پورا کرتا رہا بلکہ دینی مطالبے کو پورا کرنے پر ہی اپنی زندگی کو قربان کر دیا۔

(۴): اگر ان تمام واقعات کا ظہور ٹھیک اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہا تو مسلمان قدرت کی اس غیبی امداد کے شکریہ سے کیا سبکدوش ہو سکتے ہیں کہ جب دین کو دل وجان سے چاہا جا رہا تھا اور دنیاوی جاہ وجلال شوکت واقتدار کو صرف ایک حیلہ اور بہانے کی حیثیت عطا کر کے اس کے سارے زور اور واقعیت کو ختم کر کے دینی کامیابیوں کا ذریعہ بنا کر دنیا کو بھی دین بنا لیا جائے جو اسلام اس کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں کہیں اس کو بھی دنیا کی اس چلتی پھرتی چھاؤں کی تاریکیوں میں گم نہ کر دیا جائے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اس وقت سب سے بڑی فیصلہ کرنے والی قوت عین وقت پر ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر وہ سب کچھ کرنے کے لئے اگر تیار نہ ہو جاتی جس کے تصور سے بھی آج مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا اسلام جو صرف دین ہے دین کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اپنے دین ہونے کی اس حیثیت کو برقرار رکھ سکتا تھا۔

یہ نظریہ قائم کرنے والوں کو کیسے سمجھایا جا سکتا تھا کہ اگر وہ اسلام کے متعلق بھی یہی نظریہ قائم کرنے لگتے کہ جیسے بیسوں حیلے مختلف ناموں سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے دنیا میں آئے دن تراشے جاتے ہیں۔ پہلے بھی تراشنے والے تراشتے رہے اور اب بھی تراش وخراش کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ انہی تراشے ہوئے حیلوں میں ایک خود تراشیدہ حیلہ اسلام بھی ہے تو ان الزام لگانے والوں کے اس الزام کی تردید کی آخر شکل ہی کیا ہوتی ہے۔

ہر قسم کے اصول سے بے پرواہ ہو کر حصول مقصد کے لئے وقت کا جو اقتضا ہو اسے پورا کرنا چاہئے۔ کرنے والوں نے جب یہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا بلکہ یہی کرنے بھی لگے تھے اور شاید انہوں نے کیا بھی ہو تو خود ہی سوچنا چاہیے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے شائستگی اور تہذیب کو پھیلانے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ جیسے یورپ کی

استعماری اور استقباری قوتوں کے اس اعلان یا اسی قسم کے خوشنما دعووں کو سن سن کر لوگ مسکرا مسکرا کر رہ جاتے ہیں کیا اسلام کو بھی تحقیری خندوں کے ان تھپیڑوں سے کوئی بچا سکتا تھا۔ مسلمان مر رہے ہیں مارے جا رہے ہیں، کٹ رہے ہیں اور کاٹے جا رہے ہیں لیکن اسلام بچ رہا ہے اور بچایا جا رہا ہے۔

اس بلند حوصلہ اور فولادی عزم کے ساتھ خدا کے دین کی آخری مشکل کو بچانے کے لئے کھڑا ہونے والا اگر جمل اور صفین کے میدان میں سینہ تان کر کھڑا نہ ہو جاتا تو اسلام کو پھر کیسے بچایا جا سکتا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے سامنے عجیب قسم کے حالات تھے۔ یعنی ایک طرف اسلام تھا اور دوسری طرف مسلمان تھے ان دونوں چیزوں میں پیدا کرنے والوں نے ایسا تعلق پیدا کر دیا تھا۔ ایک کو اگر پکڑا جاتا ہے تو دوسری چیز بگڑتی ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔ ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ اقتضا ہم کی قوت فیصلہ اگر مسلمانوں کو اس وقت نہ مل جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمان نام رکھنے والی کوئی قوم دنیا میں رہ جاتی لیکن اسلام بھی باقی رہتا یا نہیں۔ اس کی پیشین گوئی مشکل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کے جس نظام کو اسلام نے پیش فرمایا ہے۔ اس نظام کے قائم کرنے پر اسلام کو اتنا اصرار ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں نظر آنے لگے لیکن ہر قیمت پر اس نظام کے قائم کرنے کی کوشش میں مسلمانوں کو آخر وقت تک منہمک رہنا چاہیے اسلامی نظام سیاست میں اتنی اہمیت صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کے عملی نمونے نے پیدا کر دی ہے۔

کہ حکومت کے اس نظام کو جو بدلنا چاہتے تھے ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی مصلحت اندیشوں سے بے پرواہ ہو کر آستین چڑھائے سر بکف میدان میں کود جانا اور اس طور پر کود جانا کہ بولنے والے تو صرف زبان سے بولتے ہیں کہ ہم اپنے نصب العین کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کے لئے تیار ہیں لیکن جمل و صفین میں یہ کر کے دکھا دیا گیا کہ دس پانچ نہیں ہزار ہا بقول بعض لاکھوں تک نوبت قتل و شہید ہونے والوں کی پہنچی چلی جاتی تھی، کشتوں کے واقعی پشتے لگے چلے جاتے

تھے۔ مسلمانوں کی لاشوں کا پہاڑ جمع ہوتا چلا جاتا تھا لیکن یہ حد تھی کسی نصب العین پر اصرار کی کسی قسم کا کوئی حادثہ یا کوئی مصلحت ان کو بال برابر بھی اس سے نہ ہٹا سکی۔

میں نہیں جانتا کہ کسی نصب العین کے حصول کی کوشش میں اس کی نظیر انسانیت کی تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ سب کچھ اسی راہ میں لٹا دیا گیا بلکہ کربلا کے میدان میں تو اسی نصب العین کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰؓ کے گھرانے کا ایک ایک بچہ قربان ہو گیا اور اب سمجھ میں آتی ہے اہمیت اس سیاسی نظام کی جسے اسلام نے دنیا میں پیش کیا ہے۔ لوگوں نے اس پر بعد کو عمل کیا یا نہیں یہ الگ سوال ہے لیکن جمل وصفین وکربلا کے خون سے جریدہ روزگار پر جس نہ ختم ہونے والے اسرار کا نقش دوام قائم ہو گیا ہے کیا اس کو کوئی مٹا سکتا ہے اور جب تک یہ نقش قائم ہے اسلامی نظام سیاست کی اہمیت بہر حال دنیا میں قائم رہے گی۔

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اگر عباسی صاحب پر ظلمتِ عبوسیت نیم روز میں چھا جائے کہ سوائے فضائل یزید کے کچھ نظر ہی نہ آئے تو اس سے خاتم الخلفاء کی عظمت فی الاسلام جس کا جریدہ عالم پر نقش دوام قائم ہو گیا ہے کو کیسے مٹایا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کو مٹانے والے جن کے پاس سب کچھ تھا کہ دنیاوی قوت کا سارا ساز وسامان موجود، مٹانے کے لئے سب کچھ کیا لیکن خود مٹ گئے اور وہ نقوش جاودانی چمکتے گئے جیسا کہ عباسی صاحب کا جدامجد خلیفہ منصور عباسی فاطمی خاندان کو مٹانے کے لئے سب کچھ کرتا رہا۔

رقابتِ خاندانی عباسی صاحب کی اپنی زبانی

سیدنا امام حسینؓ کے اقتدار یزید کے خلاف اقدام خروج کے بارے میں عباسی صاحب نے مفصل بحث فرما کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام عالی مقام کا یزید کے خلاف اقدام خروج ہر لحاظ سے ناجائز و ناروا تھا۔ قرآن حکیم وحدیث شریف کے لحاظ سے دیکھا جائے تب یا فقہ واجماع اُمت کی رو سے پرکھا جائے۔ خلیفہ وقت کے کردار کے لحاظ سے جائزہ لیا جائے گویا کہ جس حیثیت سے بھی پرکھا جائے جواب یہی ہوگا کہ ناجائز وناروا اقدام تھا جو کہ اطاعت امیر و امتناع"

خروج کے بارے میں احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی پر محمول ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے استدلال پیش کیا گیا۔

''اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم''

ترجمہ: ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر ہو اس کی۔''

خروج کرنے والے کی سزا در بار نبوت سے اقدام خروج کے خلاف جو پیش کی گئی ہے۔

''فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنامن کان'' (مسلم شریف)

ترجمہ: ''اگر کوئی شخص اس امت کے ایک امیر پر متفق ہونے کے بعد افتراق پیدا کرنا چاہے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو، خواہ کوئی ہو''

''والاننازع امر اهله الان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیه برهان''

(بخاری شریف)

ترجمہ: ''اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر نہ ظاہر ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو''

(خلافت معاویہ ویزید ص ۶۵)

''اولی الامر'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اولی الامر'' (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی، جس کسی فرد ملت پر اہل حل عقد کا اتفاق رائے ہو کر بیعت عامہ ہو جائے۔ خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بدہیئت سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۶۱)

ان کے علاوہ اور بہت سے دلائل امتناع خروج کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔ یہ اور ان کے علاوہ دوسرے

دلائل امیر وقت کے خلاف امتناع خروج کے بارے میں ہر خروج کرنے والے فاطمی ہو یا عباسی پر مساوی چسپاں کیا جائے گا۔ یا صرف ایک خاندان کے خروج پر عمل کر کے اس کو رقابت کی بنا پر گردن زدنی کا مصداق قرار دے دیا جائے اور دوسرے کے خروج کو بجائے مذمت کے اپنا ہونے کی بنا پر خراج تحسین پیش کر کے اس کی اس پر مداح سرائی کی جائے۔ اس سوال کا جواب خود عباسی صاحب جنہوں نے ایسی بے لاگ ریسرچ پیش کی ہے جس سے انسانی شرافت بھی چیخ اٹھی کی زبان سے ملاحظہ کیجئے۔

انتزاع خلافت اموی وقیام خلافت عباسیہ

اس بارے میں عباسی صاحب کا نقطہ وخیال اہل انصاف ملاحظہ فرماویں۔

راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں انتزاع اموی خلافت وقیام خلافت عباسیہ کے تحت بتایا کہ مغرور بیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کردی تھی۔ اگر محمد الامام عباسی کی تعمیری تحریک اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورت حال نازک کردی تھی۔

عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی۔ اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید بحث عرض مولف حاشیہ ص ۱۰)

اس سے حقیقت حال عباسی صاحب نے خود ظاہر کردی کہ امیر وقت کے خلاف امتناع خروج کے متعلق جس قدر احکام اسلامی دربار رسالت سے صادر ہوئے ہیں وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف پیش کرنا کہ ان کا اقدام خروج یزید پلید کے خلاف ناجائز و تخریبی اقدام تھا لیکن اپنے محمد الامام عباسی کے اقدام خروج کو ان تمام احکام اسلامی کے ہوتے ہوئے تخریبی قرار دینے کو نادرست و ناروا کہنا بلکہ اپنے جد امجد کی احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کو تعمیری تحریک کا فتویٰ دے کر ان کی مدح سرائی کرنا اس چیز کا خود اقرار نہیں کہ خاندان نبوت کے بارے میں جو کچھ پیش فرمایا ہے۔ وہ محض رقابت خاندانی کا بدترین مظاہرہ ہے۔ جس کا حقیقت حال سے

ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ ورنہ بتلایا جائے کہ اگر خاندانی رقابت جو عباسی صاحب کو محمد الامام اور خلیفہ منصور عباسی سے وراثت میں ملی ہے کا یہ مظاہرہ نہیں تھا بلکہ حقیقت ہی کی ترجمانی تھی تو پھر محمد الامام کا اقدام خروج تعمیری کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن اگر عباسی کے ممدوحین جن میں اُن کے خلیفہ محمد الامام عباسی بھی شامل ہیں کی اقتدار حاصل کرنے کی چالبازیوں کا تذکرہ کیا جائے کہ خاندان عباسیہ نے سیاسی اقتدار حاصل کرنے اور اس کو اپنا وراثتی حق سمجھتے ہوئے اس پر ہمیشہ کے لئے تسلط قائم رکھنے کے واسطے جن مظالم وشاطرانہ چالبازیوں کے نقوش قائم کئے۔ اگر ان کو منظر عام پر لایا جائے اور ساتھ ساتھ خاندان نبوت جن کی زندگی کا ہر گوشہ اسلام کی عملی تصویر اور یزید کے خلاف ان کا اقدام خروج مفاد ملت کے پیش نظر جہاد عظیم تھا کو ملحوظ نظر رکھا جائے اور خاندان عباسیہ جن کی زندگی کا ہر ورق خاندان نبوت مقابلہ میں سیاہ کہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ انسانی دنیا کے لئے بارگراں تھا نا قابل بیان افعال کا بھی تجزیہ کیا جائے۔ اس کے بعد عباسی پروپیگنڈہ کو دونوں خاندانوں کی عملی زندگی کے لحاظ سے پرکھا جائے تو حقیقت نصف النہار کی مانند اصلی صورت میں کھل کر سامنے آجائے کہ اس قدر تفاوت عمل کے کہ ایک تقویٰ کے انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کی وجہ سے قابل اتباع اور دوسرا اپنی بدکرداری کی بنا پر قابل نفرت اس کے باوجود ریسرچ جدید کا فتویٰ، اس کے بالکل برعکس آخر رقابتِ خاندانی نہیں تو اور کیا ہے۔

خاندان نبوت کے بارے میں ان کے فضائل دربار رسالت سے جو امت تک پہنچے ہیں۔ اس بارے میں ایسی احادیث صحیحہ کو موضوع قرار دینا جو اُن کی برتری وفضیلت کو ثابت کرتی ہوں لیکن دشمنانِ اسلام غیر مسلم مصنفین کی متعصبانہ ذہنیت کے تحت خاندان نبوت کی شان کے خلاف بکواس کو حقیقت کی ترجمانی پر حمل کر کے اس پر ایمان لے آنا۔ اگر بے لاگ ریسرچ ہے تو صد بار لعنت ہو ایسی ریسرچ پر۔

فضائل ثابت کرنے والی احادیث کے متعلق عباسی صاحب کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے:

حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہ) فضیلت علمی اتقاء و پرہیز گاری، شجاعت و

بہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات وتوہمات سے غض بصر کر کے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندان علی مرتضیٰ میں اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۹)

یہاں عباسی صاحب اہل بیت کے مناقب ثابت کرنے والی احادیث کو موضوع قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس غیر مسلم متعصب ودشمن اسلام کے بکواس کو نقل کرنے سے قبل جس انداز سے تعارف کراتے ہیں وہ بدیہ ناظرین ہے۔

مورخ دوزی وعباسی کا اتحاد

آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج کے سلسلہ میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور (حضرت) حسین رضی اللہ عنہ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔

ان کے ہم عصروں میں اکثر وبیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا تصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے یہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۶)

ناظرین کرام غور فرماویں کہ فضائل کے بارے میں احادیث صحیح بھی

موضوع قرار دے کر اور مصائب کے اثبات میں غیر مسلم متعصب کے بکواس پر ایمان لاکر خاندان نبوت کو محض نیچا دکھانے کی غرض سے جس ذہنیت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

یزید اور اُس کے معاونین کے کردار کو جو بے داغ ثابت کرنے کی نامحمود کوشش کی ہے اور اُس کے اتقاء و پرہیز گاری کا جو پروپیگنڈہ کیا ہے وہ محض اس لئے تاکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام یزید کے خلاف اقدام خروج کو علی وجہ الکمال ناجائز وناروا ثابت کرکے ان کو زیادہ سے زیادہ مجرم بنا کر نیچا دکھایا جاسکے۔

یہ مختصر خاکہ ہے خلافتِ معاویہ ویزید کے پس منظر کا، ورنہ تمام کتاب رقابت ہی کا مظاہرہ ہے۔ تفصیلی گفتگو کے واسطے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔

ایک عباسی عالم اور یزید

کتاب خلافت معاویہ ویزید کے شائع ہونے پر یہاں کے ایک عالم نے جو محمود احمد صاحب عباسی کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ حمایت یزید میں اس قدر شدت سے کام لیا کہ تمام اسلاف بزرگان دین کی یزید کے بارے میں تحقیقات کو غلط ٹھہرا کر عباسی صاحب کی تاریخی ریسرچ جو درحقیقت رقابت خاندانی کا مظاہرہ ہے کو ہی ترجمانِ حقیقت یقین کرکے ملک وملت کے مقتضیات کا لحاظ کئے بغیر اس مسئلہ کو اسٹیج پر اس طرح بیان کرنا شروع کردیا گویا آج تک اس مسئلہ کو سوائے عباسی صاحب کے اور کوئی سمجھا ہی نہیں یعنی امت مسلمہ یزید کے بارے میں آج تک جو پیش کرتی رہی وہ سب غلط اور کذب وافتراء کے سوا اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

بلکہ ہماری مخالفت پر ہم کو چیلنج مباہلہ دینا شروع کردیا۔ چیلنج مباہلہ صرف ہم تک ہی محدود نہیں رہے گا بلکہ پوری امت مسلمہ کو یہ چیلنج تصور کیا جائے گا اس لئے کہ فسق یزید کے نظریہ میں تمام امت فرد واحد کے قائم مقام ہے تو اس میں کسی ایک یا تمام امت کو چیلنج دینا مساوی سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ پوری امت گمراہی پر مجتمع رہی جو سراسر ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم "لاتجتمع امتی

علی الضلالۃ'' کہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی کے خلاف ہے۔

ہم نے اصلاح حال کی خاطر ان کی خدمت اقدس میں کچھ حضرات بھیجے کہ بجائے اس کے کہ اس مسئلہ کو اسٹیج پر لاکر ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار کی خلیج کو وسیع کیا جائے بلکہ تخلیہ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث بالمشافہ ہوجانی چاہیے لیکن بجائے گفتگو کرنے کے مباہلہ کو ہی نجات کی واحد صورت سمجھ کر اسی پر مصر رہے کہ مباہلہ ہی ہوگا اور نہ ہی کسی کو اس مسئلہ میں ثالث تسلیم کرنے پر رضامند ہوئے کیونکہ ان کی نظر میں کوئی عالم ایسا نہیں جو کما حقہ پورا تاریخ دان ہوتا کہ اس مسئلہ کی ثالثی کے فرائض سرانجام دے سکے۔

آخر کار ہم نے یزید اور چیلنج مباہلہ کے متعلق چند سوالات لکھ کر ان سے جواب کی التجا کی تو آنحضرت کی جانب سے جواب کیا آیا۔ گویا اخلاق حمیدہ کے ناقابل بیان کا ایسا مظاہرہ ہے جو اہل تدین حضرات کی شان کے بالکل خلاف ہے لیکن یہاں ہم وہی چیزیں درج کریں گے جن کا تعلق اس مسئلہ سے ہے ان کی اپنی تحریر ملاحظہ کیجئے۔

اگر مباہلہ کرنا ہو تو جو بات میں نے عاشورہ کے جمعہ میں کہی تھی اس پر مباہلہ ہوگا میں نے کہا تھا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اور وہ امیر المومنین ہے بلکہ مسلمان مردوں پر رحمت بھیجنے کا حکم ہے اس لئے رحمت اللہ کی دعا کرنا چاہیے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث: '' لاتسبو الاموات'' اور قرآن میں ہے: ''ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقو ابالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا۔''

ہر دو آیت وحدیث ملا کر دیکھیں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں اور آج ان کا فتویٰ تاریخی معاملہ میں ہم پر پیش کرتے ہیں کہ اہل دیوبند کے مسلک سے ہٹتے ہو یہ جواب ہمارے اس سوال میں ہے جس میں حضرات علماء دیوبند کے مسلک برحق کو قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اس سے آگے تحریر فرماتے ہیں۔

مکرر یاد رکھیں کہ عاشورہ کے دن کے بیان پہ میں قائم ہوں۔ یزید

امیر المومنین تھا۔ اس پر لعنت نہیں کرنا چاہیے بلکہ دعائے رحمت کرنا چاہیے۔ آؤ اس پر مباہلہ کرلو۔

آگے فرماتے ہیں پھر جب صحابہؓ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلی وہ امیر المومنین ہوا یا امیر الفاسقین اس کو صحابہؓ نے امیر المومنین کہا یا نہیں کہا۔ آگے یزید کے امیر المومنین ہونے کا مطلب جو ان کی نگاہ میں ہے اس کو ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں۔

اگر یزید فاسق بالاتفاق تھا اور کافر مختلف فیہ جیسا کہ آپ بار بار کہہ چکے ہیں تو صحابہؓ کون ہوئے اگر وہ تارک صلوٰۃ اور نماز تھا۔ جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو پھر اہل بیت اطہا کا کفو نہیں تھا پھر اہل بیت رسول اللہ میں اس کی شادی کیوں ہوئی اور خاندان ۱۸ یا ۱۹ شادیاں اہل بیت کے ساتھ کیوں ہوئیں۔ اگر یزید فاسق تھا تو امام حسین علیہ اسلام نے اس کے پیچھے نماز کیوں پڑھی اور ابوایوب انصاری نے کیوں عرصہ تک نمازیں پڑھیں اور اس نے نماز جنازہ حضرت انصاری کا کیوں پڑھا۔ کیا صحابہؓ تقیہ کرتے تھے۔

فاضل موصوف نے اس میں یزید کے بارے میں اپنے موقف کی پوری وضاحت فرمادی کہ فسق یزید کا نظریہ ایک لمحہ کے لئے بھی قابل تسلیم نہیں ورنہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کی ذوات مقدسہ پر الزام آئے گا۔ لہٰذا یزید کے امیر المومنین ہونے کا مطلب ان کے نزدیک متقی و پارسا یعنی شریعت اسلامیہ کا پورا پورا متبع ہی ہے بلکہ آگے یزید کو بشارت جنت کی پیشگوئی کا مصداق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اور مغفور لہ اور بخاری میں اوجیوا کا کہیں استثنا ہے"

مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجاہدین قسطنطنیہ کے واسطے بشارت جنت کی پیشگوئی فرمادی ہے۔ اور یزید کے مجاہدین قسطنطنیہ میں داخل ہونے کی وجہ سے جنتی ہونے کا یقین کرنا فرمان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ضروری ولازمی ہے اس لئے حدیث میں کہیں یزید کے اخراج کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا یزید کا جنتی ہونا یقینی ہے۔

اہلسنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف یزید کا تقویٰ و پرہیز گاری اسٹیج پر بیان کرنے کی وجہ سے ہم نے یہ دریافت کیا تھا کہ اس نظریہ کا سٹیج پر لانا فرض و

واجب ہے یا سنت و مستحب ہماری غرض یہ تھی کہ جب اور بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کا بیان وقت کی ایک اہم پکار کے پیش نظر ضروری ولازمی ہے۔ پھر ایسے مسئلہ جو ملت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق سے ناقابل تردید ایک حقیقت بن کر بنی آدم کے قلوب پر تحریر کیا جاچکا ہو کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے بالکل برعکس اتقاء یزید جیسی موشگافیوں کا اسٹیج پر لانا کیسا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

ہاں، ہاں اس کا اسٹیج پر لانا فرض ہے کہ صحابہؓ مومن تھے اور یزید امیر المومنین تھا۔ آگے فرماتے ہیں۔

صحابہؓ کی برأت اور امیر الصحابہ (یعنی یزید) کی برأت ضروری ہے۔

اس میں یزید کے امیر المومنین ہونے کا محض عقیدہ ہی نہیں بلکہ اس مسئلہ کے اسٹیج پر بیان کرنے کی فرضیت کا اقرار کرنے سے یہ واضح ہوگیا کہ ان کے نزدیک یزید کے تقویٰ اور پارسائی کی تبلیغ تو ذات ربانی کی جانب سے فرض ہے۔

یہ ہیں فاضل موصوف کے یزید پلید کے بارے میں دلائل ونظریات جو کتاب خلافت معاویہ ویزید جو درحقیقت رقابت خاندانی کی ایک بدترین تصویر ہے کہ غلط حوالہ جات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے اسی چیز نے عباسی صاحب کی ریسرچ کا پردہ چاک کرنے پر ہم کو مجبور کیا ورنہ عباسی صاح کی کتاب ہماری نظر میں قابل التفات ہی نہ تھی اس لئے کہ وہ تو ریسرچ کے نام پر خاندانی تعصب کا مظاہرہ ہے جس میں حق وصداقت کا تصور کرنا بھی جرم عظیم سے کم نہیں سمجھا جاتا۔

لیکن ہمارے ہاں کے فاضل موصوف عباسی صاحب سے بھی کچھ قدم آگے ہیں۔ اور اہل علم میں منسلک ہونے کے باوجود اس مسئلہ میں اپنی انفرادی حیثیت کا اظہار جس انداز سے کیا ہے اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ انہوں نے اپنی پوزیشن کو اپنی ہی قلم سے ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلادیا اس لئے کہ اسلاف کی مخالفت کا نتیجہ ہمیشہ ایسا ہی نکلتا ہے کہ انسان باوجود دیکھنے کے حقیقت کو دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ فاضل موصوف کی تحریر کا اندازہ کیجئے کہ اگر یزید کا معاملہ فاضل

موصوف کے بیان کے مطابق تاریخی ہی تھا کہ جس کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں تو پھر فاضل موصوف نے جو دلائل عدم لعنت اور بشارت جنت اور امیر المومنین ہونے کی فرضیت پر قرآن وحدیث سے پیش فرمائے ہیں کیسے صحیح قرار دیے جاسکتے ہیں۔اب جو شخص ایک تاریخی معاملہ کہ جس کا قرآن وحدیث سے ادنی تعلق بھی نہ ہو فرضیت کا قائل بھی ہو اس کے متعلق فتویٰ فاضل موصوف ہی دے سکتے ہیں۔

دوسرے اگر یزید کے فاسق بالاتفاق اور کافر مختلف فیہ ہونے کا موقف غلط ہے جیسا کہ جناب کا دعویٰ ہے تو پھر اہل سنت والجماعت کون ہوئے اور اگر وہ افعال شنیعہ کا مرتکب نہیں ہوا تھا تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور بعدہ اہل مدینہ نے اس کی بیعت کو کیوں فسخ کیا۔

اور اگر یزید کے امیر المومنین ہونے کا بیان کرنا فرض ہے تو پھر مجدد اول حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق کیا ارشاد ہے کہ جنہوں نے یزید کو امیر المومنین کہنے والے پر بیس کوڑے لگوائے۔

اور اگر یزید کی تمام جرائم سے برأت ضروری ہے جیسا کہ جناب کا دعویٰ ہے تو پھر امت مسلمہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو فسق یزید کے نظریہ پر متحد و متفق ہے۔ بلکہ کچھ حضرات کفر یزید کی جانب بھی گئے ہیں یہ الزامی جوابات ہیں رہی اصل حقیقت اس کے متعلق گزارش ہے کہ مداحین یزید نے یزید کے امیر وخلیفہ وامام المسلمین کے القاب سے موسوم ہونے کی وجہ سے اس کے متقی و پارسا ہونے پر استدلال کیا ہے جیسا کہ ہمارے ہاں کے فاضل موصوف نے اس کا اثبات کیا ہے لیکن ہم اس کو فریب دہی پر محمول کریں گے اس لئے کہ مذکورہ بالا القاب اس وقت اہل اسلام میں ہر اس شخص کے لئے استعمال ہوتے تھے جس کے بھی ہاتھ اقتدار کی باگ ڈور ہو، یعنی عہدہ اقتدار کے پیش نظر اس کو ان القاب سے پکارا جاتا تھا خواہ اس میں اس کی اہلیت ہو یا نہ ہو عام ہے کہ نیکوکار ہو یا بدکردار ہو ابتداء اگرچہ یہ القاب اپنے اصلی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوتے تھے کیونکہ وہی حضرات حقیقی طور پر خلیفہ وامام المسلمین تھے۔

لیکن ان حضرات کے بعد جو بھی مسند اقتدار پر آیا اس کو بھی اسی لقب سے پکارا جانے لگا جیسا کہ موجودہ دور میں ہر صاحب اقتدار کو ایک خاص لقب سے پکارا جاتا ہے۔ عام ہے کہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔

اور اس کا ہر حیثیت سے امام یا خلیفہ وامیر المومنین ہونا مراد ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ انسان زمین پر خلیفہ اللہ کہلاتا ہے ہر انسان عام ہے کہ مطیع ہو یا فرمانبردار ہو خلافت ارضی کے فرائض کی سرانجام دہی کرتا ہو یا نہ بہر صورت انی جاعل فی الارض خلیفۃ کے پیش نظر اس کو خلیفہ اللہ ہی سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص ان حضرات جن کو قرب الٰہی حاصل ہے۔ مثلاً انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین جو حقیقتاً خلیفۃ اللہ ہونے کے واحد مستحق ہیں کے اوپر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو مثلاً فرعون وہامان وشداد وابوجہل وغیرہ کو خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے ان کے نیکوکار وعنداللہ مقرب ہونے پر استدلال کرنا بیوقوفی کی علامت ہے تو پھر یزید پلید جیسے بداطوار کے امیر المومنین ہونے سے اس کے نیکوکار ہونے پر استدلال کرنا کہاں کی دانائی ہے۔

اب ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں امام اہلسنت والجماعت علامہ ابن تیمیہؒ کی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ یزید وعبدالملک ومنصور وغیرہ کی اہلسنت کے نزدیک امام وخلیفہ وامیر کس اعتبار سے سمجھا جاتا ہے، تاکہ ان القاب کی بنا پر اتقاء یزید کے غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت اور بعض فریب خوردان اہل مذہب کی کوتاہ فہمی واضح ہو جائے جو یزید وغیرہ کے لئے اہلسنت والجماعت کی بعض کتب میں امیر یا خلیفہ کا لفظ استعمال کرنے پر عوام الناس کے قلوب کو پریشان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

القاب کی بحث

اس سلسلہ میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ یزید وعبدالملک ومنصور وغیرہ کو امام یا خلیفہ یا امیر اہلسنت والجماعت کے نزدیک ایک خاص اعتبار وحیثیت کی بناء پر سمجھا جاتا ہے نہ کہ ہر حیثیت سے ہم عباسی صاحب کے ہی حوالہ سے علامہ ابن

تیمیہ کی تحقیق پیش کرتے ہیں:

''فیکون الواحدمن هولاء امام بمعنی انه کان سلطان ومعه السیف یولی ویقول ولعیطی ویحرم ویحکم وینفذو یقیم الحدود ویجا هد الکفارویقسم الاموال امر مشهور ومتواتر لایمکن جحده وهذا معنیٰ کونه اماماًو خلیفة وسلطان کما ان امام الصلوة هو الذی یصلی بالناس فاذا رأیناو جلا یصلی بالناس کان یقول بانه امام امرا مشهورا محسوساً لاتمکن المکابرة فیه واما کونه برأ اوفاجر اومطیعا اوعا صیافذالک امرٌ آخر فاهل السنة اذااعتقدوا امامة الواحدمن هولاء یزید اوعبدالملک اولمنصوراوغیر هم کلهم بهذاالاعتبار ومن نازع فی هذافهو شبیه من نازع فی ولایة ابی بکر وعمر وعثمان وملک کسزی وقیصر ولنجاشی وغیرهم منی الملوک''

(منہاج السنہ صفحہ ۲۴۰ ج ۲)

ترجمہ: ''پس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزید اور اموی خلفا جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اس معنی واعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی وہی عزل ونصب کرتا تھا وہی دیتا لیتا تھا وہی حکم دیتا اور نافذ کرتا تھا وہی حدود شرعیہ قائم کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر اور ان کا انکار ممکن نہیں، اس معنی واعتبار سے وہ (یعنی یزید) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے یعنی جیسے امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بین ہے جس میں کسی حجت اور تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار یا فاجر، پرہیز گار ہے یا گنہگار امر دیگر ہے۔ پس اہلسنت جو یزید یا عبدالملک یا المنصور یا ان کے علاوہ دوسرے (خلفاء) کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہے اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر وعمر وعثمان (رضی اللہ عنہم) کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے

2

بادشاہوں میں کسری قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔"

(خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۳۳۲)

نمبر ۱: کونہ کی ضمیر فیکون الواحد کی جانب راجع ہے۔ ترجمہ اصل یوں ہے کہ یہ ہے معنی کہ ہونا ہر ایک کا ان میں سے امام اور خلیفہ اور سلطان۔

نمبر ۲: اصل ترجمہ یوں ہے اور لیکن ہونا ہر ایک کا ان میں سے (یعنی یزید و عبدالملک وغیرہ سے) نیک اور بدکردار یا پرہیزگار یا گنہگار دوسری بات ہے۔

نمبر ۳: صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پس اہلسنت جب ان میں سے ایک یزید یا عبدالملک یا منصور وغیرہ کے امام ہونے کا اقرار کریں۔ تو اسی (یعنی مذکورہ معنی کے) اعتبار سے ہوگا۔

ترجمہ میں اور بھی بہت سے اغلاط ہیں جو عباسی صاحب کے بے جا تصرف کی انکاسی کرتے ہیں۔

یہاں علامہ ابن تیمیہؒ نے اس امر کی وضاحت فرمادی کہ یزید یا عبدالملک وغیرہ کو جو امام یا خلیفہ یا امیر سمجھا جاتا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ وہ ہر اعتبار سے امام یا خلیفہ ہیں بلکہ محض اس بناء پر کہ وہ صاحب سیف کہ امریت کی قوت ان کے ہاتھ تھی، سوادِ اعظم یعنی اہلسنت والجماعت ان کو اسی حیثیت و اعتبار سے امام و خلیفہ سمجھتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ان کی دو حیثیتیں ہیں ایک صاحب اقتدار کہ قوت غالبہ پر قبضہ ہونا دوسری حیثیت نیکوکار اور بدکردار عاصی و فرمانبردار ہونے کی ہے۔ لہٰذا سوادِ اعظم کے نزدیک ان کو امام خلیفہ کے الفاظ سے جب موسوم کیا جائے گا تو محض پہلی حیثیت کی بناء پر ان کو ایسا سمجھا جائیگا نہ یہ کہ وہ ہر لحاظ سے امام و خلیفہ ہیں۔

اس چیز کے پیش نظر یزید کے امیر المومنین کے لقب سے پکارے جانے کی بناء پر پارسائی کا غلط پروپیگنڈہ منشورا ہوگیا اور بعض فریب دہندگان اہل مذہب کے غلط الزام کی حقیقت بھی واضح ہوگی جو کہ لفظ سوادِ اعظم کی کتب سے لے کر اور معنی اپنی جانب سے پہنا کر عوام الناس کو پریشان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اسی حیثیت

جلد نمبر ۸

مذکورہ کے پیش نظر استعمال کئے گئے ہیں اس کے دور اقتدار میں بھی اس کو امام وخلیفہ وامیر صاحب اقتدار ہونے کی حیثیت سے کہا جاتا تھا۔ رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

''لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش''

ترجمہ: دین اسلام قوت سے رہے گا یہاں تک کہ باراں خلفاء ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے۔

صحیح ودرست ہے لیکن یہ کہ ان باراں خلفاء میں یزید شامل ہے کہ نہیں یہ ایک الگ بحث ہے باراں خلفاء میں یزید کی شمولیت تسلیم کر لینے کے بعد آیا حضور کا یہ فرمان ان کی تعریف ومدح کی بناء پر ہے یا محض استقامت سلطنت کی بناء پر ہے یہ دوسری بحث ہے۔ وہ باراں خلفاء کون کون ہیں اور ان کی اگر ابتداء حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ اول سے شروع ہوتی ہے تو آیا ان کا پے در پے آنا ضروری ولازمی یا کہ یزید جیسے بداطوار کو نکال کر صحیح معنی میں جو خلفاء تھے وہی مراد ہیں یہ ایک تیسری بحث ہے۔

یا یہ کہ امارت وخلافت بارہ خلفاء تک خلفاء راشدین کے طریقہ کے مطابق رہے گی اگرچہ ان باراں میں ایسے امراء بھی ہوں گے جو اپنے نفس پر عصیان خداوندی میں مبتلا ہو کر ظلم کریں گے جیسا کہ یزید اپنے نفس پر ظلم کرتا رہا الگ بحث ہے یہ جتنے احتمالات ذکر کئے ہیں دراصل یہ محدثین کرام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان کی وضاحت میں الگ الگ اقوال ہیں تمام محدثین کرام مدح کی صورت میں یزید کو ان باران خلفاء میں داخل ہی نہیں سمجھتے، محدثین کے تمام اقوال کتاب میں دوسری جگہ باراں خلفاء میں یزید کی شمولیت پر بحث کے تحت گزر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔ لہٰذا ان القاب سے یزید کی مدح سرائی کا پروپیگنڈہ غلط اور بے بنیاد ہے اب فاضل موصوف کے دوسرے استدلال کی حقیقت ملاحظہ کیجئے۔

صحابہ کرامؓ وفسق یزید

فاضل موصوف یزید کا اتقاء وپارسائی جن بنیادوں پر ثابت کرنا چاہتے ہیں

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر یزید فاسق الاتفاق تھا اور کافر مختلف فیہ جیسا کہ آپ بار بار کہہ چکے ہیں تو پھر صحابہؓ کون ہوئے۔

اس سے فاضل موصوف یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا اقتدار یزید کے خلاف اس کے فسق و فجور کے ہوتے ہوئے خروج نہ کرنا بلکہ اس کی بیعت پر مستقیم رہنا شان صحابیت کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یزید کے کردار میں کوئی خرابی نہ تھی تو نہ صحابہ کرامؓ کی ذات مقدسہ پر الزام آئے گا۔ یہی طرز استدلال عباسی صاحب کا ہے لیکن ہمیں عباسی صاحب پر اتنا افسوس نہیں جتنا کہ فاضل موصوف پر ہے اس لئے کہ عباسی صاحب کو نہ تو علوم اسلامیہ میں ممارست ہے اور نہ ہی انہوں نے علوم اسلامیہ میں کسی کو اپنا استاد و رہنما تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ان کا استدلال اس قدر باعث ملال نہیں جس قدر کہ فاضل موصوف کا استدلال ہے کیونکہ انہوں نے باقاعدہ علماء کرام سے علوم اسلامی کو حاصل کیا اور علماء کرام کے گروہ کا اپنا استاذ و پیشوا تسلیم کر لینے کے بعد آزاد شخص جیسا رویہ اختیار کر کے اپنے اساتذہ کے مسلک کے بالکل برعکس اتقائے یزید کا اثبات ایسے کمزور دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا باعث صد افسوس و ملال نہیں تو اور کیا ہے۔

اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے اتقائے یزید کا اثبات اور فسق یزید کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف خروج نہ کرنا بلکہ اس کی بیعت پر مستقیم رہنا۔ باعث الزام اس وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں خلیفہ فاسق کے خلاف اٹھنا ضروری اور اس کی بیعت پر مستقیم رہنا ہر حالت خواہ اسباب جہاد موجود ہوں یا نہ ہوں خوں ریزی کا خطرہ ہو یا نہ ہو جرم سے کم شمار نہ کیا جاتا ہو ایسے وقت تو صحابہ کرامؓ کی جانثاری کے پیش نظر مذکورہ استدلال کو باوقعت شمار کیا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ نے پھر ایسا طرز عمل اختیار کر کے حکم شرعی کی مخالفت کیسے گوارہ کی۔

لیکن جب بجائے ایسے حکم کے کہ اس کے بالکل برعکس مداحین یزید کے

امام خود اپنی بے لاگ ریسرچ میں بڑی شدومد سے یہ ثابت کریں ۔کہ سوائے کفر بواح کے خلیفہ وقت کے خلاف خروج ہرگز قابل برداشت نہیں ان کا اپنا بیان ملاحظہ کیجئے۔شارع علیہ السلام نے امت کو فتنہ وفساد سے محفوظ اور امت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال وانتشار سے محفوظ ومامون رکھنے کے لئے امیرالمومنین وحاکم وقت کے خلاف خروج وبغاوت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الام کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ (خلافت معاویہ ویزید ص ۶۲)

پھر ایسی صورت کہ جب خلیفہ وقت کے خلاف خروج سوائے ارتداد کے کسی صورت میں جائز ہی نہ ہو۔خواہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو اس کے خلاف خروج نہ کرنا بلکہ شرعی احکام کے پیش نظر اس کی بیعت پر مستقیم رہنا احکام اسلامی کی فرمانبرداری شمار کیا جائے گا یا باعث الزام ٹھہرا کر خلیفہ فاسق کا اتقا ثابت کر کے اپنی بے رہ روی کا ثبوت فراہم کیا جائے گا۔

تو کیا پھر صحابہ کرام" کا فسق یزید کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف خروج نہ کرنے۔ بلکہ اس کی بیعت پر مستقیم رہنے جو سراسر اتباع شریعت ہے کو باعث الزام قرار دے کر اتقائے یزید کی بنیاد صحابہ" کے طرز عمل پر رکھنا احکام اسلامی کی تغلیط اور اپنی علمی قابلیت کی تضحیک نہیں تو اور کیا ہے۔

کیونکہ جب خلیفہ وقت کے خلاف خروج از روئے شریعت ممنوع وناجائز ہوا خواہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں صحابہ کرام" کے طرز عمل سے یزید کی پارسائی کا اثبات واقعی علمی قابلیت وتاریخی ریسرچ کا ایک ایسا ثبوت ہے جس کی نظیر انسانی دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے اس سے فاضل موصوف کے استدلال کو اگر یزید فاسق بالاتفاق تھا اور کافر مختلف فیہ تو پھر صحابہ" کون ہوئے۔ کی حقیقت واضح ہوگی کہ ان حضرات کے نزدیک فسق یزید کی صورت میں احکام اسلامی کی پرواہ کئے بغیر اسباب جہاد موجود ہوں یا نہ ہوں خون ریزی کا کتنا ہی شدید خطرہ

کیوں نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ پر یہ لازم وضروری تھا کہ بیعت یزید کو فسخ کر کے میدان جہاد میں کود پڑتے گویا کہ فسق یزید کی صورت صحابہ کرامؓ کی خاموشی ایک ایسا سنگین جرم ہے جس سے شان صحابیت پاش پاش ہوجاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

فاضل موصوف کے استدلال کے پیش نظر خلیفہ وقت کے خلاف امتناع خروج کے متعلق جہاں احکام اسلامی کی تغلیط لازم آتی ہے وہاں شان صحابیت بھی داغدار ہوجاتی ہے یہ درحقیقت سواد اعظم اہلسنت والجماعت کے خلاف انتقائے یزید پر اپنی انفرادی حیثیت ظاہر کرنے کا ثمرہ ہے۔

باقی رہا سیدنا امام حسینؓ کا اقدام وہ بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے جیسا کہ اس کے متعلق دوسری جگہ بیان کیا جاچکا ہے۔

حضرت امام حسینؓ کا یزید کے پیچھے نماز پڑھنے کی تاریخی روایات کو اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے نہ ہی انتقائے یزید ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی حضرت امام حسینؓ کے موقف پر کوئی حرف آتا ہے اب اس کی وضاحت ملاحظہ کیجئے۔

موقف امام حسینؓ

مداحین یزید نے امام حسینؓ کی شخصیت کو مجروح ثابت کرنے کے واسطے جہاں اور بہت سے حربے استعمال کئے ہیں وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر یزید ایسا ہی بدکردار تھا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو پھر حضرت امام حسینؓ نے اس کے پیچھے نماز کیوں پڑھی اور اس کی ولیعہدی کے فیصلہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ سے بجائے ناراضگی کے ہر سال حضرت حسینؓ دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف وعطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اگر یزید ان کی نظر میں منصب خلافت کا اہل نہیں تھا پھر اس وقت ایسے تعلقات اور بعد ان کی وفات کے برسرپیکار ہونا آخر کس بات کا ثبوت ہے بلکہ ایک صاحب اپنے ماہنامہ رسالہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ ولی عہد بنانے کا جو فعل بعض مدبر صحابہ کے مشورے سے ایک ایسے ممتاز ترفقیہ ومدبر صحابیؓ نے انجام دیا ہو جس کے کمال تدبر پر فاروق اعظمؓ جیسے عبقری خلیفہ کا دیا ہوا کسرائے عرب کا لقب حرف آخر کا حکم رکھتا ہو اور تمام صحابہ نے اس فعل کے جوز پر اتفاق کرلیا ہو اور کتنے ہی سرکردہ اصحاب نے بیعت کی ہو اور صبر وسکوت سے تو کسی نے بھی تجاوز نہ کیا ہو وہ فعل ایسا جرم مان لیا جائے کہ چند سالوں بعد اس کی ہولناکیوں کا اندازہ کر کے ایک شخص اٹھے اور وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کی پرواہ کئے بغیر جان لڑادے اہل نظر اس وقت بھی اسے روکیں تنبیہ کریں ساتھ دینے سے کان پے ہاتھ دھریں مگر وہ نہ جانے اور خود ہی کو نہیں ان معصوم بال بچوں کو بھی کڑی ابتلاء میں ڈال دے جن کو ابتلاء میں ڈالنے کا حکم یا اذن اللہ اور رسول نے نہیں دیا اس شخص کی ایسی جرأت وشہامت کو اگر آپ انتہائی زیرکی اور دانائی اور علم شریعت میں گہری نظر کا ثبوت قرار دیتے ہیں تو اس کے ثمرات اور مضمرات پر بھی غور فرمالیں۔

یہ تحریر اگرچہ ولی عہدی کے عدم جواز کے جواب میں لکھی گئی ہے لیکن درحقیقت اسکا مآل وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ آخر تین سال بعد ہی حضرت امام حسینؓ کو یزید کی نااہلیت کا علم ہوا ان اعتراضات کے جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات بیان کیے جاتے ہیں۔ تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو اولاً یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارا ولی عہدی کے فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی ہم ایسے اعتراض کو صحیح سمجھتے ہیں۔

"(۱): خلافت کا انعقاد وقیام اور انعقاد خلافت کا عموم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ خلافت کا مطلق انعقاد تو ارباب حل وعقد میں سے ایک دو شخصوں کے بیعت کر لینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن عموم انعقاد خلافت تمام اہل حل وعقد پر اس کا اتباع ضروری نہیں ہے۔ صرف بیعت کرنیوالوں اور ان کے متبعین پر خلیفہ کا اتباع ضروری ولازمی ہے۔

لیکن عموم انعقاد خلافت کی صورت میں ہر مسلمان پر خلیفہ کی اتباع لازمی و ضروری ہے البتہ اگر اہل حل وعقد ہونا کسی ایک ہی شخص میں منحصر ہو جائے تو ایسے وقت عموم

خلافت اس ایک شخص کی بیعت کر لینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں اہل حل وعقد کا مصداق ایک شخصیت سے زائد نہ تھا یعنی یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح خلفائے ثلاثہؓ کی جنگ اور صلح تمام اہل اسلام کی جنگ اور صلح تھی لیکن جب اسی اتفاق واتحاد نے متغیر ہو کر تشتت وافتراق کی صورت اختیار کی اور جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہو گئیں اور ہر جماعت کا سرحلقہ اور سربراہ لیڈر اہل حل وعقد کا مصداق ہو گیا تو اب تمام اہل حل وعقد کا بیعت کرنا عموم انعقاد خلافت کے لئے لازمی ٹھہرا۔

(۲): خلیفہ وقت کا استخلاف یعنی کسی شخص کو ولی عہد بنا دینا اس کی خلافت کے عموم کا موجب اس وقت ہوتا ہے کہ جس سے ہر شخص پر اس کی اتباع ضروری ولازمی ہو جاتی ہے۔ جب کہ ولی عہد میں منصب خلافت کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت واہلیت پائی جاتی ہو جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ولی عہد بنا دیا تھا اس لئے کہ اولوالامر کی اطاعت بارشاد ربانی ضروری ہے جو کچھ وہ (دائرہ شریعت کے اندر) فرمائیں قبول کرنا ضروری ہے لیکن اس طرح کی ولی عہدی کو قبول کرنے کی بنیاد جبکہ اولوالامر کی اطاعت پر ہے تو ضروری ہے کہ اطاعت کے تمام فوائد ملحوظ ہوں لہٰذا اگر خلیفہ وقت کسی ایسے شخص کو ولی عہدی اور اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنا دے جس میں منصب خلافت کی وہ اعلیٰ درجہ کی لیاقت نہ ہو بلکہ تارک نماز یا متبرع ہو صرف ادنی درجہ کی اہلیت اسلام اور قریشیت سے ہی موصوف ہو اس قسم کی ولی عہدی کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ایسے فاسق کو بااختیار خود خلیفہ بنا دینا ظاہر ہے معصیت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لاطاعتہ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کسی مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں بالکل نہیں ہے۔

اور اگر خلیفہ کی اپنی نظر میں ولی عہد قابل خلافت ہو اور دوسروں کی نظر میں اہل نہ ہو پھر بھی خلیفہ کے اس حکم کی اطاعت لازم نہیں لیکن خلیفہ کو جبکہ اس نے اپنے خیال کے

مطابق صحیح آدمی کو ولی عہد بنایا ہے اس کو اس اقدام کی وجہ سے برا اور موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا خصوصاً اس وقت جبکہ اس کی خبث افعال کی اس کو اطلاع نہ ہو۔

(۳): حال معرض تحول وتغیر میں ہوتا ہے حال کا حال نام ہی اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں تحول (گردش) اور تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی سابقہ حالت میں خلافت کی اہلیت ولیاقت رکھتا ہو پھر حالت بدل جائے اور وہ لیاقت واہلیت باقی نہ رہے جیسا کہ ہم رات دن ہزارہا اشخاص کو دیکھتے ہیں کہ ایک وقت میں تقوی وطہارت زہد وعبادت ہے تسبیح واطاعت ہے اور کچھ عرصہ بعد ابلیس کا ساتھی بن جاتا ہے بلکہ ہمارے اس دعوے کے لئے خود معلم الملکوت کی سابقہ حالت کافی ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص پہلی حالت میں مسند خلافت کا اہل ہوگا اور تغیر احوال کے بعد اس کی اہلیت باقی نہ رہے گی۔

(۴): امام عام اور خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنا اور چیز ہے اور اس کی بیعت سے الگ ہوجانا یعنی بیعت سے عائد شدہ ذمہ داریوں کو واپس کردینا دوسری چیز ہے۔ جیسا کہ نقض عہد یعنی وعدہ خلافی اور چیز ہے اور عہد عہد یعنی معاہدہ کو واپس کردینا دوسری چیز ہے معاہدہ کرلینے کے بعد اس کی پابندی لازمی ہے اور معاہدہ باقی رکھتے ہوئے اس کی خلاف ورزی قطعاً ناجائز وحرام ہے معاہدہ کرنے کے بعد عہد عہد یعنی معاہدہ کا واپس کردینا مباح اور جائز ہے ارشاد ربانی ملاحظہ کیجئے:

"واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء"

"اور اگر تم کو ڈر ہو کسی (معاہدہ) قوم سے خیانت (بدعہدی) کا تو جواب دے دو تم برابر برابر۔"

اسی طرح امام عام کی بیعت کرلینے کے بعد اس کے خلاف خروج کرنا اور بیعت کو باقی رکھتے ہوئے اس سے برسرپیکار ہونا ممنوع بالذات اور قطعاً حرام اور وقت ضرورت بیعت کا ذاپس کردینا بذات خود مباح وجائز اگر کوئی فاسق و بداطوار

خلافت پر قابض ہو جائے اور اس کے اقتدار میں اہل حقوق کے حقوق کا قتل مظالم کی گرم بازاری احکام شرعیہ کی ادائیگی میں عوام کے تساہل کا ترقی پزیر ہونا اور عوام میں افعال ناشائستہ کا عام ہونا ظن غالب نہیں بلکہ ان امور کے واقع ہونے کا یقین ہے تو ایسے وقت اگر کوئی صاحب ہمت اٹھ کر خلیفہ کا دامن پکڑ لے اور تخت سلطنت سے اتار دے اور کسی عادل و پرہیز گار کے ہاتھ پر بیعت کر لے تو ہمارا خیال ہے کہ کسی ذی شعور انسان کو اس صاحب عزیمت شخص کے اس مستحسن فعل پر مجال انکار نہ ہوگی ہاں اگر ایسا کرنے میں فتنہ برپا ہو جائے دین اور اہل دین کی آبروریزی ہو تو اس صاحب عزیمت کا یہ اقدام ذاتی طور پر نہیں مگر اس فتنہ کے عارض سے ممنوع ہو جائے گا۔

اور اگر صرف اپنی جان و مال اور اپنے متبعین ہی کو اس اقدام سے صدمات اور تکالیف سے دوچار ہونا معلوم ہوتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس قسم کا اقدام کرنا افضل اور عزیمت ہے اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ فتنہ و فساد کا اندیشہ جیسا کہ واقعات کے اعتبار سے مختلف رہتا ہے اسی طرح خود اہل الرائے کی رائے و فکر کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو ایک اقدام میں اندیشے نظر آتے ہیں اور اس کی ہمت کو پست کرتے ہیں تو دوسرے شخص کو اسی اقدام میں کامیابی کی امیدیں نظر آتی ہیں اور اسباب جہاد اس کی نظر میں کافی ہونے کی وجہ سے اس کی ہمت کو بڑھاتی ہیں تو پہلے شخص کے لئے ایسا اقدام ناجائز ہوگا اور دوسرے شخص کے لئے ایسا کرنا یقیناً مباح ہوگا۔

ان تمام مقدمات کو پیش نظر رکھ کر مداحین یزید کے غلط پروپیگنڈہ کو سامنے لائیں اور اندازہ کیجئے کہ اس پروپیگنڈہ میں صحبیت کس قدر کارفرما ہے کہ بالفرض اگر حضرت امام حسین کا یزید کے پیچھے نماز پڑھنے کی کسی تاریخی روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یزید کے عدم فسق و فجور پر استدلال کرنا کیسے صحیح قرار دیا جا سکتا ہے جب کہ تغیر احوال کے ہزارہا مشاہدات ہمارے سامنے ہوں خصوصاً آزاد و عیش پسند

طبیعت جب خود مختار ہوجائے عیش پرستی کے کونسے وہ امور ہیں جس کو وہ نظر انداز کردیتی ہے اور پھر یزید جیسا شخص جو کہ عباسی صاحب کے اپنے قول کے مطابق کہ وہ ادب آرٹ کا مربی، موسیقی کا سرپرست رہا ہو اگر ایسے اور امور شنیعہ کی سرپرستی کرنے والا جناب کے نزدیک فاسق وفاجر نہیں بلکہ متقی و پرہیزگار ہے تو پھر سب سے پہلے ان امور کے جواز کا فتویٰ دینا ضروری ہوگا۔ حضرت امام حسینؓ و دیگر صحابہ کرامؓ کا یزید کے پیچھے نماز پڑھنے کا واقعہ تو نظر آگیا لیکن موسیقی وادب وآرٹ جیسے حرام امور جن کی یزید سرپرستی کرتا رہا نہ معلوم کیوں نظر سے بے نظر ہوگئے۔

رہا یہ کہ جب یزید کی خلافت منعقد ہوگئی تھی اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اس کو اپنا ولی عہد بنا دیا تھا اس کے باوجود حضرت حسینؓ نے اس کے خلاف خروج کیسے فرمایا اس کا جواب مقدمات مذکورہ میں دیکھئے کہ حضرت امام حسینؓ ہنوز یزید کی لزوم اطاعت سے بری تھے لیکن اگر لزوم اطاعت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر بھی اس کا فسق وفجور عیاں ہونے پر اس کی بیعت کو واپس کرکے ایسا اقدام ہرگز قابل اعتراض نہیں سمجھا جاسکتا اور بعض حقائے زمان کا یہ فرمانا کہ چند سالوں بعد اس کی ہولناکیوں کا اندازہ کرکے ایک شخص اٹھے اور ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی پرواہ کئے بغیر جان لڑادے اگر صحیح ودرست ہے تو پھر اہل مدینہ کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جنہوں نے حضرت حسین کا ساتھ دینے سے کانوں پر ہاتھ دھرلئے تھے۔ جیسا کہ مضمون نگار نے تحریر کیا ہے کہ جس کے خلاف اقدام خروج میں حضرت حسین کا ساتھ دینے سے کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے لیکن چند سال بعد وہی امر شنیع جو بقول مداحین یزید امام عالی مقام کیلئے ناجائز وحرام تھا اہل مدینہ نے اپنے واسطے کیسے اور کیونکر جائز قرار دے لیا اور اقتدار یزید کے خلاف اقدام خروج فرما کر حضرت حسینؓ کے اتباع میں لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کی پرواہ کئے بغیر (بقول مضمون نگار) اپنی جانیں لڑادیں اسی طریقہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ و دیگر ساکنان بیت اللہ صحابہ کرامؓ

وتابعین عظام حضرات جنہوں نے یزیدی فوجوں کے مقابلہ مکہ مکرمہ کے محاصرہ میں یزیدی لشکریوں کے منحوس ہاتھوں ہر تکلیف کو گوارہ کیا حتیٰ کہ بیت اللہ پر سنگ باری جیسا قابل لعنت فعل بھی گوارہ کیا لیکن برضا رغبت اقتدار یزید کو قبول کرنا برداشت نہ کیا کے متعلق کیا کہا جائے گا کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات بیت اللہ کی بے حرمتی خود کرواتے رہے۔ اگر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے صحیح اقدام کو ہلاکت پر معمول کر کے "لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کی خلاف ورزی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر اہل مکہ کے مذکورہ فعل کو "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" کے خلاف کیوں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان حضرات کے صحیح وجائز افعال کو احکام اسلامی کی خلاف ورزی کا نتیجہ قرار دیا جانے لگا تو پھر اسلام کہاں رہا نہ مدینہ والے اور نہ ہی مکہ والے صحیح معنی میں مسلمان کہلا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے توسط سے پہنچا ہوا دین صحیح ہوسکتا ہے۔ العیاذ باللہ!

ہاں مداحین یزید کی تحقیق کے پیش نظر اگر صحیح معنی میں عامل بالحدیث والقرآن ہوسکتے ہیں تو وہ اہل کوفہ ہیں جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے وفائی کر کے چودھویں صدی کے یزیدیوں کے امیر المومنین یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر کے احکام اسلامی کی بجا آوری کا مکمل نقشہ پیش کیا۔

اہل نظر خواہ مکہ مکرمہ کے ہوں اور یا مدینہ منورہ کے امام حسین رضی اللہ عنہ کو تو اقدام خروج سے روکیں، تنبیہ کریں، ساتھ دینے سے کانوں پر ہاتھ دھریں، لیکن خود "لم تقولون مالاتفعلون" کی پرواہ کئے بغیر خود اسی اقدام کا مظاہرہ کریں اگر یہ احکام اسلامی کی تضحیک نہیں تو اور کیا ہے یہ چودھویں صدی کے علماء زمانہ کی تحقیق کا ثمرہ ہے ورنہ حقیقت بالکل واضح ہے آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ اگر واقعی امام حسین کا اقدام قابل مذمت ہے تو پھر اہل مدینہ واہل مکہ کیوں قابل ستائش ہیں۔ کیونکہ اقدام خروج میں سب شریک ہیں فرق صرف زمانہ کے تقدم وتاخر کا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو غلط کہنے والے گردوپیش اور اس کے نتائج ومضمرات پر قطعاً توجہ نہیں کرتے

کیسے کریں جب کہ قرآن کا فیصلہ "ذالک مبلغھم من العلم" ان جیسے افراد کے لئے موجود ہے۔ اگر سیدنا امام حسین کے اقدام خروج کو حرام و ناجائز پر عمل کیا جائے تو اس صورت میں آپ کو شہید کی بجائے مقتول تسلیم کرنا پڑے گا۔ العیاذ باللہ!

اس لئے کہ خلیفہ وقت کے خلاف عملی اقدام بغاوت ہی شمار کیا جائے گا تاوقتیکہ عملاً اس کی بیعت کا اظہار نہ کرے۔

کسی شخص کو میدان عمل سے نکالنے کے لئے عمل ہی کارآمد ہوسکتا ہے۔ محض زبانی اقرار اہل نظر جانتے ہیں ہرگز مفید نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مداحین یزید کی تحقیق کے مطابق جب حضرت امام حسینؓ اقدام خروج کے ناجائز و حرام فعل کے مرتکب ہوکر میدان عمل میں کود پڑے تو اس وقت تک وہ باغی ہی شمار کیے جائیں گے جب تک یزید یا اس کے نمائندہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت یزید کا عملی ثبوت پیش نہ کریں۔ لیکن وہ بجائے بیعت کے اہل کوفہ کی بے وفائی کے پیش نظر کوفہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ جانے کا راستہ مانگتے ہیں لیکن یزید کے لشکری بجائے راستہ دینے کے نمائندہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کا مطالبہ کرتے ہیں اگر تین شرائط کے پیش فرمانے کو اپنے موقف سے رجوع پر عمل کرنا صحیح ہے تو پھر حضرت امام حسینؓ کا نمائندہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری و لازمی تھا اس لئے کہ اس کے نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے نزاکت وقت کے پیش نظر آپ کا فوری بیعت ہونا ضروری تھا لیکن آپ کا بیعت سے انکار فرمانا اس چیز کا بین ثبوت نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ بیعت یزید کے انتہائی درجہ کے مخالف تھے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر امام عالی مقام کا یہ اقدام بغاوت تھا جیسا کہ مداحین یزید کا دعویٰ ہے کہ آپ کی موت حالت بغاوت ہی میں واقع ہوئی ہے تو پھر آپ شہید کیسے اور کیونکر تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔

یہ مداحین یزید کی غلط ریسرچ کا ثمرہ ہے ورنہ حقیقت نیمروز کی طرح واضح ہے کہ امام عالی مقام کا اقدام بالکل جائز و درست تھا جہاں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا

آپ کے بارے میں ارشادات نبوت کی تغلیط کے مترادف ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے اور یہ کہنا کہ آپ کی اجتہادی غلطی تھی جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف میدان میں نکل پڑے تھے بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے اس لئے کہ وہاں خلافت میں نزاع نہ تھا محض حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ اس قدر الجھا کہ نوبت جنگ وجدال تک جا پہنچی اور جو امور ان حضرات کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے مدِ مقابل کھڑا کرنے کا سبب بنے وہ ابتدا کتاب میں ذکر کئے جا چکے ہیں لیکن یہاں حضرت امام حسینؓ کے بارے میں اجتہادی غلطی کا دعویٰ اسی صورت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب ایسے دلائل موجود ہوں جن کو بنائے اجتہاد قرار دے کر خطاء اجتہادی پر محمول کیا جائے لیکن یہاں تو مداحین یزید نے جس قدر دلائل فراہم کئے ہیں ان تمام دلائل کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا اقدام خروج احکام اسلامی کے صریح خلاف جبکہ تمام امت خلافت یزید پر متفق ہو چکی ہو اور کردار یزید بھی ہر حیثیت سے بے داغ ہو محض طلب حکومت وخاندانی وراثت کے حصول کی خاطر قدم اٹھانا بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ طلب دنیا کی خاطر احکام اسلامی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف قدم اٹھانا کیونکر خطائے اجتہادی پر حمل کیا جا سکتا ہے۔

تو اس کا لازما یہی نتیجہ نکلے گا کہ اس تحقیق کے پیش نظر امام حسینؓ کی شہادت کا اثبات ناممکن ہے اس لئے کہ امام عالی مقام کے اقدام خروج کے ناجائز وحرام ہونے کی صورت میں آپ کی شہادت کا اثبات بیعت یزید کے ثابت کئے بغیر اہل بصیرت حضرات کے نزدیک اپنی سفیہانہ دورنگی چال کا ثبوت دینے کے مترادف ہے جو عقلاء کی شان سے بعید ہے ورنہ یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی بھی ہو اور صحابہ کرامؓ وتابعین عظامؒ کی مخالفت بھی ہو اور پھر خطائے اجتہادی کا نعرہ بھی بلند کیا جائے کیونکہ خطاء اجتہادی میں احکام اسلامی کی مخالفت کا دعویٰ کرنا ہی اپنی جہالت کی سند پیش کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ اہل

علم حضرات سے یہ چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ جب عباسی ریسرچ کے مطابق امام عالی مقام کی شہادت کا اثبات ناممکن ہے اس کے باوجود مداحین یزید اس مثال کا مصداق:

"بغل میں چھری منہ میں رام رام"

اپنے آپ کو بنا کر کس خوف سے امام حسینؓ کی شہادت کا اقرار کر رہے ہیں۔ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ عباسی نظریہ کے پیش نظر حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا اقرار محض قوم کو فریب و دھوکہ دے کر احکام اسلامی کی تضحیک در رقابت خاندانی کے خبیث شجرہ کی آبیاری کرنا کس قدر بدترین فعل ہے جو شرافت انسانی کے حسین چہرہ پر بدنما دھبہ ہے۔

باقی رہا ہمارے ہاں کے فاضل موصوف کا نبی کریم ﷺ کے فرمان مغفور لھم سے یزید کے ولی اللہ ہونے کا استدلال اس کا مفصل جواب کتاب میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائے یہاں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ بعض اعمال صالحہ پر وجوب جنت یا مغفرت وغیرہ کے جو الفاظ حدیث میں وارد ہیں اس کا کیا مفہوم ہے اس کے متعلق ہم اپنی رائے پیش نہیں کرتے بلکہ آئمہ تحقیق کی نظر دقیق کا ثمرہ پیش کرتے ہیں تا کہ نابینوں کی آنکھیں کھل جائیں اور بے بصرت افراد بابصیرت ہو جائیں اور غلط پروپیگنڈہ کرنے والے حضرات اپنی دورنگی چال پر نظر ثانی کریں۔ اس کی تحقیق ملاحظہ کریں۔

بعض اعمال صالحہ پر وجوب جنت

اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے جو تحقیق پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی احادیث جنہیں بعض اعمال صالحہ پر وجوب جنت یا مغفرت وغیرہ کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عقیلی نے ابوکریب سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ

کے لئے ہے اور اہل بیت میں ان کے لئے ہے جو خدا کی اطاعت کریں۔ اور اسی قسم کی حدیثیں جو اہل بیت کے فضائل میں وارد ہیں ان کی نظیر صحاح ستہ وغیرہ کی بہت سی حدیثوں میں مروی ہے جن میں خاص خاص عمل صالح کرنے والے پر وجوب جنت یا حرمت نار یا دخول جنت یا برأت عذاب نار وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں کے دیکھنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے پس لازم آتا ہے کہ ان اعمال صالحہ کے اصحاب بھی اگرچہ سیکڑوں کبائر کریں کبھی جہنم میں داخل نہ ہوں یا وہ لوگ سوء خاتمہ سے آمن ہو جائیں اور اس عمل صالح کی برکت سے جو ان سے صادر ہوا ہے یہ سمجھ لیں کہ ہمکو خوف نہیں ہے ہمارا خاتمہ خواہ مخواہ بخیر ہی ہو جائے گا اور اس حدیث کے حکم کے مطابق ہم کو نجات ضرور حاصل ہوگی حاشا وکلا فقہا و محدثین وعلمائے معتبرین سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ (فتاوی عبدالحئی جلد سوم صفحہ نمبر ۲۱۳)

حضرت مولانا عبدالحئی" نے اس میں یہ وضاحت فرمادی کہ وجوب جنت یا حرمت نار وغیرہ کے الفاظ جو بعض اعمال صالحہ پر استعمال ہوئے ہیں وہ اطاعت خداوندی کے الفاظ جو بعض اعمال صالحہ پر استعمال ہوئے ہیں وہ اطاعت خداوندی کے ساتھ مشروط ہیں کہ ان اعمال صالحہ کے اصحاب کے لئے جنت ضروری اسی صورت میں ہے جب کہ ان کی تمام زندگی اطاعت خداوندی میں گزری ہو نہ یہ کہ ادب وآرٹ کا مربی اور موسیقی جیسے حرام امور کے۔ یزید جیسے سرپرست وعیاش شخص کے لئے بھی اگر کہیں ایسے الفاظ وارد ہوتے ہوں وہ بھی حدیث کے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے ضرور جنتی شمار کیا جائے گا۔

جیسا کہ فرقہ یزیدیہ کا دعویٰ ہے ورنہ ہر شخص کو جنتی تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔ جیسا کہ کتاب میں دوسری جگہ گزر چکا ہے۔ لیکن یزید جیسے رسوائے زماں شخص کے بارے میں وجوب جنت و بشارت مغفرت کا پروپیگنڈہ کرنا جبکہ اس کے دور اقتدار کی مکروہ یادگاریں تاریخی صفحات پر ثبت ہوں۔ مثلاً خاندان نبوت کا قتل عام، مدینہ منورہ ومکہ مکرمہ کی بے

حرمتی اور ساکنانِ مدینہ الرسول کے خون کو پانی سے زیادہ ارزاں کرنا جن کو خوف زدہ کرنے والے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید بلکہ لعنت فرمائی ہے۔ ایسے مکروہ کارنامے ہیں جن کی موجودگی میں مغفرتِ یزید کا پروپیگنڈہ درحقیقت شعائر اللہ کی عظمت مٹانے کے مترادف ہے جس کا تصور بھی اہل بصیرت کے نزدیک جرم سے کم نہیں۔

برأت یزید کا دعویٰ

اس کے بعد فاضل موصوف کے اس دعویٰ کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں جس میں یزید جیسے رسوائے زماں شخص کو تمام عیوب وافعال غیر شرعیہ سے بری قرار دینے کو ضروری کہا گیا ہے اس کی برأت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ان افعال غیر شرعیہ کے ارتکاب کا ہی انکار کر دیا جائے۔ کہ یزید نے ایسا کیا ہی نہیں لیکن یہ صورت تو مشکل ہے اس لئے کہ واقعات کا انکار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے خصوصاً اس وقت جبکہ خود عباسی صاحب یزید کے متعلق حرام وناجائز امور کی سرپرستی کا اقرار کر رہے ہوں۔

برأت کی دوسری صورت یہ ہے کہ ان امور کے جواز کا فتویٰ دیا جائے جن کا یزید نے ارتکاب کیا ہے اب دیکھئے ہمارے ہاں کے مفتی کون سی صورت اختیار فرما کر برأت یزید کے فرائض کی سرانجام دہی فرماتے ہیں۔ عباسی صاحب کے اقرار کے ہوتے ہوئے کہ وہ خود شاعر تھا موسیقی کا ذوق رکھتا تھا اہل ہنر اور شعرا کا قدردان اور ادب وآرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔ (خلافت معاویہؓ ویزید ص ۳۲۵)

اس کا انکار کرنا تو بے لاگ ریسرچ کی عظمت کا انکار تصور کیا جائے گا اس لئے اقرار ہی کرنا پڑے گا اب برأت یزید کی یہی صورت ہے کہ موسیقی جیسے حرام امور کے جواز کا فتویٰ دیا جائے یا پھر اہل حق کے مسلک کو اختیار فرما کر اپنے غلط نظریات سے رجوع فرمانے کا اعلان کیا جائے۔

چیلنج مباہلہ

فاضل موصوف نے جو چیلنج مباہلہ دیا ہے وہ صرف ہم کو ہی چیلنج نہیں بلکہ تمام

اہلسنت والجماعت کو چیلنج ہے اس لئے کہ یزید کے بارے میں میرا نظریہ اپنا خود ساختہ نہیں بلکہ راقم الحروف ہر اسلامی نظریہ میں اپنے اسلاف کے اتباع کو ہی نجات کی واحد صورت سمجھتا ہے لہٰذا میرا دعویٰ تو اسلاف کے نظریہ کو برحق سمجھتے ہوئے اس کی ترجمانی ہے۔ مجھ کو چیلنج کرنا گویا تمام اسلاف کے نظریہ کو چیلنج ہے۔ جیسا کہ خود علماء دیوبند حضرات کے بارے میں یہ کہہ کر کہ ان کا فتویٰ تاریخی معاملہ میں ہم پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے مسلک کو تاریخی حیثیت دے کر اس کی تغلیط کر رہے ہیں یہ ہیں چودھویں صدی کے محققین بے علم کی قابلیت کا حال کہ یزید پلید کی مغفرت اور اس پر لعنت نہ کرنے بلکہ دعا رحمت کرنے کے بارے میں خود تو قرآن وحدیث پیش کریں لیکن جب اسلاف کے نظریہ کو قبول کرنے کے متعلق دریافت کیا جائے تو اس وقت اسی نظریہ کو محض تاریخی حیثیت دے کر کہ اس کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں اس کی تردید کریں کیا یہ:

"اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالی واھتز لہ العرش"

کہ جب فاسق آدمی کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔ یزید جیسے رسوائے زماں شخص کی تعریف کا تو نتیجہ نہیں ہے کہ خود مجتہد مطلق کی طرح انتقائے یزید کا اثبات قرآن وحدیث سے پیش کریں لیکن اتباع سلف سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اس کو تاریخ پر محمول کر کے نظریہ اسلاف کو غلط ثابت کیا جائے فاضل موصوف نے یزید کے بارے میں جو طرز اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ یزید کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا مسلک بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے جس کو ہم ایک لمحہ کے واسطے قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں اس لئے کہ یہ ایک تاریخی معاملہ ہے جس کی حقیقت بجائے سلف کے خلف زیادہ پہنچان سکتے ہیں جیسا کہ عباسی صاحب کی ریسرچ اس کا بین ثبوت ہے۔

گویا کہ تمام سلف اس مسئلہ میں غلط راستہ پر چلتے رہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اگر فاضل موصوف اہل سنت والجماعت کے نظریہ کو صحیح وقابل

عمل سمجھتے تو اس صورت طرز تحریر یوں ہونا چاہیے تھا کہ یزید کے متعلق اہلسنت والجماعت کا نظریہ یہ ہے اور ان کے دلائل اس بارے میں یہ ہیں اور تمہارا نظریہ یزید کے فاسق بالاتفاق اور کافر مختلف فیہ ہونے کا غلط ہے اور مجھے اس کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتے تھے کہ اگر واقعی تمہارا نظریہ صحیح ہے کہ اہل سنت کا مسلک یزید کے متعلق یہی ہے کہ وہ فاسق بالاتفاق اور کافر مختلف فیہ ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں۔ لیکن بجائے طلب ثبوت کے اس اصل متفق علیہ فسق یزید کے نظریہ کو لایعنی دلائل سے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرنا اس کا ثبوت نہیں کہ جناب والا کو اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ نظریہ نا قابل برداشت ہے اور جو شخص اہلسنت والجماعت کے متفق علیہ عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔

متفق علیہ عقیدہ کی مخالفت کا ثمرہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا اس بارے میں فتویٰ ملاحظہ کیجئے مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت کے عقائد کی دو قسمیں ہیں (الف) متفق علیہ یعنی جن پر تمام اہلسنت متفق ہوں اس قسم کے عقائد میں جو شخص خلاف عقیدہ رکھے گا وہ فاسق (فی العقیدہ) اور مبتدع کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیعہ، خوارج، نواصب، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ (ماخوذ از رسالہ تذکرہ دیوبند اکتوبر ۵۶ء) حضرت مولانا کے اس فتویٰ کے مطابق جو شخص بھی اہلسنت کے متفق علیہ عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھے وہ شیعہ وخوارج ونواصب وغیرہ کی طرح اہلسنت سے خارج سمجھا جائے گا اب ہمارے ہاں کے فاضل موصوف ہوں یا دوسری جگہ کے مداحین یزید ہوں اس فتویٰ کے پیش نظر سب اہلسنت والجماعت سے خارج سمجھے جائیں گے خصوصاً ہمارے ہاں کے فاضل موصوف جو یزید کی شان میں قصیدے لکھ کر اس کو دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم انسان ثابت کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ یزید کے امیر المومنین ہونے کا اسٹیج پر بیان کرنا فرض ہے اس

کے باوجود بھی اگر ایسا نظریہ رکھنے والا شخص اہل سنت سے خارج نہیں تو پھر دوسرے فرقوں کا کیا تصور کسی نظریہ کے غلط یا صحیح ہونے کا مدار محض اسی پر نہیں کہ یہ نظریہ دلائل کے کمزور یا نہ ہونے کی بناء پر غلط یا دلائل کے پائے جانے کی بناء پر صحیح ہے بلکہ کسی نظریہ کے داخلی دلائل کے علاوہ اس کی صحت کے لئے ایک خارجی دلیل کا پایا جانا ضروری ہے بلکہ اس خارجی دلیل کو ان تمام دلائل کے پرکھنے کی کسوٹی اگر کہا جائے تو بجا ہے کہ کسی نظریہ کی صحت کے دلائل خواہ کتنی کثرت سے دیئے جائیں ان تمام کے پرکھنے کی کسوٹی صرف ایک ہے جس کے نظر انداز کرنے کی وجہ سے فرق باطلہ کا آغاز ہوا۔ قبل ازیں کہ معیار حق کا تذکرہ کیا جائے اولاً ہم فرق باطلہ پیدا ہونے کے اسباب ناظرین کرام کی خدمت اقدس میں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ عوام الناس فرق باطلہ کی معرفت حاصل ہونے پر اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھ سکیں۔

فرق باطلہ کا نقطہ آغاز

کثرت فرق کی پیش گوئی تو خود نبی کریم ﷺ نے فرمادی تھی کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی ایک جماعت کے سوا تمام دوزخ میں جائیں گے اس میں تو کثرت فرق کا ذکر ہے کہ فرق باطلہ کثرت سے پیدا ہوں گے لیکن ان کے پیدا ہونے کا نقطہ آغاز کہ جس کی وجہ سے وہ جماعت اہل حق سے کٹ کر الگ ایک گروہ کی شکل میں ظاہر ہوا تمام فرق باطلہ میں جو چیز بقدر مشترک پائی جاتی ہے وہ آزادی رائے ہے جو ہر باطل پرست گروہ کا نقطہ آغاز ہے جس قدر گروہ وفرقے اہل اسلام میں پائے جاتے ہیں ان تمام کی ابتداء اسی نقطہ سے شروع ہوتی ہے۔ آزادی رائے سے تحریف معنوی وتفسیر بالرائے کا دروازہ کھلتا ہے جس کے کھولنے سے شارع علیہ اسلام نے سختی سے منع فرمایا ہے بلکہ آنحضرت ﷺ نے فرما کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کرلے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

یہی وہ چیز تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ" کی خلافت کے وقت خوارج کا فتنہ

اٹھا۔ ''ان الحکم الا للہ'' کی تفسیر بالرائے کر کے بارہ ہزار افراد ان کی اطاعت سے نکل کر خارجی بن گئے ان کے علاوہ اور جس قدر فرق باطلہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً معتزلہ، مرجیہ، نواصب، قادیانیہ، اہل قرآن، شیعہ، یزیدیہ، بہائیہ، مودودیہ وغیرہ ان تمام فتنوں کے ظہور کا یہی آزادی رائے کا بنیادی اصول ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے مہلک ترین سبب ہے۔

آزادی رائے کے غلط نظریہ نے ہی ہر کس و ناکس کو احکام اسلامی اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق ڈھالنے پر مجبور کیا اسی وجہ سے ہر خواہش پرست جس طرح چاہتا ہے اسلامی نظریہ کو غیر اسلامی یا غیر اسلامی نظریہ کو اسلامی صورت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ جس سے عامۃ المسلمین نہایت ہی مایوسی کے عالم میں سخت پریشان نظر آتے ہیں اسی بناء پر بعض حضرات تمام مذہبی فرقوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور پھر ایسے حضرات ہی ان لوگوں کی مدح سرائی کر کے حوصلہ افزائی کرنے میں معروف رہتے ہیں جو آزادی رائے کا رجحان پیدا کر کے فرقہ بندی کے سربراہ کہلاتے ہیں اس لئے کہ جدت پسند حضرات'' کُلّ جدید لذیذ'' کے مطابق ہر جدید نظریات کے داعی کی آواز پر لبیک کہنے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور اسی کو اسلام کا واحد نمائندہ سمجھ کر اصل اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں لیکن اسلام نے آزادی رائے کے دروازہ کو قفل لگا کر جس طریقہ سے انسداد فرق کے اصول پیش فرمائے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہیں یہاں صرف ایک اصول درج کیا جاتا ہے جس سے تمام فرق باطلہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

انسدادِ فتن کی بحث

اسلام نے اس سلسلہ میں جس قدر وضاحت فرمائی ہے اس کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں اور نہ ہی انسدادِ فرق کے بارے میں تمام گوشوں کو یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک وضاحت طلب طویل بحث ہے جس کے لئے ایک

مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

یہاں ہم صرف اس مسئلہ کا تعارف کرانے کے لے بقدر ضرورت دلائل ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ملاحظہ کیجئے

'وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله'

اور یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس پر چلو دوسرے اور منحرف راستوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اس بڑی شاہراہ سے جدا کر دیں گے۔

اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے یوں فرمائی ہے: ''عن عبداللہ بن مسعود قال خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خطا ثم قال هذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینه وعن شماله وقال هذه سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعو الیه ثم قرأ وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه" الایه (مشکوۃ شریف)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ کھینچا حضور علیہ السلام نے ایک سیدھا خط پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر کھینچیں اس کے دائیں اور بائیں بہت سی لکیریں اور فرمایا یہ راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے اور یہ آیت پڑھی:

''ان هذا صراطی مستقیم فاتبعوه''

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے جس انداز میں صراط مستقیم اور سبل متفرقہ یعنی شیطانی راستوں کی وضاحت فرمائی ہے اس سے سبل متفرقہ کی حقیقت نیم روز کی مانند سامنے آگئی کہ ایک رحمانی راستہ کے علاوہ سب شیطانی راستے ہیں لیکن اس پرفتن دور میں جبکہ ہر فرقہ اہل حق ہونے کا دعویدار ہو اس رحمانی راستہ کے پہچاننے کی آخر کیا شکل ہے اس کی معرفت کا جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے پیش فرمایا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔

''وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا ومن هی یا رسول اللہ قال ما انا

علیہ واصحابی" (سنن الترمذی باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ)

اور تحقیق بنی اسرائیل تقسیم ہوئے بہتر فرقوں میں اور میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی ایک جماعت کے سوا تمام دوزخ میں جائیں گے صحابہ نے عرض کیا وہ کون سا گروہ ہے آپ نے فرمایا کہ جس راستہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجی کی تعیین کی بجائے جبکہ سوال میں بھی اس کی تعیین مقصود ہے ماانا علیہ و اصحابی سے جواب عنایت فرما کر جس فتنہ عظیم سے ملت اسلامیہ کو خبردار کیا ہے وہ اہل بصیرت حضرات سے پوشیدہ نہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر جواب یوں دیا جاتا۔

کہ فرقہ ناجی وہ ہے جو قرآن وحدیث سے اپنی زندگی کا نصب العین پیش کرے بظاہر اگرچہ یہ جواب صحیح و درست تھا لیکن حقیقت میں اس سے تحریف معنوی کا دروازہ کھلتا تھا اس لئے کہ اس صورت میں ہر وہ شخص جو اپنی عقل سے اسلامی نظریات پیش کر کے اہل حق ہونے کا مدعی ہو کر سامنے آئے جواب مذکورہ کے پیش نظر اس کے ناجی وہدایات یافتہ ہونے کا یقین کرنا لازمی تھا تو اس صورت میں نہ تو اسلام تحریف معنوی سے محفوظ رہ سکتا تھا اور نہ ہی فرقہ ناجی کی تعیین حاصل ہو سکتی تھی اور اگر فرقہ ناجی کی تعیین اپنی ذات وصحابہ کرام کی ذوات مقدسہ سے فرماتے تو لازم آتا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد کسی کو اہل حق ہی نہ سمجھا جائے جو بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا پر اسرار جواب عنایت فرمایا جس سے نہ تو تحریف معنوی کا دروازہ کھل سکتا ہے اور نہ ہی فرقہ ناجی کی تعیین وتشخیص میں کوئی اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے کہ کسی کے ناجی وہدایات یافتہ ہونے کے لئے محض اس کے اپنے عقائد ونظریات کافی نہیں جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام کی جماعت کے تعامل سے اس کی تصدیق نہ کرائی جائے گویا حق کی علامت اہل حق کا تعامل ہے محض کسی کا کوئی نظریہ خواہ اس کی صحت پر کتنے ہی دلائل پیش کئے جائیں ہرگز قابل قبول نہیں

تاوقتیکہ تعامل اہل حق سے اس کی تائید نہ کرائی جائے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماانا علیہ واصحابی سے تعبیر فرمایا ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی کوئی پیش کرے وہ سب گمراہی وضلالت ہے۔شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعامل اہل حق کی اتباع کا لازم قرار دے کر جس طرح آزادی رائے کے رجحان کو ختم کر کے انسداد فرق باطلہ کا اصول پیش فرمایا ہے اگر اس کو نظر انداز کیا جاتا تو آج ملتِ اسلامیہ میں جماعت اہل حق کے سوا اور کوئی فرقہ نظر آتا تعامل اہل حق کے اتباع کو دوسری احادیث میں جس طرح لازم وضروری قرار دیا گیا ہے اس کو ملاحظہ کیجئے: ''عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لایجمع امتی اوقال امۃ محمد علی ضلالۃ ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذشذفی النار'' (مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان)

''وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذشذفی النار''

ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا فرمایا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہے جماعت پر اور جو الگ ہوا وہ داخل کیا جائے گا دوزخ میں اور انہی سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اتباع کرو سوادِ اعظم کی پس جو شخص الگ ہوا ڈالا جائے گا دوزخ میں ان کے علاوہ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن میں اہل حق کے تعامل کو ضروری ولازمی قرار دیا گیا ہے۔قرآن کریم میں اسی چیز کو اس پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے:

''اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔''

کہ دکھا ہم کو سیدھا راستہ راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہوا۔یعنی منعم علیہ حضرات کے راستہ کی درخواست کی گئی ہے لیکن منعم علیہ میں کون کون صاحب اوصاف شامل ہیں اس کی وضاحت قرآن کریم میں دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے:

''فاولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء

والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔"

یعنی منعم علیہ حضرات کے راستہ کی اتباع ہی اخروی نجات کا واحد سبب ہے۔ آیت کریمہ میں چار گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ہم کو ان تمام حضرات کے راستہ کی رہنمائی فرمائی لیکن اگر کسی چیز کی وضاحت پیغمبر کی جانب سے نہیں ملتی تو صدیقین کے اسوہ حسنہ کو دیکھا جائے گا اس کے بعد شہدا اور صالحین کے تعامل کو بطور محبت تسلیم کیا جائے گا جس میں تمام علماء اہل حق من حیث الجماعت شامل سمجھے جائیں گے۔ اسی کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے کی ہے:

"ماانا علیہ واصحابی اتبعو السواد الاعظم یداللہ علی الجماعۃ"

صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت کے بعد قیامت تک جماعت اہل حق کا ہر زمانہ میں باقی رہنا ضروری ہے جو انہی کے نصب العین کے مطابق اصول اسلامی کی وضاحت کرتے رہیں گے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش گوئی فرمائی ہے:

"لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ وھم کذالک" (مسلم شریف)

یعنی میری امت سے ایک جماعت قیامت تک حق کے ساتھ غالب رہے گی۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا ان کو جو ان کی مخالفت کرے گا قیامت تک یہ خدمت دین میں مشغول رہے گی۔

اس حدیث میں جماعت اہل حق کے قیامت تک موجود رہنے کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ ہر میدان میں ان کے غالب رہنے کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ وہ باطل کے مقابلہ میں ہمیشہ غالب رہیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو زیر نہیں کر سکے گی۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے علماء اہل حق کی اتباع کو لازمی قرار دے کر آزادی رائے کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند فرمادیا اسی کو ہم اتباع سلف سے تعبیر کرتے ہیں جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اتبعو

السواد الاعظم ویداللہ علی الجماعۃ من شذشذفی النار" کے الفاظ سے تعبیر کی ہے۔ بلکہ اسی سلسلہ میں ہم امام زاری کا قول پیش کرتے ہیں۔

اولاً اس آیت کریمہ کو سمجھ لیجئے جس کی تفسیر کے تحت امام فخرالدین رازی اپنی تحقیق پیش فرماتے ہیں۔

حقیقی اولی الامر علماء حقانی ہیں۔ آیت کریمہ ملاحظہ کیجئے:

"یاایھاالذین امنو اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم"

اے ایمان والوتم کہنا مانو اللہ کا اور کہنا مانو پیغمبر اور اولی الامر جو تم میں سے ہو۔

کتب تفسیر میں اولی الامر کی تفسیر دو طرح سے آئی ہے دنیاوی اے حکام یعنی بادشاہان اسلام باعتبار۔ سیاست مدنیہ اور دینی حکام یعنی علماء کرام و مجتہدین عظام باعتبار علم ظاہری اور شیوخ طریقت باعتبار علم باطنی مگر یہاں علماء کرام و مجتہدین عظام مراد لینا زیادہ راجح ہے کیونکہ دنیاوی حکام دینی احکام میں خود نہیں بلکہ علماء شریعت کے فتووں کی طرف محتاج ہیں لہٰذا علمائے شریعت دنیاوی حکام کے بھی حاکم ہوئے۔

امام فخرالدین رازی (تفسیر کبیر مصری کے ص ۳۳۴ ج ۳) میں فرماتے ہیں:

"وخامسھا ان اعمال الامراء والسلاطین موقوفۃ علی فتاوے العلماء والعلماء فی الحقیقۃ امراء الامراء فکان حمل لفظ اولی الامر علیھم اولی"

یعنی حکام اور سلاطین کے امور دینیہ علماء کے فتووں پر موقوف ہیں اور علماء درحقیقت حکام کے بھی حاکم ہیں لہٰذا (بقاعدہ علماء اصول المطلق اذا یطلق یرادبہ الفرد الکامل) لفظ اولی الامر سے علماء مراد لینا زیادہ راجح ہے۔

حضرت امام فخرالدین رازیؒ کی تحقیق کے مطابق علماء ربانی کی مخالفت درحقیقت احکام اسلامی کی مخالفت ہے اب مذکورہ بالا احکام اسلامی کو پیش نظر رکھ کر مداحین یزید کے طرز عمل کو دیکھے کہ یزید کے بارے میں علماء اہل حق کے خلاف نظریہ پیش کرنا ایک لمحہ کے لئے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ مذکورہ احکام اسلامی

سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱): آزادی رائے کی وجہ سے اس امت میں بہت سے فرقے پیدا ہوں گے۔ ایک جماعت کے ماسوا تمام دوزخ میں جائیں گے۔

(۲): جماعت اہل حق اسی شاہراہ پر سفر کرنے والی جس کی حدود اربعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تعامل سے معین ہو چکی ہیں ہر زمانہ میں قیامت کے قائم ہونے تک موجود رہے گی۔

(۳): جماعت اہل حق ہر نظریہ میں مصیب و برحق سمجھی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہر غلطی ولغزش سے اس کی حفاظت فرماتی ہے۔ اس لئے گمراہی پر اس کا اجتماع محال ہے۔

(۴): ہر شخص پر لازم ہے کہ ہر معاملہ میں جماعت کی اتباع کرے کسی ایک نظریہ میں بھی جماعت کی رفاقت کو ترک کرنا جہنم میں جانے کے مترادف ہے اور حقیقی اولی الامر یہی حضرات ہیں۔

ان نتائج کے پیش نظر کوئی ایسا نظریہ جو جماعت اہل حق کے خلاف ہو سراسر ضلالت وگمراہی ہے۔ ایسا نظریہ پیش کرنے والا ضال ومضل ہے جو ارشادات نبوی کے مطابق جہنم کی طرف جا رہا ہے۔

کسی نظریہ کی صحت وعدم صحت کو پرکھنے کے لئے جماعت اہل حق کے تعامل کی کسوٹی ہے جو ہر زمانہ میں تمام عقائد ونظریات کے اتحاد واتفاق کی لڑی میں منسلک ہو کر سفر کرتی ہوئی آرہی ہے۔

لہٰذا جماعت اہل حق کی مخالفت کی صورت میں کوئی نظریہ صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ اس کی صحت پر کتنے دلائل پیش کئے جائیں۔ یہ ہے انسدادِ فتن کا اصول اسلامی جس سے ملت اسلامیہ بے پرواہ ہونے کی وجہ سے افتراق وانتشار کا شکار ہوئی اگر انسدادِ فتن کے اصول کو اپنایا جاتا تو آج ملت اسلامیہ میں کوئی فتنہ نظر نہ

آتا جو نظریہ برحق و اسلامی ہوگا وہ ہر زمانہ کے علماء تعامل سے تصدیق ہوتا ہوا نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر منتہی ہوگا جو ایسا نہیں وہ نظریہ غیر اسلامی ہوگا۔ جماعت اہل حق جو حقیقی معنی میں نبی کریم ﷺ کی صحیح جانشین ہے وہ اہل سنت والجماعت ہے جس کے حقیقی ترجمان اس وقت حضرات علماء دیوبند ہیں جو ہر جگہ خدمتِ اسلام میں مصروف ہیں اب اس بحث کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کا یزید کے بارے میں نقطہ نظر صحیح قرار دیا جائے گا۔

یزید کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا نظریہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ فسق یزید پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے اب یہ کہ اس کے خلاف نظریہ پیش کرنے والے کی مذکورہ بحث کے پیش نظر کیا پوزیشن ہے اور اس کے نظریہ کا کیا مقام ہے اس کا فیصلہ ناظرین کرام خود کریں۔

اتقائے یزید کے اثبات میں ہمارے ہاں کے فاضل موصوف بہت پیش پیش ہیں جو اس پر چیلنج مباہلہ بھی دے چکے ہیں۔ مداحین یزید کی خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ وہ اہل سنت کے بارے میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کریں کہ آپ ان حضرات کو اس نظریہ میں گمراہ سمجھتے ہیں یا کہ برحق اگر وہ برحق ہیں یقیناً برحق ہیں پھر آپ کون ہوئے اگر وہ گمراہ ہیں پھر آپ اپنا روحانی نسب نامہ صحیح ثابت کریں تاکہ عوام الناس دھوکہ میں نہ رہیں۔

عباسی عالم کی کذب بیانی

اس سلسلہ میں ہم نے جب دارالعلوم دیوبند سے ان کے متعلق فتویٰ منگوایا تو فاضل موصوف کو بھی جوش آیا کہ ان کے خلاف فتویٰ منگوا کر اپنی پوزیشن کو بحال کیا جائے کیونکہ ہمارا فتویٰ آنے پر فاضل موصوف کا پروپیگنڈہ یہ تھا کہ انہوں نے ہمارے متعلق سوالات غلط دیے ہیں حالانکہ اس وقت ہمارے پاس ان کی کوئی تحریر نہ ہونے کی بناء پر ہم نے بہت نرم سوالات لکھ کر فتویٰ منگوایا تھا۔ جس کا اندازہ ان کے

مذکورہ نظریات وفتویٰ کے سوالات کا مقابلہ کرنے سے با آسان ہوسکتا ہے۔ اب ان کے اپنے دست مبارک سے تحریر شدہ یزید پلید کے بارے میں نظریات ہم نے فریضہ اسلامی سمجھتے ہوئے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کردیئے ہیں اگر کسی نے ان کی اصلی تحریر ملاحظہ کرنی ہو وہ ہمارے پاس موجود ہے ہم نے اس وقت جو سوالات لکھ کر فتویٰ منگوایا وہ آخیر کتاب میں منسلک ہے لیکن ان کے بعد کے تحریر شدہ نظریات کے پیش نظر ان کی پوزیشن کے متعلق حکم شرعی سخت ہوجائے گا اس کی اگر کسی کو ضرورت ہو تو وہ مذکورہ نظریات کے حامل کے بارے میں علمائے کرام کی جانب رجوع کرلے لیکن فاضل موصوف نے فتویٰ حاصل کرنے کے واسطے جو سوالات مفتی دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں روانہ کیے وہ مندرجہ ذیل مکتوب میں ملاحظہ کیجئے۔

ایک خط اور اس کا جواب

(از حضرت مفتی اعظم مولانا سیّد مہدی حسن صاحب دارالعلوم دیوبند)

حضرت مفتی صاحب دامت معالیہم السامیہ۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی۔ پس از سلام الوف الاحترام، عرض رسائے خدمت سامی ہے کہ یہاں چوک میں سال بسال حضرت عثمان غنیؓ کی جناب میں اسأت ادب کی جاتی تھی میں ہر سال مسجد میں مدافعت کرتا تھا اور وہ کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی لہٰذا میں نے مجبور ہو کر ان مشائخ کے مذکورہ بالا عبارتوں کو (جو سائل کی دوسری تحریر میں ہے) سامنے رکھ کر یزید کی بھرے مجمع میں مدافعت کرنی شروع کردی اور بقول امام غزالی بحوالہ کتاب رحمۃ اللہ کی اجازت کا بیان لاتسبوا الاموات وغیرہ احادیث اور لاتجعل فی قلوبنا غلا وغیرہ کی آیات سے استناد واشتہاد شروع کردیا اس طرح روافض سے انتقام لیا کہ ملک بھر میں شیعوں میں کہرام مچ گیا۔ مگر جو..... مجھ سے خطابت پہلے سے جیتنا چاہتے تھے انہوں نے میرے خلاف فتویٰ منگا کر نشر واشاعت شروع کردی .....اب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ جہاں تاریخ الخلفاء میں جو موجود ہے

کہ عمر ابن عبدالعزیز نے امیرالمومنین کہنے والے کو بیس کوڑے لگوائے کیا یہ راوی حدیث ہے کیا وہ معتبر رجال میں ہے اتنی بہت سی قدماء کی عبارت ہوتے ہوئے کیا ایسی روایت قابل استناد ہے.... .اب انہیں زریں موقعہ مل گیا ہے میرے خلاف ہر جگہ فتویٰ دکھاتے پھر رہے ہیں کیا ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ، حافظ بن کثیرؒ، اکابر نے جھوٹ بولا ہے مغفورلہم حدیث شیخ البحر اور بخاری کے اوجبوا میں یزید کا استثناء ہے براہ کرم نوازی جواب تفصیل سے مرحمت فرمائیں۔ والسلام:

مع الوف الاحترام..... خطیب..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ!

خیریت کا طالب ودعا گو۔ یاد فرمائی کا شکرگزار۔ جن امور کے متعلق تحقیق منظور ہے۔ ان کی تحقیق کا اہل نہیں۔ عدم الفرصتی دوسرا عذر لنگ، مطالعہ کتب سے عاجز، پھر یہ امور وہ ہیں جن کی تحقیق وتشریح اجمال تفصیل حق وصواب غلط باطل کی تمیز پر سالہا سال پہلے ہوچکی ہے متقدمین ومتاخرین، محدثین وفقہاء مورخین ومصنفین اور مولفین طبقات رجال وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سب کچھ بیان کر چکے ہیں اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ ہم سب پہلوؤں کے خوشہ چیں مقلد ہیں آپ کی تحریر کی وجہ سے کچھ عرض کرتا ہوں۔" اقول بحول اللہ وقوتہ وھو الملھم لصدق والصواب غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب" تاریخ الخلفاء میں جو واقعہ مذکور ہے۔ آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں کیا راوی حدیث ہے کیا وہ معتبر رجال میں ہے کیا ایسی روایت قابل استناد ہے تو گزارش ہے کہ یزید کی تکفیر کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل سنت اسے کافر نہیں کہتے اس کے فسق پر تقریباً سب متفق ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں کوڑے لگوانے کا جو واقعہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا نقل کیا ہے۔ ان سے پہلے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی (تہذیب التہذیب کے جلد ۱ صفحہ ۳۶۱) میں اسی واقعہ کو نقل کیا ہے جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

"وقال یحیی بن عبدالملک بن ابی غنیة احد الثقات حدثنا نوفل بن ابی عقرب ثقة قال کنت عندعمر بن عبدالعزیز فذاک رجل یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ فقال قال امیر المومنین یزید فقال عمر تقول امیر المومنین یزید فامر بہ فضرب عشرین سوطا انتھی"

حافظ ابن حجرؒ سیوطیؒ سے مقدم ہیں اور حافظ ابن حجر سے پہلے صاحب تہذیب الکمال محدث مزی ہیں تہذیب الکمال میں یہ واقعہ مذکور ہے اسی سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ تہذیب الکمال کا یہ خلاصہ تہذیب التہذیب ہے حافظ ابن حجر کی عادت ہے کہ کچھ اپنی طرف سے زیادہ کرتے ہیں تو اس کو لفظ قلت سے تعبیر کرتے ہیں جس کا علم دیباچہ تہذیب التہذیب سے ہوسکتا ہے۔ یہاں ایسا نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہے کہ واقعہ تہذیب الکمال میں مذکور ہے محدث یحیی بن عبدالملک بن ابی غنیہ الکوفی بخاری، مسلم ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کے رجال میں داخل ہیں ثقہ صالح الحدیث ہیں۔ یحیی بن معین، محدث، عجلی، امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، دارقطنی وغیرہ محدثین نے ان کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے جو (تہذیت التہذیب کے جلد ۱۱ ص ۲۵۲) میں موجود ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر نے ان کے نام کے ساتھ ان کی صفت بیان کردی اور احد الثقات کہہ دیا کہ ثقہ راویوں میں سے یحیی بن عبدالملک ایک ثقہ راوی حدیث ہیں ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب ہیں وہ بھی ثقہ ہیں۔ جس کی تصریح خود حافظ ابن حجرؒ نے کردی ہے نوفل نے یحیی بن عبدالملک سے بیان کیا کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین یزید نے کہا تو فوراً خلیفہ نے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے۔ پس خلیفہ نے بیس (۲۰) کوڑے مار دینے کا حکم کیا اس کو بیس کوڑے مار دیئے گئے اگر واقعہ غلط ہوتا تو اپنی عادت کے مطابق حافظ ابن حجر ضرور اس پر ریمارک کرتے حافظ ابن حجر کی توثیق کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مخالف موجود نہیں ہے۔ تو پھر ثبوت میں تردد کیا ہے

پس معلوم ہوا کہ یحییٰ بن عبدالملک اور نوفل دونوں ثقہ ہیں۔ راویان حدیث میں داخل ہیں اور روایت قابل اسناد ہے۔ اصول الجنون فنون تسلیم شدہ ہونے کی بناء پر ایک بات یاد آگئی اسے بھی یہاں ذکر کردوں کتاب خلافت معاویہؓ و یزید کے مؤلف عباسی صاحب نے واقعہ کو تو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا لیکن کمال دجل وفریب سے کام لے کر حافظ ابن حجر اور محدث یحییٰ بن عبدالملک پر افتراء کیا کہ محدث یحییٰ نے یزید کو ثقہ کہا ہے اور حافظ نے تہذیب میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ سچ ہے.....

باندھی ہے سب نے زیر فلک جھوٹ پر کمر
شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کر

دیکھئے کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' جس کی عبارت ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر روات احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عقبہ الکوفی متوفی ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو احد الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے۔ انتہیٰ بلفظہٖ!

سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجاست

یہ کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ ہے (قال یحییٰ بن عبدالملک ابی عقیبہ احد الثقات) کا صرف (قال یحییٰ بن عبدالملک احد الثقات) کا ترجمہ نقل کر کے عباسی صاحب نے امام ابن حجر اور محدث یحییٰ دونوں پر افتراء کیا اور کس دلیری سے آفتاب نیمروز میں یہ کہہ دیا کہ محدث یحییٰ نے یزید کو ثقہ کہا ع ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں۔ میزان الاعتدال میں یزید کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کا یہ قول موجود ہے۔ ''مقدوح فی عدالتہ'' عدالت کے اعتبار سے یزید مجروح ہے..... احد الثقات حافظ ابن حجر کا قول محدث یحییٰ کے بارے میں ہے کہ محدث یحییٰ بن عبدالملک ثقہ راویان حدیث میں سے ایک راوی ثقہ ہیں۔ یہ یحییٰ کا قول نہیں ہے لفظ قال اور احد الثقات کا ترجمہ کر کے لاتقربوا الصلوٰۃ کی نظیر پیش کردی نہیں نہیں بلکہ ع گر بہ شاشید گفت باراں

است کہ اٹھیے حافظ ابن حجر محدث یحییٰ کے واسطہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی توثیق کردی کہ بیان کرنے والے ثقہ ہیں۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ محدث یحییٰ بن عبدالملک نے کہا جو ثقہ راوی ہیں کہ ہم نے نوفل بن ابی عقرب سے بیان کیا جو ثقہ ہیں الخ دیکھا آپ نے کس دیانت سے کام لیا اور کتنی حقانیت کی داد دی کیا اسی کا نام ریسرچ اور حقیقت سے پردہ اٹھانا ہے۔ سطور بالا میں تہذیب کی پوری عبارت منقول ہے جس کو عربی زبان اور اصطلاح محدثین سے کچھ بھی لگاؤ اور ادنی تعلق ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ عباسی صاحب نے دانستہ دھوکہ دیا ہے اور ریسرچ کے پردہ میں حافظ ابن حجر اور محدث یحییٰ بن عبدالملک دونوں پر افتراء کیا ہے۔ کیا حقیقت سے پردہ اٹھایا جارہا ہے۔ ہے کوئی مرد میداں جو اس کمال ریسرچ کی داد دے آفتاب نیمروز کی روشنی میں یہ ظلمت عبوسیت کیسی چھا گئی۔ مخلوق کی آنکھوں پر یہ کیسا پردہ۔ (باقی آئندہ)

(منقولہ ماہنامہ ''تذکرہ'' ص ۵ تا ۷ مارچ ۱۹۶۰ء شمارہ ۳ ج نمبر ۲ دیوبند)

ناظرین کرام خطیب ٹوبہ کے مکتوب گرامی کو غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ اپنے مطلب کو فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کس طرح واقعہ کو غلط رنگ دیکر اپنی صداقت کا یقین دلانے کی کوشش کی گئی ہے اگر جناب والا کی مدافعت بقول آنجناب کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی پھر آپ یزید پلید کی مدافعت کے لئے کیوں مجبور ہوئے کیا حضرت امیر معاویہؓ کی مدافعت کرنے سے حضرت عثمان غنیؓ کی مدافعت کرنا کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا تو یزید پلید کی مدافعت کیسے باوقعت ہوئی جناب والا نے مدافعت یزید کے غلط رویہ کو محض مقامی حالات کا نتیجہ قرار دینے کی کوشش کی ہے جناب محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب خلافت معاویہؓ و یزید جو رقابت خاندانی کی سیاہی سے تحریر کی گئی ہے کا اشارہ تک اپنے مکتوب گرامی میں نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اصل وجہ مدافعت یزید سے عباسی صاحب کے عزائم باطلہ کی تکمیل ہے۔

باقی رہی ہمارے متعلق خطابت حاصل کرنے کی کذب بیانی ہم اس پر لعنۃ

اللہ علی الکاذبین کے سوااور کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم کو اس پر کوئی ملال ہے کیونکہ جب ان کا بڑے سے بڑا نوجوانان جنت کے سردار سیّدنا امام حسینؓ کے شرعی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کر کے ان کی عظیم ترین شخصیت کو مجروح کرنے کی خاطر احکام اسلامی کی خلاف ورزی جیسے قبیح فعل کا غلط الزام لگانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تو پھر ہم کون ہیں کہ ان کے الزامات باطلہ سے محفوظ رہ سکیں۔

مجدد اول حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے واقعہ کے روایت کرنے والے کے متعلق خطیب صاحب نے جو سوال تحریر کیا یہ راوی حدیث ہے۔ تاکہ ان کا بیان کردہ واقعہ کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے یزید کو امیر المومنین کہنے والے پر بیس کوڑے لگوائے تھے کہ صحیح تسلیم کیا جاسکے اس کا جواب جو مفتی اعظم دارالعلوم نے دیا ہے وہ ہدیہ ناظرین ہے اب اس جواب کے پیش نظر یزید کو امیر المومنین کہنے والے کی شرعی پوزیشن خود بخود سامنے آجاتی ہے اب فاضل موصوف اپنے اس سوال کے جواب کے پیش نظر اپنے لئے خواہ وہ کوئی مقام معین کریں ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ اب مفتی اعظم دارالعلوم کا فتویٰ جناب والا کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ان کے پاس سوال بھیج کر ان کو اس بارے میں ثالث تسلیم کرلیا ہے۔ کسی کو ثالث تسلیم کر لینے کے بعد اس کے فیصلہ کو قبول نہ کرنا عالم انسانی میں نہایت ہی بدترین جرم ہے جس کی جرأت میرے خیال میں ہر انسان نہیں کرسکتا۔

ناظرین کرام کی خدمت میں آخری التماس

تمام حضرات کی خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ راقم الحروف کی کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد جو تاثر آپ کا ہماری کتاب کے بارے میں ہو وہ پیش کریں اور عبارت کے ادبی اغلاط کو نظر انداز کرتے ہوئے نفس مسئلہ میں اگر کسی صاحب کو کوئی خامی نظر آئے اس سے ہمیں مطلع کرے بعض چیزیں وضاحت طلب رہ گئی ہیں انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اگر ضرورت ہوئی تو وضاحت کردی جائے گی آخر

میں کراچی و دیوبندہ سے جو فتویٰ اس سلسلہ میں منگوایا تھا کہ یزید کے بارے میں مذکورہ نظریہ رکھنے والا کیسا ہے کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ فقط: راقم خاکپائے علماء دیوبند

محمد یوسف لدھیانوی

ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور ۷ رجب ۸۰ھ ۲۶ دسمبر ۱۹۶۰

بلوح الخط فی القرطاس دهرا
وكاتبه رحيم فی التراب

☆.....☆.....☆

کتاب خلافت معاویہؓ و یزید

کے سلسلہ میں آج دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وطلباء اور تمام کارکنان دفاتر کا ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں متعدد اساتذہ کرام نے تقریریں فرمائیں اور حسب ذیل تجویز باتفاق رائے پاس کی گئی تجویز کا متن حسب ذیل ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم الشان اجلاس کتاب خلافت معاویہؓ و یزید سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور اس کے مدعا ومقاصد بحث کو غلط اور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف جانتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء دیوبند حضرت سیدنا امام حسینؓ کے اقدام کو جو یزیدی حکومت کے مقابلہ میں کیا گیا عقیدہ کے طور پر حق بجانب سمجھتے ہیں اور یزید کو فاسق اور قابل ملامت جانتے ہیں علماء دیوبند کا یہ مسلک آج کا نہیں بلکہ قدیم اور تمام اسلاف دیوبند کے مسلک کی ترجمانی ہے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم قدس سرہ نے اپنی ایک مستقل تصنیف میں حضرت سیدنا امام حسینؓ کی وفات کو شہادت عظمیٰ قرار دیا ہے..... جو تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور یزید کو جا بجا یزید پلید کے عنوان سے ظاہر کیا ہے علماء دیوبند اسی مسلک کو بارہا اپنی تقریروں اور تصنیفوں میں صاف صاف ظاہر کرتے رہے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مفتریوں کے خلاف نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنہوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف واشاعت میں علماء دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علماء دیوبند کی تصنیف باور کرانے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دلیری سے دروغ گو بہ بروئے تو کا ثبوت دیا ہے اور اسی حیلہ سے علماء دیوبند کی پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ (۴ نومبر ۱۹۵۹ء پیشکار دارالعلوم دیوبند)

(ماخوذ ہفتہ روزہ خدام الدین ۲۰ نومبر ۵۹ء)

کیا فرماتے علماء دین ومفتیان شرع متین زید کے حسب ذیل نظریات میں:

(۱): زید کا دعویٰ ہے کہ یزید بن معاویہؓ امیر المومنین وخلیفہ برحق تھا اس لئے کہ اکثر صحابہؓ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

(۲): کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ابتداً اگرچہ بجانب کوفہ تھی لیکن راستہ میں ارادہ تبدیل ہونے کی وجہ سے بجانب دمشق سفر شروع کر دیا تھا تاکہ وہاں پہنچ کر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیں لیکن راستہ میں تصادم کی وجہ سے شہید ہو گئے جنگ کی ابتداء بھی حضرت حسینؓ کی جانب سے ہوئی تھی۔

(۳): زید ان نظریات کا حامل ہوتے ہوئے اہلسنت والجماعت کا فرد سمجھا جائے گا یا کہ نہیں کسی مسجد کا امام یا خطیب ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۴): نیز اہلسنت والجماعت اور علماء دیوبند جو کہ اہلسنت والجماعت کے ترجمان ہیں ان کا یزید کے بارے میں کیا نظریہ ہے۔

(۵): قرآن کریم کے متعلق زید کا دعویٰ ہے کہ ہر شے قرآن کریم میں موجود ہے عام ہے دینی ہو یا دنیاوی بلکہ زید کا دعویٰ ہے کہ جس کتاب میں (یعنی قرآن کریم) میں اعجاز وآئندہ کے حالات وعجائبات نہیں ہیں اس کو ہرگز کتاب اللہ ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ زید جو چیزیں آیات قرآنی سے نکالتا ہے ان کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

(۶): قائد اعظم کا نام، اکبر کی بادشاہت، حقہ کی مذمت قرآن کریم سے اور ہر بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم محمدؐ کے ہم شکل ہو کر پیدا ہوتا ہے۔

(۷): کیا یہ چیزیں یا مثل ان کی قرآن کریم سے نکالنا اور تمام اشیاء کا قرآن کریم سے نکالنا اور تمام اشیاء کا قرآن کریم میں لازمی ہونے کا دعویٰ کرنا اور ہر بچہ کا لفظ محمد کے ہم شکل ہو کر پیدا ہونے کا دعویٰ قرآنی تحریف و نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کی توہین تصور کیا جائے گا یا کہ نہیں۔ بینوا وتوجروا!

سائل حکیم سید عبدالرحمان شاہ
چک نمبر ۲۸۶ متصل رجانہ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ
ضلع لائل پور: ۱۱/اگست ۱۹۵۹ء

☆.....☆.....☆

فتویٰ از دارالعلوم دیوبند

الجواب ۱، ۲: حافظ جلال الدین سیوطیؒ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶) میں تحریر فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے یزید کو امیر المومنین کہا تو حضرت عمر نے اس کو ڈانٹا اور بیس دُرّے اس کے لگوائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خامس الخلفاء الرشیدین تھے اور سادات تابعین میں سے تھے اور ان کا زمانہ یزید کے زمانہ سے بہت ہی متصل تھا وہ اس کے حالات سے کما حقہ واقف تھے اس لئے ان کا یزید کا امیر المومنین کہنے پر سخت نکیر کرنا اور کہنے والے پر تعزیر جاری کرنا مسئلہ کی شرعی نوعیت پر کافی روشنی ڈال رہا ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آئمہ اہلسنت کے نزدیک اس بدبخت کو امیر المومنین جیسے وقیع خطاب سے یاد کرنا کس درجہ مذموم اور قابل زجر وتوبیخ ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بیعت جبری طور پر تھی نیز اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اس جابر کے تسلط کو رفع کرنا دشوار تر یا

ناممکن ہو چکا تھا لیکن سیدنا الامام حسین ؓ اہل کوفہ کی یقین دہانیوں کی موجب اس رفع کو ممکن خیال فرماتے تھے اور اس بناء پر مکہ معظمہ سے ان کا سفر اہل عراق کی امداد سے اس کے استیصال اور رفع تسلط کی غرض سے ہوا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ حضرت امام عالی مقام نے کسی وقت بھی یزید کی بیعت پر آمادگی ظاہر فرمائی چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ (البدایہ والنہایہ ص ۱۷۵ ج ۷) میں نقل کرتے ہیں:

قدروی ابو مخنف حدثنی ابو عبدالرحمٰن بن جندب عن عقبة بن سمعان قال لقد صحبت الحسین من مکة الی حیی قتل واللہ ما من کلمة قالها فی موطن الا قد سمعتها وانه لم یسأل یزید ان یضع یده الی یده الخ

یعنی عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں مکہ سے مقتل حسین ؓ یعنی کربلا تک حضرت حسین ؓ کے ہمراہ رہا اور ہر موقع پر ہر گفتگو میں نے سنی لیکن حضرت حسین ؓ نے یہ مطالبہ کبھی پیش نہیں کیا کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں اور حضرت امام کی اس میں رائے کی بناء پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فتاویٰ عزیزی ص ۲۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔ (از حجاز)

خروج حضرت امام حسین علیه السلام بنا بر دعوی خلافت راشده پیغامبر کربمرورسی سال منقضی گشت نبود بلکه بنا بر تخلیص دعایا از دست ظالم بود و اعانته المظلوم علی الظالم من الواجبات وانچه در مشکوٰة است که حضرت صلی اللہ علیه وسلم از خروج بر بادشاه وقت اگرچه ظالم باشد منع فرمودند پس در آن وقت است که آن بادشاه ظالم بلا متنازع و مزاحم تسلط نام پیدا کرده باشد و هنوز اهل مدینه و اهل مکه و اهل کوفه به تسلط یزید پلید راضی نشده بودند و مثل حضرت امام حسین عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن الزبیر و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهم بیعت بکرد بلجمله خروج حضرت امام

حسین رضی اللہ عنہم بیعت بکرد بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بودنہ برائے دفع تسلط وانچہ در حدیث ممنوع است آن خروج است کہ برائے دفع تسلط سلطان جابر باشد والفرق بین الدفع والرفع مشہور فی المسائل الفقہیۃ۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ امام حسینؓ کا قصد رفع ظالم اور اعانت مظلوم کے طور پر تھا اور حدیث میں سلطان کے خلاف اگرچہ وہ جائر وظالم ہو خروج کو جو منع فرمایا گیا ہے تو اس وقت ہے جب کہ اس کا تسلط جم چکا ہو۔ لیکن یزید کا اس وقت تک تسلط جما نہیں تھا بلکہ اس کے مزاحم ومنازع موجود تھے چنانچہ اہل مدینہ اہل مکہ اہل کوفہ اس وقت تک اس کے تسلط سے راضی نہیں تھے اس لئے حضرت امام نے جمے ہوئے تسلط کے خلاف اقدام نہیں فرمایا بلکہ تسلط کے نہ جمنے یا تسلط کے دفعیہ کے لئے سعی کا رادہ فرمایا تھا اور دفع یعنی نہ جمنے دینا اور رفع یعنی قائم شدہ کو ہٹانے میں جو فرق ہے وکتب فقہ میں مشہور ہے اور بالفرض اگر اس کی امارت تام بھی ہو چکی تھی تب بھی اگر اس کے ظلم وجور کے آشکارا ہونے یا اس کے فسق وفجور کے ظاہر وباہر ہونے کی بناء پر اہل حل وعقد خود اس کے معزول کرنے پر قادر پاتے تھے تو ایسا کرنے کا جنگ یا بغیر جنگ کے ہر طرح ان کو اختیار حاصل تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے جواب میں اس جانب بھی اشارہ ہے اور اس ہی طرف امام الحرمینؒ کا یہ مسلک مشہور ہے: ''وقال الحرمین لو ظہر ظلمہ وغشہ ولم یزجر عن سوء صنعہ فلاھل الحل والعقد التواطو علی دفعہ وعزلہ ولو شہر السلاح ونصب الحروب'' (اتحاف السادۃ شرح احیاء ص ۲۳۴ ج ۲، ۳، ۴)

جو شخص قتل امام عالی مقام کو عیاذ باللہ جائز قرار دیتا ہے وہ خاطی اور گمراہ ہے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ قاتلان حسینؓ نامزد ہیں۔ اطلاق لعنت میں تو بعض ائمہ

کو اختلاف ہے لیکن بلا تخصیص کائنا من کان قاتل اور قتل کا حکم دینے والوں پر جواز لعن میں اہلسنت متفق ہیں علامہ تفتازانی" شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔ اتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله وامر به واجازه ورضی به الخ۔ اس اتفاق میں اس شخص پر بھی جواز لعن مذکور ہے جو اس قتل عظیم سے راضی ہے لیکن اگر یہ قتل کسی امام برحق کے خلاف خروج کے نتیجہ میں ہوا ہوتا تو قانون شرع پر عمل کی بناء پر بجائے لعن کے قاتلین مبارکباد کے مستحق قرار پاتے والعیاذ باللہ العظیم نیز حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ص ۲۵۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔ اکثر الائمہ قدیما وحدیثا کاذہ ماوقع من قتله وقتل اصحابه سوی شرِ ذمة قلیلة ومن اهل الکوفته قبهم اللہ اس لئے شخص مذکور کا یہ عقیدہ فاسد ہے اور وہ قابل امامت نہیں ہے۔ فقط واللہ علم محمد جمیل الرحمان غفرلہ

المفتی دارالعلوم دیوبند ۷۷۹/۳

الجواب صحیح: سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۹ مارچ ۱۹۷۹ء

ہذا الجواب حق موافق لمذہب اہل سنت والجماعت وخلافہ باطل فقط:

محمد اکمل غفرلہ

مہر: بنقش قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

دارالافتا الجامعہ الاسلامیہ: ۱۳۴۸ھ

فی دارالعلوم دیوبند الہند

☆.....☆.....☆

فتویٰ علماء کراچی

الجواب ۲۸۶: ید کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیغ میں مبتلا ہے ایسے شخص کو امام بنانا مناسب نہیں اس کو ہٹا کر کسی ایسے شخص کو جو صحیح العقیدہ ہو اور صالح ہو امام بنایا جائے۔

یزید کے متعلق معتدل نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ عبدالملک، منصور.....ہارون الرشید کی طرح ایک بادشاہ تھا نہ وہ کافر تھا جیسا کہ بعض کا خیال ہے نہ وہ خلفاء راشدین کی طرح تھا جیسا کہ بعض زائغین کا خیال ہے۔ یزید کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی رائے سب سے زیادہ قابل قبول ہے۔ شیخ الاسلام نے منہاج السنہ میں اس پر بحث کی ہے۔ منہاج السنہ کی تلخیص سے چند ٹکڑے نقل کئے جاتے ہیں؛

ومع هذا فيقال غاية يزيد وامثاله من الملوك ان يكونوا فساقاً ـــ لم نعتقد انه من الخلفاء الراشدين كما قاله بعض الجهلة من الاكراد ونبني ـــــ وإن غبت باعتقاد امامة يزيد انه كان ملك وقته وصاحب السيف كامثاله من المروانيه والعباسيه ص ۲۸۱ و ص ۲۸۴

نمبر ۲: قرآن کریم میں ہدایت اور سعادت انسانی کے متعلق اجمالاً اور بعض جگہ تفصیلاً سب کچھ موجود ہے لیکن ہر چیز کو قرآن کریم سے نکالنے کی کوشش سراسر حماقت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

مفتی ولی حسن غفرلہ

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر ۵

۱۷ر صفر ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح:

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۷ر صفر ۷۹ھ

مہر: دار الافتاء

للمدرسة العربيه الاسلاميه

نیوٹاؤن کراچی

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

☆.....☆.....☆

عقیدۃ الاسلام فی مناقب اھل البیت الکرام رضی اللہ عنہم

مقام اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم

اہل بیت رسالت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے
سادات کرام اب تک موجود ہیں اور سب محل محبت و مودت ہیں

جناب علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب (مانچسٹر)

اسلام ماطاعت خلفاء راشدین ایمان ماحبت آل محمد است

عَقِيدَةُ الْإِسْلَامِ فِي مَنَاقِبِ أَهْلِ الْبَيْتِ الْكِرَامِ

مقامِ اہلِ بیتِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

اہلِ بیتِ رسالت سے محبت ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت سے ہے
سادات کرام اب تک موجود ہیں اور سب محلِ محبت و مودت ہیں۔

افادات

ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ
متعلم جمعہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

پیشکش

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی زید مجدہ
مدیر الہلال مانچسٹر (برطانیہ)

فہرست

۱	مقام اہل بیت کرامؓ	۳۹۷
۲	مقدمہ	۳۹۸
۳	حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو میرا عقیدت کا سلام	۴۰۱
۴	ایمان کی دو آنکھیں: صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ	۴۰۲
۵	اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں اہل بیتؓ نبوت کا مقام ومرتبہ	۴۰۴
۶	اہل بیت کون ہیں؟	۴۳۵
۷	مقام اہل بیت کرامؓ	۴۴۵
۸	اہل بیت رسالت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے	۴۴۵
۹	اہل بیت کی محبت، محبتِ رسالت کی ایک کڑی ہے	۴۴۵
۱۰	مؤمن کا حضرت خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا تعلق کیسا ہے؟	۴۴۶
۱۱	اہل بیت کے بارے میں خود نبوت کے جذبات	۴۴۷
۱۲	آپ ﷺ کی اولاد کو لیجئے	۴۴۸
۱۳	حضرت علیؓ کی نیت حضرت فاطمہؓ کو ناراض کرنے کی نہ تھی	۴۴۹
۱۴	حضرت فاطمہؓ کی خوشی میں اپنی خوشی کی تلاش	۴۵۲
۱۵	حضرت حسن اور حضرت حسینؓ امت کی آغوشِ محبت میں	۴۵۳
۱۶	حضرت امام حسن اور حسینؓ آغوش رسالت میں	۴۵۵
۱۷	مؤمنین کی عترت رسول ﷺ سے وسیع عقیدت	۴۵۶
۱۸	اہل بیت سے محبت کا رشتہ ان کی اطاعت کو مستلزم نہیں	۴۵۶
۱۹	شیعوں کی عترت رسول ﷺ سے عقیدت کی نوعیت	۴۵۷
۲۰	اہل بیتؓ سے ولایت ومودّت	۴۵۹
۲۱	عترت رسول ﷺ میں شیعہ کے ہاں کوئی واجب التمسک نہیں	۴۶۰
۲۲	اہل سنت کی صفوں میں اہل بیت رسالت کے زمزمے	۴۶۰
۲۳	حضرت امام محمد باقر کا تعارف	۴۶۴
۲۴	حضرت امام جعفر صادقؒ کا تعارف	۴۶۴

۲۵	سب ائمہ اہل بیت اہل سنت والجماعت تھے	۴۶۵
۲۶	ائمہ اہل بیت اور دوسرے ائمہ اہل سنت کا عام اختلاط	۴۶۶
۲۷	سانحہ کربلا کے وقت مسلمانوں میں کوئی اعتقادی تفریق نہ تھی	۴۶۶
۲۸	اہل بیت رسالت سے محبت دائمار ہے	۴۶۹
۲۹	اہل بیت کے سلسلے کو کم کرنے کی سازش	۴۶۹
۳۰	شیعہ کے پانچ انکار	۴۷۰
۳۱	اہل بیت میں ائمہ ولایت	۴۷۱
۳۲	حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) کا بیان	۴۷۱
۳۳	حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کا بیان	۴۷۲
۳۴	مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کا بیان	۴۷۲
۳۵	قطبیت سے آسمانی امامت کی دریافت	۴۷۳
۳۶	ائمہ اہل بیت آسمانی مرتبہ امامت کے مدعی نہ تھے	۴۷۳
۳۷	آسمانی امامت کا عقیدہ ان کی زندگی میں نہ بنا تھا	۴۷۳
۳۸	اہل بیت نبوت دنیا کے آخر تک منبع فیض	۴۷۵
۳۹	حضرت مہدی کے حسنی النسب ہونے کا سر لطیف	۴۷۵
۴۰	حضرت حسن اور حسینؓ صحابہؓ کی آغوش محبت میں	۴۷۵
۴۱	خونی مہدی کا تصور	۴۷۶
۴۲	حضرت امام مہدی کی آمد ایک مصلح کی آمد ہے، مستقم کی نہیں	۴۷۷
۴۳	قرآن وحدیث کی رو سے اہل بیت سے مراد	۴۷۹
۴۴	حدیث کی روشنی میں اہل بیت سے مراد	۴۸۰
۴۵	حدیث کساء جس کی رو سے حضرات حسنینؓ اہل بیت میں آئے	۴۸۰
۴۶	حضرت حسن اور حسینؓ ایک نسبت میں حضرت علیؓ سے بھی آگے	۴۸۱
۴۷	حضرت علیؓ کی ساری اولاد کو سادات میں لانے کی ایک کوشش	۴۸۱
۴۸	حضور ﷺ کے رشتہ میں آنے والوں سے محبت کا تعلق چاہئے	۴۸۲
۴۹	اہل سنت کے ہاں عترت رسول ﷺ کی حرمت	۴۸۲
۵۰	تحفظ ناموس اہل بیت رسالت	۴۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"عقیدۃ الاسلام

فی

مناقب اھل البیت الکرام رضی اللہ عنہم"

اردو رسالہ "مقام اہل بیت کرام" جس کا اصل نام "عقیدۃ الاسلام فی مناقب اھل البیت الکرم" ہے۔ یہ ہمارے مخدوم العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ہے۔

آپ کے نامور شاگرد اور مصنف و محقق مولانا محمد اقبال رنگونی نے دس عنوانات پر مشتمل مختلف النوع اپنے مضامین سمیت اسے ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ اس کا ایک حصہ ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ "مجموعہ کتب احتساب ناصبیت" کے نمبر بیالیس (۴۲) پر آپ ملاحظہ فرمائیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... اَمَّا بَعْدُ!

مقدمہ

قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں صحابہ کرامؓ سے لے کر اب تک اہل اسلام اہل بیت کرامؓ سے محبت ومودت رکھتے چلے آرہے ہیں اور ہر دور میں ان مقدس حضرات کے اکرام واحترام کرنے کی تعلیم وتاکید کی جاتی رہی ہے اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک مسلمان کا دل اہل بیت کرامؓ کی محبت ومؤدت سے خالی ہو اور وہ ان بزرگوں کا اکرام واحترام نہ کرتا ہو ہاں اگر کوئی بدبخت اب بھی اپنی دل میں اہل بیت کے بارے میں کوئی تنگی اور بوجھ لئے ہوئے ہے تو کون ہے جو اس کی بدبختی اور آخرت کی تباہی میں شک کرسکے

جس دل میں نہیں ان کا احترام
سمجھو کہ اس پر ہوئی جنت حرام

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر میں صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظام کے عنوان پر ایک مجلس منعقد ہوئی تھی وہ علماء جو اس مجلس میں تشریف لائے تھے انہوں نے صحابہ کرامؓ کی عزت وعظمت کے موضوع پر خطاب فرمایا جبکہ حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کی محبت وعقیدت پر تفصیلی خطاب فرمایا جسے اکیڈیمی کے پرانے مخلص ساتھی جناب شیخ اشرف صاحب مرحوم نے کیسیٹ میں محفوظ کرلیا تھا راقم الحروف کی خواہش تھی کہ حضرت الاستاذ کے اس خطاب کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرکے ماہنامہ الہلال کی کسی اشاعت میں شائع کردیا جائے چنانچہ اس کے کچھ اوراق لکھنے کے بعد جب حضرت الاستاذ کو دکھائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جتنا لکھ لیا جائے مجھے دینا میں اسے دیکھنے کے بعد جہاں اضافہ وترمیم کی ضرورت ہوگی کرکے دے دوں گا پیش نظر رسالے میں مقام اہل بیت کرامؓ کا مضمون حضرت علامہ صاحبؒ کی وہی قیمتی تحریر ہے جو بعد میں ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی تھی اور عوام وخواص میں اسے بے حد سراہا گیا اور لوگ اس سے

مستفید ہوئے اور اس کی طلب میں اضافہ ہونے لگا بعض دوستوں نے راقم الحروف سے درخواست کی اگر کسی وجہ سے اس رسالہ کی دوبارہ طباعت میں کچھ تاخیر ہو رہی ہے تو آپ کم از کم اسے ماہنامہ الہلال میں قسط وار شائع کر دیں تا کہ دنیا بھر کے علماء کرام اس سے استفادہ کر سکیں ان بزرگوں کے تعمیل حکم میں یہ سلسلہ الہلال میں شروع کر دیا گیا اور اس کی تیسری قسط شائع ہوگئی ہے اور جہاں جہاں حوالہ اور اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اضافہ کر دیا گیا اور حوالے بھی درج کر دئے گئے ہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ صاحبؒ کی اس تحریر کے علاوہ اسی موضوع پر راقم الحروف کے پاس سالوں پرانے چند غیر مرتب بکھرے اوراق بھی تھے راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ موضوع کی مناسبت سے ان اوراق کو پیش نظر کتاب کی زینت بنا دیا جائے یہ دو مضمون (۱) اہل سنت کے ہاں عترت رسول کی حرمت ..... اور (۲) ناموس تحفظ اہل بیت کے نام سے اس کتاب میں ممکنہ حد تک حوالہ جات لگا کر اس میں شامل کر دئے گئے ہیں۔

قبل اس کے کہ یہ کتاب طباعت کے لئے ارسال کر دی جاتی راقم الحروف کے مخلص دوست مولانا محمد تقلین جاوید زید مجدہ نے حکم فرمایا کہ اس پر ایک مقدمہ بھی آجائے تو اچھا ہوگا بصورت دیگر راقم الحروف کی کتاب خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہؓ کا مقدمہ ہی اس میں شامل کر لیں کہ اس کا موضوع یہی ہے بجائے اس کے کہ نئے سرے سے کوئی بات لکھی جائے، راقم الحروف نے مناسب جانا کہ اس کتاب کے مقدمہ کے بعض مقامات پر حذف و ترمیم اور بعض نئے حوالجات کے بعد اسے پیش نظر کتاب میں شامل کر دیا جائے۔ راقم الحروف کا یہ مقدمہ اب اہل سنت کے عقیدے میں اہل بیت کا مقام و مرتبہ کے نام سے شامل ہے۔

☆..... اہل بیت کون ہے؟ کے نام سے راقم الحروف کا ایک غیر مطبوعہ مضمون بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے جس سے صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت قرآنی ہوتے ہوئے محض ضد تعصب کی بناء پر انہیں خارج از اہل بیت جتلاتے ہیں وہ بڑی زیادتی کے مرتکب ہیں اور کسی مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ آنحضرت کی ازواج مطہرات کو آپ کی گھر والیاں کہنے سے انکار کر دیں۔

☆..... بائیس سال پہلے گلاسٹر سے شائع والے ماہنامہ الاسلام کے شمارے میں راقم

المعروف کا ایک مضمون فضائل اہل بیت کے عنوان سے شائع ہوا تھا محترم مولانا ثقلین جاوید نے حکم فرمایا کہ اس مضمون کو بھی پیش نظر کتاب میں شامل کر دیا جائے چنانچہ نظر ثانی اور بعض مقامات پر اضافہ کے بعد اب اسے بھی اس کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

☆..... اسلامی تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کی بے ادبی اور گستاخی سے بچا جائے چہ جائے کہ اللہ کے نیک اور مقبولین کی بے ادبی اور گستاخی کی جائے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں اور اللہ نے انہیں بڑی عزت اور شان عطا فرمائی ہے اور ہر مسلمان کو ان کا اکرام کرنے کی تاکید کی گئی ہے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ روافض نے جہاں ائمہ اہل بیت کی محبت کے نام پر ان کی بے ادبی اور گستاخی کی ہے وہاں خوارج بھی پیچھے نہیں رہے انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق انتہائی گستاخانہ لہجہ اختیار کر رکھا ہے اہل سنت مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ روافض اور خوارج سے اپنے آپ کو فاصلہ پر رکھیں اور ان عقائد و نظریات کے قریب کبھی نہ جائیں جو ان بزرگوں کی بے ادبی اور گستاخی پر منتج ہوتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ان عقائد و نظریات کی ایک مختصر فہرست دکھائی گئی ہے جس سے ائمہ اہل بیت کی گستاخی لازم آتی ہے اور یہ وہ گستاخانہ نظریات ہیں کہ اگر ان سے صدق دلی سے توبہ نہ کی گئی تو روز قیامت سوائے افسوس اور شرمندگی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا (العیاذ باللہ تعالیٰ)

☆..... کتاب کے شروع میں بطور تبرک دار العلوم دیوبند کے بانی قاسم العلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) کی ایک نہایت ہی اہم تحریر پیش کی گئی ہے جس میں حضرت حجۃ الاسلام نے مسلمانوں کو اس پر متوجہ کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں اہل بیت کی عزت سے چمیر چھاڑ نہ کی جائے اور نہ اہل بیت کی محبت و مودت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر زبانی اور قلمی گولہ باری کی جائے کہ یہ دونوں طبقے ایمان کی دو آنکھیں ہیں جس آنکھ کے ساتھ بھی زیادتی کرو گے نقصان اپنا ہی ہوگا۔

چلئے اس دعا کے ساتھ آگے بڑھئے اور کہئے کہ اے اللہ! تو ہماری طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت پر رحمتوں اور برکتوں کی بارشیں برسا اور ان سب کو اپنی قرب خاص کی دولت سے مالا مال فرما۔ آمین!

الٰہی ہزاروں درود و سلام
تو بھیج ان پہ اور ان کے اہل بیت پر عام

اللہ رب العزت ہمارے دلوں میں اہل بیت کرامؓ اور صحابہ عظامؓ کی محبت ومودت اور عظمت وعقیدت کو مزید پختگی نصیب فرمائے اور ان بزرگوں کی بے ادبی اور گستاخی کی آلودگیوں سے ہمارے دامن کو محفوظ رکھے۔

آمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

☆.....☆.....☆

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کو میرا عقیدت کا سلام

حضور نبی پاک ﷺ کے خاندان کا ہر فرد لائق عزت واحترام ہے

حضرت الاستاذ مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ (۱۴۴۱ھ) اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ مجھ سے ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کی اولاد میں ایسے بھی سید ہوں جو بے نماز ہوں یا شرابی ہوں تو کیا وہ بھی لائق احترام ہیں میں نے کہا کہ یہ مسئلہ آپ مفتیوں سے پوچھیں میں فتوی نہیں دیا کرتا لیکن فتوی کی زبان کے علاوہ اگر کوئی بات پوچھو کہہ دیتا ہوں انہوں نے کہا بتلایئے میں نے عرض کہ حضور اکرم ﷺ کے خاندان سے حضرت فاطمہؓ کے خاندان سے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے خون سے کسی کی بھی نسبت ہو وہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو تو پہلے میرے سوال کا جواب تم دو کہ جو پرنٹنگ پریس یا کاتب قران کی طباعت اور کتابت میں کوئی بڑی غلطیاں کر بیٹھے آیت کی غلطیاں کر جائے تو اس قرآن کے بارے میں میں یہی کہوں گا کہ بیشک تم اس قرآن کی تلاوت نہ کرو (کہ اس میں غلطیاں بہت ہیں) مگر اس قرآن کی بے حرمتی کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ حضرت

فاطمہؓ کے خون کو میرا عقیدت کا سلام۔ اس سے نبی پاک ﷺ کا جو سلسلہ آگے چلا بلکہ کل بنی ہاشم کا جو سلسلہ چلا یہ خاندان لائق احترام ہے اگر کسی کو غلطی میں مبتلا دیکھو تو اس کی پیروی نہ کرو لیکن پاؤں کی ٹھوکر نہیں ماری جائے گی۔ اس طالب علم نے کہا پھر ہم سمجھیں کیا؟ میں نے کہا کہ اگر سمجھنا ہے تو پھر یوں سمجھو کہ سونے کا ٹکڑا تھا وہ گندی نالی میں گر پڑا اگر کسی سادات میں سے فاطمہؓ کے خون میں سے کسی کو اس درجے میں آلودہ دیکھو تو کہنا کہ سونے کا ٹکڑا تھا نالی میں گر پڑا۔ جو سونا نالی میں گر جائے اس کو نکالا اور دھویا جاتا ہے اس کو اس نالی میں نہیں رہنے دیا جاتا تو ہم نبی پاک ﷺ کے غلام ہیں حضور ﷺ کے امتی ہو کر آپ کے نشان ہیں ہم گو حضورؐ کی صلبی اولاد نہیں لیکن ہم آپ کی روحانی اولاد کا عنوان ہیں ہم جب اس درجے میں ہیں تو حضور اکرم ﷺ کی صلبی اولاد تو حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے ذریعے باقی رہی ان کا بھی احترام کیا جائے گا اس احترام کو محبت کہتے ہیں اور ایک لفظ ہے اطاعت۔ اطاعت اور ہے محبت اور ہے اطاعت حق اور صدق کی ہے اور محبت جذبات کی بھی ہوتی ہے اور ہر مسلمان کے دل میں اہل بیت کی محبت کا یہ جذبہ ہمیشہ موجزن رہنا چاہیے۔"

☆.....☆.....☆

ایمان کی دو آنکھیں

صحابہ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ

افاضات..... حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

اہل بیت رسول اکرم ﷺ تو ہمارے حق میں چشم و چراغ ہیں، ہمارے نزدیک اعتقاد اصحاب اور حب اہل بیت دونوں کے دونوں ایمان کے لئے بمنزلہ دو پر کے ہیں، دونوں ہی سے کام چلے گا، جیسے ایک پر سے طائر بلند پرواز، نصف پرواز تو کیا ایک بالشت بھی نہیں اڑ سکتا ایسے ہی ایمان بھی بے ان دو پروں کے سہارے کے موجب فوز مقصود (جس کی طرف اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ یا فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا وغیرہ میں اشارہ ہے) نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا ایمان ایسا ہی ایمان ہے جس کا آیت (لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا) میں بیان ہے۔ ہاں

اگر ہم قدم بقدم حضرات شیعہ ہوتے تو جیسے انہوں نے موافق مثل مشہور غیروں کی بدشگنی کے لئے اپنی ناک کاٹ لی سنیوں کی ضد میں اصحاب کرامؓ کو برا کہہ کے اپنے ایمان کا زیاں کیا ہم بھی شیعوں کی ضد میں نعوذ باللہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہہ کر مثل خوارج ونواصب اپنے ایمان کو خراب کرتے لیکن ہم کو تو پابندی عقل ونقل سے ناچاری ہے شیعہ تو نہیں کہ مثل شتر بے مہار پراگندہ رفتار جائیں۔

راہ کی بات یہ ہے کہ ہم کو دونوں فریق (صحابہ کرام اور اہل بیت کرامؓ) بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں کس کو پھوڑیں جس کو پھوڑیں اپنا ہی نقصان ہے بلکہ جیسے کوئی حسین متناسب الاعضاء ہو کہ اس کی آنکھ ناک سب کی سب مناسب اور متناسب ہوں اور پھر اس کی ایک آنکھ بیٹھ جائے تو دوسری آنکھ کی زیب بھی جاتی رہے گی اور اس پر اگر بیٹھی ہوئی آنکھ کے حصہ کی فراخی بھی دوسری ہی آنکھ میں آجائے اور اس میں بجائے سفیدی بھی سیاہی ہی چھا جائے بجائے حسن ایسا قبیح المنظر ہو جائے کہ دلدادگان قدیمی اور عاشقان صمیمی بھی اس کی صورت پر لاحول پڑھنے لگیں۔ خاص کر دوسری آنکھ جو باقی رہی ہے بہ سبب اس کے کہ اپنے اندازہ سے زیادہ فراخ اور کشادہ اور سفیدی کی بھی سیاہی ہی ہوگئی ہے ایسی بری اور بدشکل ہو جائے گی کہ کچھ نہ پوچھو بلکہ اگر چشم باقی ماندہ کو شعور اور اختیار ہو تو اپنی اسی حالت اصلی پر آجائے اور دوسری آنکھ کو بھی بدستور قائم کر دکھلائے کیونکہ اپنا حسن بھی اصلی کیفیت اور دوسری آنکھ کی معیت میں ہے۔

سو بعینہ یہی قصہ حضرات شیعہ کے ایمان کے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے اعتقاد صحابہ اور حب اہل بیت جو بہ مقتضائے شہادت کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کے لئے بمنزلہ دو آنکھوں کے ہے ان میں سے شیعہ نے ایک آنکھ پھوڑ دی اور اس کے حصہ کی فراخی اور کشادگی بھی بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری آنکھ کو دے کر اس کو خراب کر دیا یعنی اعتقاد صحابہ کو جو بمنزلہ چشم ایمان ہے اپنے ہاتھوں کھو کر دوسری آنکھ یعنی حب اہل بیت کو اس قدر بڑھا دیا کہ صحابہؓ کے حصے کی محبت بھی انہیں کے لئے صرف کر دی پھر جیسے کہ آنکھ میں سفیدی کی جا بھی سیاہی آجائے ان حضرات بزرگوار فرقہ مسمی بشیعہ نے بھی ایسا ہی کیا.....

(ہدیۃ الشیعہ ص ۲۲۵)

حضرت موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام ہمارے حق میں تو دونوں مثل چشم و گوش قابل اتباع ہیں ان کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لئے ایسے ہے جیسے (اڑنے والے) جانور کے دو پر۔۔اڑے تو دونوں سے اڑے اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے۔ (اجوبہ اربعین ص ۷۳)

☆.....☆.....☆

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں

اہل بیتؓ نبوت کا مقام و مرتبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... اَمَّا بَعْدُ!

اسلامی عقائد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور قرابتداروں کے ساتھ صدق دل سے محبت و مودت رکھنے اور ان کی عظمت و عزت اور ادب و احترام کرنے کی خصوصی ہدایت دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا مقام و مرتبہ بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنے گھر والوں اور قرابت داروں سے محبت و الفت رکھنے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی ہدایت و تاکید فرمائی ہے حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی اپنی امت کو اس بات کی تاکید فرما گئے کہ آپ کے اہل بیت (ازواج اولاد اور دیگر قرابت داروں) کے بارے میں اپنی زبان سنبھال کر گفتگو کرنا میرے بعد میرے گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرنا مجھے ان میں تلاش کرنا حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

كَانَ آخِرُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اخْلُفُونِي فِي أَهْلِ بَيْتِي

(المعجم الاوسط ج ۴ ص ۱۵۷ للطبرانی)

حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں تین مرتبہ ارشاد فرمایا میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں یعنی ان کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اللہ کو سامنے رکھنا

أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس شخص کے دل میں ایمان داخل ہی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ تم (یعنی اہل بیت) سے اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے گا

حَتّٰی یُحِبَّکُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِی (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲ فضائل الصحابہ ج ۲ ص ۹۱۸)

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «لَنْ یُصِیبُوا خَیْرًا حَتّٰی یُحِبُّوکُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِی» (المصنف لابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۸۲)

جس طرح صحابہ کی محبت وعقیدت ضروری ہے اسی طرح اہل بیت نبوت کی محبت وعظمت بھی ایمان کا حصہ ہے جس دل میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ کی محبت وعقیدت نہیں وہ دل ایمان سے خالی ہے اور جو دل حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسینؓ کی محبت وعظمت سے خالی ہے وہاں سوائے تاریکی اور نحوست کے اور کچھ نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ کی جماعت کو نجوم ہدایت فرمایا تو اپنے گھر والوں کو کشتی نوح بھی کہا ہے اس لئے ان سب سے محبت ومودت رکھنا اور ان کی عزت وعظمت کے جھنڈے بلند کرنا اہل سنت مسلمانوں نے اپنے ایمان کا حصہ جانا ہے

حضرت علامہ یوسف النبہانی (۔۔۔ھ) نے الشرف المؤبد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک ارشاد نقل کیا ہے اس سے اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام اہل بیت کی محبت کو کس عقیدت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ

اہل بیت کی ایک دن کی محبت ایک سال کی (نفل) عبادت سے بہتر ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت کی محبت درحقیقت نبی خاتم سید الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہے اور آپ کی محبت سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جس دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت داخل اور راسخ ہو جائے اس دل کے کیا کہنے۔

سو قرآن کریم اور آنحضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ومودت رکھنا فرض ہے اور آپ کے بارے میں ہر ایسی بات سے بچنا ضروری ہے جس سے آپ کو ایذاء پہنچتی ہو اسی طرح

آپ کے اہل بیت اور اقارب کی محبت بھی دین کے فرائض میں سے ہے اور ان کے بارے میں بھی اپنی زبان کو گندگی سے آلودہ کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔

ریحانۃ النبی سیدنا حضرت امام حسینؓ نے اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کی محبت کو اسلام کی اساس (بنیاد) بتلایا ہے۔ اس دل کو ہم کس طرح مسلمان کا دل کہیں جس دل میں اہل بیت کرامؓ کی مودت وعزت اور صحابہ عظام کی محبت وعظمت نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کی زبان صحابہ کرام اور اہل بیت نبوت کے خلاف بے دریغ چلتی اور بے لگام رہتی ہے وہ سوچیں کہ ان کے دلوں میں کہیں ایمان کا نور دھیما تو نہیں ہوتا جا رہا ہے؟

آپ فرماتے ہیں:

لِكُلِّ شَيْءٍ أَسَاسٌ وَأَسَاسُ الْإِسْلَامِ حُبُّ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَحُبُّ أَهْلِ بَيْتِهِ (کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۳۹)

علامہ علاء الدین علی بن محمد المعروف بالخازنؒ (۷۴۱ھ) اسے اقوال سلف کی روشنی میں دین کے فرائض میں بتاتے ہیں:

مَوَدَّةُ النَّبِيِّ ﷺ وَكَفُّ الْأَذٰى عَنْهُ وَمَوَدَّةُ أَقَارِبِهِ مِنْ فَرَائِضِ الدِّيْنِ وَهُوَ قَوْلُ السَّلَفِ (لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ۴ ص ۹۸)

حضرت مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹویؒ (۱۱۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''اہل بیت کرامؓ کی محبت بھی فرائض عین میں سے ہے اور ان سے بغض رکھنا سخت حرام ہے..... اسی طرح صحابہ کرام کی محبت بھی فرائض عین میں سے ہے اور ان سے بغض وعداوت رکھنا سخت حرام ہے۔'' (وسیلۃ الغریب الی جناب الحبیب ص ۲۶ مترجم)

مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اہل بیت کی تعظیم وتوقیر کی رعایت اور ان سے محبت کا وجوب اور یہ حکم تمام اہل بیت کو شامل ہے۔'' (عزیز الاقتباس ص ۲۲۸ مترجم)

شہید فی سبیل اللہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) اہل بیت کرامؓ کی شان جس روح پرور الفاظ میں بیان فرمائی ہے اسے بھی دیکھتے جایئے آپ ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ اور اہل بیت کا مرتبہ ایک ہی ہے جیسے اس (کلام اللہ) کی تعظیم چاہئے ویسے ہی ان (اہل بیت) کی تعظیم چاہیے اور جیسی کلام اللہ سبب ہدایت کا ہے ویسے ہی اہل بیت سبب ہدایت کے ہیں چنانچہ یہی سبب ہے کہ اولیاء اللہ کے طریقے سب اہل بیت پر منتہی ہوتے ہیں۔'' (عظمت صحابہ واہل بیت ص ۱۱۵)

ترجمان علماء دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب بھی اہل بیت کی محبت کو ایمانی تقاضا بتلاتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت نبوت کے فضائل ومناقب کا تعلق ان کی خصوصیات سے ہے اور جو لوگ ان خصوصی فضائل ومناقب کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ معصوم بھی ہیں تو یہ خیال بے بنیاد ہے آپ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہم تمام اہل بیت تمام حضرات صحابہ اور تمام اولیائے امت کی محبت کو ایمانی تقاضا سمجھتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو معصوم نہیں مانتے چہ جائے کہ ان کو متصرف فی الشریعت یا تتمہ نبوت ہونے کا فاسد اور بے بنیاد خیال دل میں لائیں بہر حال یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے کہ جو محبوب عنداللہ وعندالرسول ہو وہ معصوم بھی ہو اور جو جز ورسول ہو وہ تتمہ نبوت بھی ہو۔ محبوبیت کا تعلق عمل صالح اور عقائد حقہ مین رسوخ سے ہے اس کا عصمت سے کوئی تعلق نہیں اور نبوت کا عہدہ کمال علمی اور کمال اخلاق کی انتہائی حدود سے متعلق ہے جو محض انتخاب خداوندی سے ہوتا ہے نہ کہ بدن یا اجزاء بدن سے اسلئے انہیں اصول بنا کر جو بذات خود بے بنیاد ہیں ان پر عصمت اور جزئیت نبوت کی تفریعات کرنا بنائے فاسد علی الفاسد ہے اور فضائل سے احقر کی تحریر کا تعلق حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی خصوصیات سے ہے عصمت ونبوت سے ان کا کوئی تعلق نہیں کمالات علم وعمل کی اعلی صلاحیتوں سے اگر نبوت ملتی تو بعض حدیث حضرت عمر کو ملتی مگر ان سے بھی نبوت کی نفی کی گئی ہے تو اس قسم کی قیاسات سے کسی کو تتمہ نبوت کے مقام پر پہنچانا صراحتاً شریعت اسلام کا مقابلہ ہے جو نبوت کے قدروں سے لاعلمی اور ختم نبوت کے مقام سے تجاہل ہے۔ اعاذنا اللہ منہ! (مکتوبات حکیم الاسلام ص ۱۶۰)

سابق مفتی اعظم رنگون (برما) حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری صاحبؒ (سابق مفتی اعظم رنگون (برما) لکھتے ہیں

جن سادات شریف النسب کا سلسلہ نسب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سنا صحیح ثابت ہی یہ جملہ اشراف القاب مشہورہ اہل بیت ذریت عترت آل اہل کسا آل عبا اہل قربی وغیرہ کے مصداق ہیں اور بفحوائے بضعۃ منی بضعۃ الرسول حضرت سیدہ فاطمہ کے توسط سے قیامت تک صحیح النسب سادات پارہ گوشت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ان ہی کی محبت شرعاً واجب ہے۔ (سفینۃ النجات ص ٦٦)

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعوی کرے اسے آپ کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے ضروری ہیکہ آپ کے فرزندوں یعنی اہل بیت رسالت کو دل وجان سے دوست رکھے محبت سے مراد محبت ایمان ہے جس سے اہل بیتؑ کی تعظیم وتکریم وعزو شرف دل میں پیدا ہو اور ان حضرات کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرے (ایضاً ص ٧٣)

قرآن کریم اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارک اور پھر بوقت وفات اس بات کی تاکید کیوں فرمائی تھی؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سب کے سب رشتہ رسالت سے جڑے ہوئے ہیں اور اسلام ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں اور عزیزوں کے بارے میں کوئی غلط جملہ تو کیا غلط لفظ بولے اس لئے کہ اس لفظ سے براہ راست ذات رسالت مآب پر جرح لازم آتی ہے جو ایک مسلمان کو پھر اسلام سے باہر نکال دیتی ہے۔

علامہ قاضی عیاض بن موسیٰؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی ترغیب دلائی ہے اور ہدایت کی ہے کہ میری عزت اور توقیر کے ساتھ اہل بیت اور امہات المؤمنین کی تعظیم بھی کی جائے اور اس پر سلف صالحین کا عمل بھی رہا ہے کیونکہ ان کی عزت وتوقیر درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتوقیر ہے۔'' (الشفاء ج ۲ ص ٩٦)

جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ان کی توقیر وتعظیم نہیں کی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی توقیر نہیں کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر وعزت نہ کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی کوئی تلافی اور معافی نہیں ہے۔

معروف شیعہ دانشور اور عالم ڈاکٹر موسیٰ الموسوی ان شیعی عقائد کے بارے میں جن سے اہل بیت نبوت کی توہین وتنقیص لازم آتی ہے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام علیؑ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ (شیعہ راویوں اور ان کے ناقلوں نے) اس سے بڑھ کر بدسلوکی کی ہے جو انہوں نے خلفاء اور صحابہ کے بارے میں روایات بیان کر کے کی ہے اور اس طرح ان کی ہر چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ابتداء اہل بیت سے ہوئی ہے اس طرح ابتداء اہل بیت اور بالآخر صحابہ کرام سے متعلق کسی بھی چیز کو غلط انداز میں پیش کرنے کا اثر رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کے عہد مبارک پر جا پڑتا ہے۔'' (اصلاح شیعہ ص ۲۳)

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ رشتہ رسالت کی قدر وعزت نہ کرنے والے کو اسلام بھی اپنے رشتہ میں لانا گوارا نہیں کرتا اور نہ جنت چاہتی ہے کہ وہ اس کا مکین بنے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان نمازیں پڑھتا ہو روزے دار ہو مگر وہ اللہ سے اس حال میں ملے کہ اس کے دل میں اہل بیت کے ساتھ بغض وعناد ہو تو وہ جہنم میں جائے گا:

ثُمَّ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ مُبْغِضٌ لِأَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ دَخَلَ النَّارَ

(مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَبْغَضَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَقَدْ حُرِمَ شَفَاعَتِي (الصواعق ص ۶۸۷)

جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی سے بھی بغض رکھا تو میری شفاعت سے محروم ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُبْغِضُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ رَجُلٌ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ (صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۳۵ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۵۰)

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ہمارے گھر والوں کے ساتھ جو بھی بغض رکھے گا اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا۔

مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ایک حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ازیں حدیث واضح شد کہ محبت آل واصحاب پیغمبر ﷺ ندارد بر بالائے پل صراط قدم او لغزش کند ومنشائے آں خلل در ایمان او تبرک حب آل واصحاب شد (عزیز الاقتباس)

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جس کو آل اور اصحاب سے محبت نہیں پل صراط پر اس کا قدم لغزش کرے گا اور منشاء اس کا یہ ہے کہ آل اور اصحاب کی محبت نہ ہونے سے اسکے ایمان میں خلل واقع ہوگا۔ (عزیز الاقتباس ص ۳۳ مترجم)

سیدنا حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے ہم اہل بیت سے عداوت رکھی اس نے رسول اللہ ﷺ سے عداوت کی (ایضا)

آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرامؓ اس بات سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ اسلام میں اہل بیت اور آپ کے دیگر اقارب کا کتنا بڑا مقام ومرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کو کتنی فضیلتیں عطا فرمائیں ہیں فقہی اور فروعی اور سیاسی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود ان بزرگوں کے دلوں میں ہمیشہ اہل بیت نبوت کا احترام رہا تھا اور انہوں نے کبھی اس احترام پر آنچ نہیں آنے دی تھی اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اہل بیت کی محبت کا ذات رسالت سے تعلق ہے اور ان کی تکلیف سے سرور کائنات ﷺ کو تکلیف اور دکھ پہنچتا ہے۔ اور قرآن ان لوگوں کو دنیا وآخرت میں ملعون قرار دیتا ہے جو کسی پہلو سے بھی ایذاء رسول کا ارتکاب کرتے ہیں (معاذ اللہ)

آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی ایک مجلس ہو رہی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے دائیں جانب تشریف رکھتے تھے اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ آرہے ہیں حضرت ابوبکر صدیق اپنی جگہ سے ہٹ گئے تاکہ ان کے لئے جگہ بنادیں ابھی حضور ﷺ کی نظر مبارک ان پر پڑی نہیں تھی {وَلَمْ يَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ} آنحضرت ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا: ابوبکر کیا بات ہے کیوں اپنی جگہ سے ہٹے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کے چچا جان آرہے ہیں ان کے لئے جگہ بنا رہا ہوں {هٰذَا

عَمُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ} حضور ﷺ نے جب یہ بات سنی تو آپ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ کے چہرہ انور پر اس خوشی کے اثرات سب دیکھ رہے تھے۔

فَسُرَّ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى رُؤِيَ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهٖ (کنز العمال ج ۱۳ ص ۵۱۰)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایسا کرنا اس لئے تو تھا کہ اس سے جہاں آقائے نامدار ﷺ کو فرحت و مسرت حاصل ہوگی وہیں آپ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل بھی ہوگی کہ میرے قرابت داروں کا اکرام و احترام کرنا۔

چلتے چلتے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا طرز عمل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق جب ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لا رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے مکان کی چھت سے پانی بہہ کر مسجد میں گر رہا ہے۔ حضرت عباسؓ کا مکان مسجد نبوی کے قریب تھا اور اس کی چھت پر پرنالہ بنا ہوا تھا جب وہاں پانی بہایا جاتا تو تو پرنالے کا پانی مسجد کے حصہ میں گرتا تھا چونکہ اس سے نمازیوں کو آتے جاتے تکلیف ہوتی تھی اور ان کے کپڑے بھیگ جاتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اس پرنالے کو ہٹا دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ مسجد نبوی میں یہ پرنالہ نہیں گرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ پرنالہ ہٹا دیا گیا جب حضرت عباسؓ کو اس کا پتہ چلا تو آپ کو دکھ ہوا اور آپ نے قسم کھا کر بتلایا کہ یہ پرنالہ میں نے نہیں خود حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لگایا ہے جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو آپ پریشان ہو گئے اور وہیں حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اے عباس تم میری پیٹھ پر چڑھ کر کھڑے ہو جاؤ اور اس کو واپس اسی جگہ لگا دو جس جگہ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا تھا حضرت عمرؓ کے اصرار پر حضرت عباسؓ آپ کے پیٹھ پر کھڑے ہوئے اور جب تک وہ پرنالہ اپنی جگہ نہیں لگا دیا گیا آپ اپنی پیٹھ پر حضرت عباسؓ کو اٹھائے نیچے کھڑے رہے:

فَقَالَ عُمَرُ لِلْعَبَّاسِ وَأَنَا أَعْزِمُ عَلَيْكَ لَمَّا صَعِدْتَ عَلٰى ظَهْرِي حَتّٰى تَضَعَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي وَضَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفَعَلَ ذٰلِكَ الْعَبَّاسُ رضی اللہ عنہ

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۹۔ ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۳۳۸)

اس سے جہاں اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت عمر فاروق کے دل میں

آنحضرت ﷺ کے تبرکات کی کتنی عظمت اور محبت تھی وہیں یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کا دل حضرت عباس ؓ کی عظمت سے بھی بھرا ہوا تھا آپ امیر المؤمنین تھے کسی خادم سے بھی یہ کام لے سکتے تھے مگر آپ کے دل نے گوارا نہ کیا کہ کوئی دوسرا یہ خدمت انجام دے اس لئے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے قرابت دار یعنی چچا جان کا تھا اور آپ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے کسی عزیز کو ان سے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی ؓ اگر کبھی کسی ایسے رستے سے گزرتے جہاں حضرت عباس گزر رہے ہوتے تو یہ حضرات سواری سے اتر پڑتے اور جب تک حضرت عباس ؓ نظروں سے دور نہ ہو جاتے یہ اپنی سواری پر سوار نہ ہوتے تھے۔

وَكَانَ لَا يَمُرُّ بِعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَهُمَا رَاكِبَانِ إِلَّا نَزَلَا حَتّٰى يَجُوزَ

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ ایسا کیوں کرتے تھے؟ آپ کے ادب واحترام میں اجلالاً لہٗ (ایضا) کہ حضرت عباس ؓ آنحضرت ﷺ کے قریبی رشتہ دار (یعنی چچا جان تھے) اور اس رشتہ مقدس کا تقاضا ہے کہ اس کا ادب واحترام کیا جائے

راقم الحروف نے {ازالة الضيق بسيرة سيدنا ابي بكر الصديق رضی اللہ عنہ} اور {نور القمر بسيرة سيدنا عمر ؓ} میں اس پر تفصیلی گذارشات پیش کیں ہیں جس میں یہ بتلایا گیا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یمین کے دل میں اہل بیت نبوت کی محبت وعظمت کس قدر موجزن رہتی تھی اور آنحضرت ﷺ کے یہ دونوں عزیز رفیق کس طرح اہل بیت نبوت کا خیال رکھا کرتے تھے۔

پھر اس بات سے بھی کوئی مسلمان ناواقف نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اہل بیت نبوت کی محبت وعظمت اور ان کے اکرام واحترام کی آواز سب سے پہلے کسی نے سنی تو وہ حضور ﷺ کے خلیفہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی آواز تھی آپ نے حضور ﷺ کے عزیز واقارب کی عظمت کا جھنڈا کس طرح بلند کیا اسے دیکھئے آپ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ و ج ۲ ص ۵۷۶)

آپ نے تمام لوگوں کو اہل بیت کی عزت و محبت اور ان کا پورا پورا دھیان رکھنے کی کس طرح تاکید فرمائی اسے بھی دیکھئے آپ نے فرمایا:

اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰)

اے لوگو! حضور ﷺ کے گھر والوں کا (ہر معاملہ میں) خاص خیال رکھا کرو۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے گھر والوں کی عزت اور ان کی حفاظت کرنا سب مسلمانوں پر لازم ہے اہل بیت کا ادب و احترام اور ان کے حقوق کی حفاظت بھی تم سب پر اسی طرح ضروری ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کے حقوق کی حفاظت لازم ہے اور تمہیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی ہوگی کہ حضور ﷺ کے گھر والوں کو تمہاری زبان سے کوئی تکلیف پہنچے اور نہ ہی تمہارے کسی عمل سے ان کو کوئی دکھ ہو اس روئے زمین پر گھرانہ نبوت سے بڑھ کر مجھے اور کوئی عزیز نہیں ہے۔

۳..... شیعہ عالم ملا باقر مجلسی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ آپ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں اور میرے پاس جو کچھ بھی ہے آپ اس میں سے جو چاہیں لے لیں مجھے اس سے خوشی ہوگی جانشین پیغمبر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''اموال و احوال خود را از تو مضائقہ ندارم آنچہ خواہی بگیر تو سیدہ امت پدر خودی و شجرہ طیبہ از برائے فرزندان خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد و حکم تو نافذ است در مال من اُما در اموال مسلمانان مخالفت گفتہ پدر تو نمی توانم کرد'' (حق الیقین ص ۱۲۷ باب پنجم)

میں اپنے حالات اور اپنے مالوں کو تم سے زیادہ اہم نہیں سمجھتا آپ اس میں خود مختار ہیں جو چاہیں لے سکتی ہیں آپ اپنے والد گرامی قدر کی امت کی سیدہ ہیں اور اپنے بچوں کے لئے شجرہ طیبہ کی طرح ہیں آپ کے فضل کا کوئی انکار نہیں کر سکتا میرے اپنے مالوں میں آپ کا حکم نافذ ہے تاہم مسلمانوں کے مالوں سے متعلق میں آپ کے والد گرامی قدر کے ارشاد کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

یہ حقائق بتاتے ہیں کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اہل بیت کی محبت و حرمت اور ان کی خیر خواہی میں سب سے پہلے اٹھے ہیں آپ کی گھر والی حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا تمام تر

وقت خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ گزرتا تھا اور آپ نے آخر وقت تک حضرت فاطمہؓ کی تیمارداری کی اور حق یہ ہے کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ آپ سے اس قدر خوش تھیں کہ آپ نے انہیں وصیت کی تھی کہ وہ انہیں غسل دیں اور ان کی تجہیز و تکفین کی سعادت پائیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت اسماءؓ یہ سب کچھ حضرت ابوبکر صدیق کی مرضی کے بغیر کر رہی تھیں؟ اور کیا اس میں حضرت ابوبکر کی ہدایت اور ان کی خوشی شامل نہ تھی اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کا خاندان اہل بیت نبوت کے احترام اور ان کی خدمت میں پیچھے تھا؟ ہرگز نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کے نام نامی اسم گرامی سے کون ناواقف ہوگا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ اگر میں نماز میں اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد .....الخ.....نہ پڑھوں تو میری یہ نماز اللہ کے ہاں کس طرح قبولیت کا شرف پا سکتی ہے؟

لو صليت صلاة لم أصل فيها على محمد وعلى آل محمد ما رأيت أنها تقبل (الحسام المسلول علی منتقصی اصحاب الرسول ص ۱۱۷)

اور اس بات کی خبر تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی ہے ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوة لم يصل فيها علي ولا على اهل بيتي لم يقبل منه- رواه ابن الجوزي من طريق الدار قطني

(بسند ضعیف۔۔تفسیر مظہری ج ۷، ص ۳۷۵)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی بتلادی کہ دعا اس وقت تک پردے میں رہتی ہے جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت پر درود نہ پڑھا جائے حضرت علی مرتضی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّعَاءُ مَحْجُوبٌ عَنِ اللّٰهِ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

(شعب الایمان ج ۲، ص ۲۱۶)

حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) نے اہل بیت کے ساتھ کس قدر محبت و عقیدت کا اظہار فرمایا اسے ان دو شعروں میں دیکھئے:

يَا آلَ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِنَ اللّٰهِ فِي الْقُرآنِ أَنْزَلَهُ
يَكْفِيكُمْ مِنْ عَظِيمِ الْفَخْرِ أَنَّكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لاَ صَلاَةَ لَهُ

یعنی اے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں سے محبت رکھنے کو قرآن میں فرض فرمایا ہے۔ اور اے اہل بیت آپ کی شان اور عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جس نے نماز میں تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز ہی نہیں ہوگی

معروف محقق علامہ محمد بن عمر بن مبارک حضرمیؒ (۹۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے تمام سلف صالحین اور علماء کرام کے دل اہل بیت کی محبت اور ان کے احترام سے معمور تھے اور یہ حضرات ان کے حقوق کی بھی پوری پہچان رکھتے تھے حاصل یہ کہ جن لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت ہوگی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تمام چیزوں (اہل بیت عظام صحابہ کرام وغیرہم) سے بھی محبت رکھے گا اور ان کا بھی ادب واحترام کرے گا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محبوب سے تو محبت ہو اور محبوب جس سے محبت رکھے (بلکہ محبت رکھنے کی تاکید کرے) وہ اسے محبوب نہ رکھے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

وقد كانت قلوب السلف الأخيار والعلماء الأحبار مجبولة على حبهم واحترامهم ومعرفة ما يجبلهم طبعا وبالجملة كل من في قلبه مثقال ذرة من تعظيم المصطفى -ﷺ- وحبه فمصداق ذلك تعظيم وحب كل من ينتسب إليه بقربة أو قرابة أو صحبة واتباع سنة. إذ كل ما ينتسب إلى المحبوب محبوب (الصارم المسلول على منتقصي اصحاب الرسول ص ۱۱۸)

حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں

اہل بیت وہ ہیں جن کی طہارت ازل سے مخصوص ہے ان کا ہر فرد طریقت میں جامع ومکمل تھا مشائخ طریقت اور صوفیہ کے ہر عام وخاص فرد کے یہ امام رہے ہیں۔

(کشف المحجوب ص ۱۱۵)

اہل سنت والجماعت کے محدثین کی حدیث کی کتابیں دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا

کہ شاید ہی کوئی حدیث کی کتاب ملے جس میں حضرت علیؓ حضرت سیدہ فاطمہؓ اور حضرات حسنین کریمینؓ کا ذکر خیر نہ ہو اور ائمہ اہل بیت سے مروی روایات اس میں موجود نہ ہو اہل سنت کے سب مرکزی محدثین نے جس طرح مناقب ابوبکرؓ و عمرؓ لکھے مناقب علیؓ بھی لکھے فضائل عائشہؓ کا باب باندھا تو مناقب فاطمہؓ کا باب بھی اس کے ساتھ ملے گا اگر کسی جگہ مناقب عبداللہ بن عمرؓ نظر آئے گا تو ساتھ ہی مناقب الحسنؓ اور مناقب الحسینؓ بھی نہایت اہتمام سے لکھا پائیں گے۔

اہل سنت والجماعت کے مرکزی محدث حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور آپ کے دونوں شاہزادوںؓ کے مناقب پر ایک مستقل رسالہ {فضائل علی والحسن والحسین رضی اللہ عنہم} تحریر فرمایا۔ اور اپنی مسند میں حضرت علی، حضرت سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین اور اہل البیتؓ سے روایات لی ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں ''باب مناقب فاطمہؓ'' (ج ۱ ص ۵۳۲) ''باب تزویج النبی خدیجہؓ وفضلہا'' (ج ۱ ص ۵۳۸) ''باب مناقب علیؓ بن ابی طالب'' (ج ۱ ص ۵۲۵) ''باب مناقب الحسن والحسینؓ'' (ج ۱ ص ۵۳۰) باندھے ہیں۔

حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی صحیح مسلم میں فضائل فاطمہؓ (ج ۲ ص ۲۹۰) فضائل خدیجہؓ (ج ۲ ص ۲۸۳) باب فضائل علیؓ بن ابی طالب (ج ۲ ص ۲۷۸) فضائل الحسن والحسینؓ (ج ۲ ص ۲۸۲) کے ابواب موجود ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے اپنی جامع میں باب مناقب فاطمہؓ (ج ۲ ص ۲۲۷) باب مناقب علیؓ بن ابی طالب (ج ۲ ص ۲۱۲) باب مناقب أبي محمد الحسن والحسینؓ (ج ۲ ص ۲۱۸) باب فضل خدیجہؓ (ج ۲ ص ۲۲۸) باب مناقب أهل بیت النبی (ج ۲ ص ۲۱۸) باندھے ہیں۔

حضرت امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) نے سنن کبری میں: ''ذکر الاخبار الماثورة بأن فاطمة رضی اللہ عنہا ابنة رسول الله سيدة نساء أهل الجنة'' (ج ۵ ص ۱۴۵) ''ذکر الاخبار الماثورة بأن فاطمة بضعة من رسول الله ﷺ'' (ج ۵ ص ۱۵۷) ''فضائل علی رضی الله عنه'' (ج ۵ ص ۴۳) ''ذکر خصائص أمير المؤمنين علی رضی اللہ عنہ بن

ابی طالب" (ج۵ ص ۱۰۵) "ذکر منزلة علی بن ابی طالب" (ج۵ ص ۱۰۷) "باب ذکر قول النبی ﷺ الحسن والحسین ابنای" (۱۴۹) "الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة" .. "الحسن والحسین ریحانتی من هذه الدنیا" .. "فضائل الحسن والحسین" (ج۵ ص ۴۸) "باب مناقب خدیجة رضی اللہ عنہا بنت خویلد" (ج۵ ص ۹۴) "باب مناقب فاطمة رضی اللہ عنہا بنت محمد" (ج۵ ص ۹۵)

کے باب نہایت اہتمام سے باندھے ہیں علاوہ ازیں آپ نے حضرت علی مرتضی کے مناقب وخصائل پر ایک مستقل کتاب {الخصائل فی فضائل علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب} کے نام سے بھی لکھی۔ آپ نے رسالہ {فضائل الصحابة} میں خلفائے ثلاثہ کے فضائل کے ساتھ فضائل علی، فضائل جعفر بن ابی طالب، فضائل الحسن والحسین، مناقب فاطمۃ بنت رسول اللہ ﷺ ورضی اللہ عنہم اجمعین کے ابواب باندھے ہیں۔

امام محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوریؒ (۴۰۵ھ) نے مستدرک میں ذکر مناقب فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ (ج ۳ ص ۱۶۴) مناقب أمیر المؤمنین علی بن ابی طالبؓ (ج ۳ ص ۱۱۶) مناقب الحسن والحسینؓ (ج ۳ ص ۱۷۹) مناقب خدیجہؓ (ج ۳ ص ۲۰۰) کے ابواب باندھے اور اس کے تحت ان کے فضائل ومناقب روایت کئے آپ نے حضرت فاطمہؓ کے مناقب پر بھی ایک رسالہ {فضائل فاطمة الزهراء رضی اللہ عنہا} کے نام سے لکھا ہے۔ علامہ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابیؒ (۳۱۰ھ) نے {الذریة الطاهرة النبویة} لکھی۔ شیخ ابوبکر احمد بن اسحاق نیساپوریؒ (۳۴۱ھ) نے خلفائے راشدین کے فضائل پر مشتمل کتاب لکھی جس میں آپ نے حضرت علی مرتضیؓ کی سیرت پر بھی قلم اٹھایا اور ان کے فضائل لکھے۔ حافظ عبدالعزیز بن احضر الجنابذی بغدادی (۶۱۱ھ) نے {معالم العترة النبویة ومعارف اهل البیت الفاطمیة} لکھی۔ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری (۶۹۴ھ) کی {ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی} سے کون ناوقف ہے آپ نے ریاض النضرۃ کی تیسری جلد میں سیدنا علی مرتضیؓ کی تفصیلی سیرت بیان کی۔ شیخ ابوالقاسم علی بن حسن المعروف حافظ ابن عساکرؒ (۵۷۱ھ) نے تاریخ دمشق میں دوسو سے زائد صفحات میں حضرت علی مرتضیؓ کے مناقب وفضائل نقل کئے ہیں حضرت امام محی الدین نوویؒ (۶۷۶ھ) نے

تہذیب الاسماء واللغات میں آپ کا ذکر خیر فرمایا .....شیخ ابراہیم بن عبدالرحمن فزاریؒ (۷۲۹ھ) نے فضائل العشرۃ لکھی جس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے مناقب وفضائل الگ بیان کئے۔امام شمس الدین ذہبیؒ (۷۴۸ھ) نے سیر اعلام النبلاء میں ائمہ اہلبیت کا تفصیلی تذکرہ لکھا آپ نے تذکرۃ الحفاظ میں بھی حضرت علی مرتضی کا جامع تذکرہ فرمایا ہے اور ایک مستقل کتاب {فتح المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب} کے نام سے بھی لکھی۔

حرم نبوی کے معروف محدث جمال الدین محمد بن یوسف الزرندی (۷۵۰ھ) کی {در السمین فی فضائل المصطفی والمرتضی والسبطین} صاحب مشکوۃ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی (۷۴۱ھ) نے مشکوۃ المصابیح میں کتاب المناقب لکھی ہے۔حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ میں ان بزرگوں پر نہایت عقیدت مندانہ تذکرہ تحریر فرمایا شیخ ابوذر احمد بن ابراہیم حلبیؒ (۸۸۴ھ) کی {قرۃ العینین فی فضائل الشیخین والصہرین والسبطین} اہل علم سے مخفی نہیں ہے،اس کی تیرھویں فصل ذم الروافض ہے۔پھر سید نور الدین ابوالحسن بن عبداللہ السمہودی (۹۱۱ھ) نے {جواہر العقدین فی فضل الشرفین شرف العلم الجلی والنسب العلی} لکھی اس کی دوسری فصل فضائل اہل بیت پر مشتمل ہے اسی دور میں امام جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) نے {احیاء المیت بفضائل أهل البیت} لکھی برما کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ (۱۳۸۲ھ) نے اپنی کتاب {سفینۃ النجات فی ذکر مناقب السادات} میں یہ پورا رسالہ اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور آپ ہی نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کے مناقب پر {الشغور الباسمۃ فی مناقب السیدۃ فاطمۃ} لکھی پھر تاریخ الخلفاء میں حضرت علی مرتضی کی مبارک زندگی کو تفصیل سے بیان کیا امام رضی الدین اسماعیل بن یوسف قزوینی نے خاص حضرت علیؓ کے مناقب پر {الأربعین} لکھی ہے۔محدث حافظ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) نے ''الصواعق المحرقۃ'' میں گیارھواں باب {فی فضائل أهل البیت النبوی} کے عنوان پر لکھا جس میں آپ نے قرآن کریم کی چودہ آیات اور ۱۳۲ احادیث سے ان کے فضائل نقل فرمائے اس کی تیسری فصل ائمہ اہل بیت کے فضائل ومناقب پر مشتمل ہے۔

شیخ زین الدین عمر بن احمد حلبی (۹۳۶ھ) نے {العذب الزلال فی مناقب الآل} تحریر فرمائی اسی دور میں امام عبدالوہاب شعرانیؒ (۹۷۳ھ) نے {فتح الوھاب فی فضائل الآل والاصحاب} لکھی محدث علامہ عبدالرؤف بن علی مناویؒ (۱۰۳۱ھ) نے نہایت اہتمام سے سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مناقب وفضائل پر {اتحاف السائل بما لفاطمۃ من المناقب والفضائل} تحریر فرمائی شیخ ابوعبداللہ محمد بن یوسف الگنجی الشافعی نے {کفایۃ الطالب فی مناقب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب} اور حافظ زین العابدین محمد بن احمد عجمی (۱۰۵۵ھ) نے مناقب علیؓ تحریر فرمائی۔

بعض شیعہ دوستوں کو اس پر اعتراض ہے کہ اہل سنت امام حسن اور امام حسین کا نام تو ضرور لیتے ہیں مگر ان کی آل واولاد سے محبت کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے اس پر ہم اگر کچھ کہیں تو ممکن ہے کہ بعض لوگ اسے ہماری بات کہہ کر ان سنی کر دیں لیجئے پانچویں صدی کے محقق اہل سنت فاضل حضرت علامہ ابومنصور عبدالقاہر بن محمد بغدادیؒ (۴۲۹ھ) سے سن لیجئے آپ کس طرح ایک ایک کا نام لے کر کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت ان سب سے محبت کرنے کو ضروری بتاتے ہیں آپ لکھتے ہیں

أجمع اهلُ السّنةِ عَلى ايمانِ الْمُهَاجِرينَ وَالانصارِ مِنَ الصَّحَابَةِ ..... وَأجمعَ أَهلُ السّنةِ عَلى أَنَّ مَنْ شَهِدَ مَعَ رَسُول اللهﷺ بَدْرًا من أهلِ الْجَنَّة وَكَذَلِكَ كلُّ مَن شَهد مَعَه بيعَة الرضْوَان بِالْحُدَيْبِية ..... وَقَالُوا بموالاة جَمِيع ازواج رَسُول اللهﷺ وأكفَرُوا مَن أكفرهن أَو اكفر بَعضهنّ وَقَالُوا بموالاة الْحسن وَالْحُسَيْن والمشهورين من اسباط رَسُول الله عَلَيْهِ السَّلَام كالحسن بن الْحسن وَعبد الله بن الْحسن وعَلى بن الْحُسَيْن زين العابدين وَمُحَمّد بن على بن الْحُسَيْن الْمَعْرُوف بالباقر وَهُوَ الذى بَلَغَه جَابر بن عبد الله الانصارى سَلام رَسُول اللهﷺ عَلَيْهِ وجعفر بن مُحَمَّد الْمَعْرُوف بالصادق ومُوسَى بن جَعْفَر وعَلى بن مُوسَى الرِّضَا وَكَذَلِكَ قَوْلهم فِي سَائِر اولاد على من صلبه كالعباس وَعمر وَمُحَمّد بن الْحَنَفِيَّة وَسَائِر من درج على سنَن آبَائِهِ الطاهرين

(الفرق بین الفرق ص ۲۸۱)

سوا اسلام کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اہل سنت کے اکابر علماء اور محدثین نے اہل البیت کے فضائل ومناقب نہ لکھے ہوں ان کے ادب واحترام کی تاکید نہ کی ہو اور ان کی عزت وحرمت کے گرد پہرہ نہ دیا ہو اور ان کے مناقب ومحامد بیان کرنے کو ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت نہ جانا ہو۔

اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء کس طرح اہل بیت کے بزرگوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کی عظمت وعقیدت میں بچھے جاتے تھے اسے بھی دیکھتے جایئے

حضرت امام علی رضاؒ (۲۰۳ھ) جب نیشاپور تشریف لائے تو آپ خچر پر سوار تھے اور حضرت شقیق بن ابراہیم بلخیؒ (۱۷۴ھ) جو اعاظم صوفیاء سے ہیں امام کے جلو میں آگے آگے چلے جارہے تھے اور صوفیہ کرام کی ایک بڑی تعداد بھی آپ کی ساتھ موجود تھی جنہوں نے اپنی چادروں سے حضرت امام کا سایہ کیا ہوا تھا۔

حافظ ابوزرعہ رازی اور حضرت محمد بن اسلمؒ مدارس کے تمام طالب علموں کے ساتھ آپ کی ملاقات اور زیارت کے لئے باہر آئے اور پورے شہر میں آپ کی شہر تشریف کا شہرہ ہوا آپ کی خدمت میں شہر کے علماء اور محدثین کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو آپ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے لئے آئی ہوئی تھی ان محدثین اور علماء نے آپ سے درخواست کی اگر آپ ایک یا دو حدیثیں اپنے آباء کرام کی سند سے روایت فرماویں تو آپ کا کمال احسان ہوگا حضرت امام علی رضا نے بسند اہل بیت وآبائے کرام کے یہ حدیث قدسی پڑھی:

لا الہ الا اللہ حصنی فمن قالھا دخل حصنی ومن دخل حصنی أمن من عذابی

لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے پس جس نے اس کو کہا تو وہ میرے قلعہ میں داخل ہوگیا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امن میں آگیا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جب اس سند اہل بیت کو ذکر کرتے تو فرماتے:

لو قرء علی مجنون لافاق او علی مریض لبرء

اگر کسی مجنون پر یہ سند پڑھی جائے تو اسے آرام آجائے اور کسی مریض پر یہ سند پڑھی جائے تو وہ بیمار صحت پا جائے۔

وہ مبارک سند مع حدیث قدسی یہ ہے:

حَدثنِي أبي مُوسَى الكاظم عَن أَبِيه جَعْفَر الصَّادِق عَن أَبِيه مُحَمَّد الباقر عَن أَبِيه زين العابدين عَن أَبِيه الْحُسَيْن عَن أَبِيه عَليّ رضی اللہ عنہ بن أبي طَالب قَالَ حَدثنِي حَبِيبِي وقرة عَيْنِي رَسُول الله ﷺ قَالَ حَدثنِي جِبْرِيل قَالَ سَمِعت رب الْعِزَّة يَقُول لَا إِلَه إِلَّا الله حصني فَمن قَالَهَا دخل حصني وَمن دخل حصني أَمن من عَذَابِي (الصواعق المحرقہ ص ۲۰۵ حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۹۲ سنن ابن ماجہ ص ۸)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابیں حضرت علی مرتضیٰؓ کے فضائل ومناقب سے بھری پڑی ہیں اور اہل سنت تو ہمیشہ سے حضرت علی مرتضیٰؓ سے محبت ومودت رکھتے چلے آرہے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے چلے آئے ہیں کہ آپ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور یہ حضرات ہمیشہ سے آپ کے معاندین ومخالفین کا رد کرتے رہے ہیں۔

وَأَمَّا عَلِيٌّ فَإِنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ يُحِبُّونَهُ وَيَتَوَلَّوْنَهُ. وَيَشْهَدُونَ بِأَنَّهُ مِنَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَالْأَئِمَّةِ الْمَهْدِيِّينَ (منہاج السنہ ج ۶ ص ۱۸)

وَكُتُبُ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ جَمِيعِ الطَّوَائِفِ مَمْلُوءَةٌ بِذِكْرِ فَضَائِلِهِ وَمَنَاقِبِهِ. وَبِذَمِّ الَّذِينَ يَظْلِمُونَهُ مِنْ جَمِيعِ الْفِرَقِ. وَهُمْ يُنْكِرُونَ عَلَى مَنْ سَبَّهُ. وَكَارِهُونَ لِذَلِكَ (منہاج السنہ ج ۴ ص ۳۹۶)

شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ) ایک حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو جیسے پیغمبر خدا ﷺ کی دوستی اپنی جان سے زیادہ چاہیے یعنی پیغمبر ﷺ کے حکم کو بجالانے کو اپنی جان سے زیادہ مقدم سمجھے ویسے ہی حضرت علی کی دوستی اپنی جان سے زیادہ مقدم رکھے اور کبھی اس محبت میں فرق نہ آنے دے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو علی سے محبت رکھے وہ خدا کا دوست ہے اور جو علیؓ سے عداوت رکھے وہ خدا کا دشمن ہے۔'' (عظمت صحابہ واہل بیت ص ۷۹)

جہاں تک حضور اکرم ﷺ کے اہل بیت کے فضائل ومحامدان سے محبت وعقیدت اور ان کے حقوق وآداب کا تعلق ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لے کر اب تک

ہر دور میں اس کی بڑی طاقت ور گونج سنائی دیتی ہے اور وقت کے ممتاز اور جلیل القدر علماء اپنے اپنے زمانہ میں اس پر بیانات دے چکے ہیں اور یہ بات بہت کھلی ہوئی ہے کہ حضور ﷺ کے گھرانے سے محبت رکھنا ان سے دوستی رکھنا ان کے حقوق کا دھیان رکھنا اور ان کے بے ادبی سے بچنا اہل سنت کے عقیدے اور ان کے اصول میں سے ہے اور یہ اس لئے کہ سرور دو عالم ﷺ نے خود اپنی زبان مبارک سے یہ ہدایت اور وصیت فرمائی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ اہل سنت نے صرف ان کے فضائل نقل کر دئے بلکہ حضرت علی مرتضیٰ اور اہل بیت نبوت کی محبت وعقیدت اور حرمت وعزت کو عین اسلام بتایا ہے۔ امام ابوبکر محمد بن حسین آجریؒ (۳۶۰ھ) لکھتے ہیں کہ ہر مومن مرد اور عورت پر آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کی محبت واجب ہے ان کا اکرام کرنا ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ان کے لئے دعاء کرنا اور ان کے بارے میں برائی سے زبان کو روکے رکھنا واجب ہے اہل بیت کرامؓ عالی قدر درست رائے رکھنے والے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے ہیں امام آجریؒ نے اپنی کتاب الشریعۃ میں اہل بیت کی محبت کے واجب ہونے پر اس طرح باب باندھا ہے۔ {باب ایجاب حب بنی ھاشم اھل بیت النبی علی جمیع المؤمنین} آپ اس کے تحت لکھتے ہیں:

وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ مَحَبَّةُ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: بَنُو هَاشِمٍ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَوَلَدُهُ وَذُرِّيَّتُهُ وَفَاطِمَةُ وَوَلَدُهَا وَذُرِّيَّتُهَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَأَوْلَادُهُمَا وَذُرِّيَّتُهَا وَجَعْفَرٌ الطَّيَّارُ وَوَلَدُهُ وَذُرِّيَّتُهُ وَحَمْزَةُ وَوَلَدُهُ وَالْعَبَّاسُ وَوَلَدُهُ وَذُرِّيَّتُهُ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاجِبٌ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَحَبَّتُهُمْ وَإِكْرَامُهُمْ وَاحْتِمَالُهُمْ وَحُسْنُ مُدَارَاتِهِمْ وَالصَّبْرُ عَلَيْهِمْ وَالدُّعَاءُ لَهُمْ (الشریعۃ ج۵ص۲۲۷۶)

أَنَا نُجِلُّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَأَوْلَادَهُمْ وَأَوْلَادَ جَعْفَرٍ الطَّيَّارِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَذُرِّيَّتَهُمُ الطَّيِّبَةَ الْمُبَارَكَةَ أَهْلُ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَعْلَى قَدْرًا وَأَصْوَبُ رَأْيًا وَأَعْرَفُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ ﷺ (ایضاص۲۵۱۱)

حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

من أصولِ أَهْلِ السُّنة وَالجماعةِ أنَّهم يُحِبُّونَ أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَيَتَوَلَّوْنَهُمْ وَيَحْفَظُونَ فِيهِمْ وَصِيَّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ؛ حَيْثُ قَالَ أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي. أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۹۔ العقیدۃ الواسطیہ ص ۱۵۷۔ کتاب الاعتقاد ص ۱۶۲ للامام البیہقی)

اہل سنت والجماعت کی بنیادوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے گھر والوں سے محبت اور دوستی رکھتے ہیں اور ان کے متعلق آنحضرت ﷺ کی اس وصیت اور تاکید کا پورا خیال اور دھیان رکھتے ہیں جس میں آپ تین مرتبہ فرمایا کہ اے لوگو میں تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

آپ لکھتے ہیں: ''وَكَذَلِكَ أَهْلُ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ تَجِبُ مَحَبَّتُهُمْ وَمُوَالَاتُهُمْ وَرِعَايَةُ حَقِّهِمْ'' (مجموع الفتاوی ج ۲۸ ص ۴۹۱)

یعنی حضور اکرم ﷺ کے اہل بیت سے محبت وعقیدت اور ان کے ساتھ دوستی رکھنا واجب ہے اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

مَحَبَّتُهُمْ عِنْدَنَا فَرْضٌ وَاجِبٌ يُؤْجَرُ عَلَيْهِ ... وَنَحْنُ نَقُولُ فِي صَلَاتِنَا كُلَّ يَوْمٍ لَلَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ ... الخ .. مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۸) فَحُبُّ عَلِيٍّ وَاجِبٌ (منہاج ج ۵ ص ۷۲)

ہمارے نزدیک اہل بیت کی محبت فرض واجب ہے اور اس پر اجر بھی ملے گا اور ہم روزانہ نماز میں درود شریف پڑھتے ہیں جس میں حضور ﷺ کے آل کا ذکر ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھے اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اللہ اس کا کوئی چھوٹا بڑا عمل قبول نہ کرے گا۔

مفسر شہیر حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) حضور اکرم ﷺ کی اہل بیت کے متعلق دی گئی وصیت پر لکھتے ہیں:

وَلَا تُنْكِرُ الْوَصَاةُ بِأَهْلِ الْبَيْتِ وَالْأَمْرُ بِالْإِحْسَانِ إِلَيْهِمْ وَاحْتِرَامِهِمْ وَإِكْرَامِهِمْ. فَإِنَّهُمْ مِنْ ذُرِّيَّةٍ طَاهِرَةٍ مِنْ أَشْرَفِ بَيْتٍ وُجِدَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ فَخْرًا وَحَسَبًا وَنَسَبًا. وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانُوا مُتَّبِعِيْنَ لِلسُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ الصَّحِيحَةِ الْوَاضِحَةِ الْجَلِيَّةِ. كَمَا كَانَ عَلَيْهِ سَلَفُهُمْ كَالْعَبَّاسِ وَبَنِيهِ وَعَلِيٍّ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَذُرِّيَّتِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۳ طبع مصر)

ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے ہرگز منکر نہیں (بلکہ) ہم تاکید کرتے ہیں کہ ان حضرات کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور ان کے اکرام واحترام میں کمی کوتاہی نہ کی جائے اس روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک صاف ستھرا گھرانا اور کوئی نہیں ہے۔ اہل بیت کرامؓ حسب ونسب میں اور فخر ومباہات میں بلاشبہ سب سے اعلیٰ ہیں بالخصوص ان میں وہ حضرات جو نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں جیسا کہ ان کے اسلاف کرام کا طریقہ رہا جیسے حضرت عباسؓ اور ان کی آل اولاد حضرت علیؓ اور ان کے اہل وعیال۔ اللہ ان سب سے راضی ہوں۔

شیخ علامہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ (۸۴۰ھ) لکھتے ہیں:

وَقد دلّتِ النُّصُوصُ الجمّةُ المُتواتِرةُ علَى وُجُوبِ مَحَبَّتِهِمْ وَمَوَالَاتِهِمْ وَأَن يكُونَ مَعَهم ... فَيجبُ لِذَلِك حُبهم وَتَعظيمُهُمْ وَتَوقِيرُهُم وَاحْتِرَامُهُمْ وَالِاعْتِرَافُ بِمَنَاقِبِهِمْ فَانهُمْ أهلُ آيَاتِ الْمُبَاهَلَةِ وَالْمَوَدَّةِ وَالتَّطْهِيرِ وَأهلُ المَنَاقبِ الْجَمّةِ وَالْفضلِ الشهيرِ (ایثار الحق علی الخلق ص ۴۶۰)

محدث علامہ حافظ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) نے الصواعق المحرقۃ میں اہل بیت کرامؓ کی محبت کی ترغیب اور ان کے حقوق کی نگرانی اور ادائیگی کے بارے میں مستقل ایک باب ''باب الحث علی حبہم والقیام بواجب حقہم'' کے عنوان سے باندھا ہے اور اس کی پہلی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا:

وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۰ الصواعق ج ۲ ص ۶۵۹)

میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔

جب کوئی شخص اس نگاہ سے اہل بیت کی جانب دیکھے گا تو یقیناً نہ صرف یہ کہ ان

سے محبت رکھے گا بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی کوئی کمی نہیں کرے گا اس کی زبان ان کے حق میں ہمیشہ کلمہ خیر بولے گی اور اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل بیت کی محبت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا قیامت کے دن خوشی اور راحت کا سبب بنے گا حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں قیامت کے دن اسے اس کا اچھا بدلہ عطا کروں گا۔

من صنع إلى أحد من أهل بيتي يدا كافأته يوم القيامة

(تاریخ دمشق ج ۴۵ ص ۳۰۳ لابن عساکر ۵۷۱ھ)

اس سے یہ بات از خود واضح ہوگئی کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (وہ آپ کی ازواج مطہرات ہوں یا آپ کی اولاد امجاد) کے خلاف بدزبانی اور بدسلوکی کرے گا وہ یقیناً انعام خداوندی اور تحفہ نبوی سے محروم ہوگا۔

مولانا سید غلام مصطفیٰ صاحب لکھتے ہیں:

''جو شخص محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرے تو اس کو آپ کی خوشنودی کے لئے یہ ضرور ہوگا کہ آپ کے فرزندوں کو بھی دل وجان سے دوست رکھے۔ اور صاحب تفسیر کشاف زاہد یہ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اہل بیت کو پیار کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اسکے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو رحمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور اس کے حق میں بکثرت نیکی درج کرتا ہے۔'' (تحفۃ الاحباب ص ۲۰)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) کا اہل بیت نبوت کے ساتھ تعلق کس قدر گہرا اور محبانہ تھا اسے دیکھئے آپ ایک خط میں ان لوگوں کا جواب دیتے ہیں جو پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اہل سنت کے دل اہل بیت کی محبت سے خالی ہیں آپ جناب خواجہ محمد تقی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''محبت ایں بزرگان (اہل بیت) جزو ایمان است وسلامتی خاتمہ را بر آں محبت مربوط ساختہ اند۔۔۔''

اہل سنت کے نزدیک اہل بیت نبوت کی محبت جزو ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی کو اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری باطنی عالم تھے اکثر

اوقات اہل بیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہیے ان کے مرض الموت میں فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہاں کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بے خودی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت است نداستہ اند کہ درمیان افراط وتفریط حدے است وسط کہ مرکز حق است ومامن صدق کہ نصیب اہل سنت گشتہ است" (مکتوبات مجدد الف ثانی)

اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے..... لوگ نہیں جانتے کہ افراط وتفریط کے درمیان ایک درمیان حد بھی ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہل سنت و جماعت کو نصیب ہوا ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ اس مکتوب میں لکھتے ہیں:

حضرت امیر (یعنی حضرت علیؓ) کی محبت اہل سنت والجماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا اہل سنت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے..... حضرت امیرؓ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفائے ثلاثہ سے تبراء اور بیزاری رفض ہے ..... پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محب اہل سنت و جماعت ہیں اور حقیقت میں اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں..... اہل بیت کی محبت اور تمام اصحاب کرامؓ کی تعظیم وتوقیر تسنن یعنی اہل سنت وجماعت بنتا ہے (مکتوبات دفتر دوم ص ۱۰۶ مکتوب نمبر ۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اپنا ایک مکاشفہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

انی رأیت أئمة اهل البیت فی حظیرة القدس باتم وجه وأجمل وجه وعلمت ان منکرهم والمشاجن لهم فی خطر عظیم.

(تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۱۰۷)

میں نے ائمہ اہل بیت کو بہت کامل اور بہترین حالت میں دیکھا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ ان کا منکر اور ان سے دشمنی رکھنے والا بڑے خطرے میں ہے۔

یعنی اگر کسی کا دل اہل بیت نبوت کی محبت سے خالی ہے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا خوش قسمت وہی ہوگا جو آخری وقت تک اہل بیت نبوت کی محبت میں سرشار رہے

یہ صرف ان چند اہل سنت بزرگوں کی تحریریں نہیں علمائے امت نے فضائل اہل بیت پر بھی مستقل کتابیں لکھیں ہیں اور جن جن حضرات کے بارے میں پتہ چل گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں علماء اہل سنت نے ان کے فضائل ومناقب بیان کرنا ہمیشہ اپنا فریضہ جانا ہے اور اس میں کبھی کسی کوتاہی کا مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے اپنے دور میں جہاں خلفائے ثلاثہ کی عظمت کے جھنڈے بلند کئے وہیں اہل بیت کی عزت وحرمت کے گرد بھی پوری ہمت سے پہرہ دیا اور ان کے فضائل ومناقب اور ان کی سیرت وکردار کو پھر سے اجاگر کیا آپ نے {ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء} کی چوتھی جلد میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور مناقب اہل بیت نہایت عقیدت سے بیان فرمائے۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) نے اپنے دور میں {مصباح الزيت فی مناقب أهل البيت} لکھی اور ان لوگوں کی کوششوں پر پانی پھیر دیا جنہوں نے صحابہ اور اہل بیت کے درمیان عداوت ونفرت کی دیواریں کھڑی کی تھیں آپ نے پوری قوت سے روافض کی وہ عمارت گرادی۔ آپ کے بعد سے اب تک اہل سنت کے علماء عظام اہل بیت کی عزت وحرمت کے گرد پہرہ دیتے رہے ہیں اور ان کے مخالفین اور معاندین کا جگہ جگہ تعاقب کرنا اور ان کی حقیقتوں سے پردہ اٹھانا اور اہل سنت مسلمانوں کو باخبر رکھنا انہوں نے اپنے ایمان کا تقاضا جانا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا ایک اور قیمتی رسالہ ''عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس'' ہے یہ رسالہ درحقیقت خلفائے راشدین کے مناقب وفضائل پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو ان بزرگوں کے مناقب پر مروی ہیں اس رسالہ کا آخری حصہ ان احادیث پر مشتمل ہے جو اہل بیت کے فضائل ومناقب پر ہیں اس کا فارسی ترجمہ مرزا

حسن علی لکھنوی نے کیا تھا ۱۹۰۰ء میں یہ رسالہ سید احمد ولی اللہ کی کوشش سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا مولانا نظام الدین نے اس کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

پھر یہی نہیں کہ اہل سنت نے صرف ان کے فضائل نقل کر دیئے بلکہ بتایا کہ اس امت پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ وہ حقوق ہیں جن کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ ہونی چاہیے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وَلَا رَيْبَ أَنَّهُ لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ حَقًّا عَلَى الْأُمَّةِ لَا يَشْرَكُهُمْ فِيهِ غَيْرُهُمْ. وَيَسْتَحِقُّونَ مِنْ زِيَادَةِ الْمَحَبَّةِ وَالْمُوَالَاةِ مَا لَا يَسْتَحِقُّهُ سَائِرُ بُطُونِ قُرَيْشٍ

(منہاج السنہ ج ۴ ص ۵۹۹)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امت پر کچھ وہ حقوق ہیں جن میں دوسرے ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل زیادہ محبت اور موالات کے مستحق ہیں جس محبت کے قریش کے دوسرے قبائل مستحق نہیں ہیں.....الخ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں:

''اہل بیت اور حضرات صحابہؓ کو چونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دینی اور دنیوی دونوں طرح کا تعلق ہے اس لئے آپ کے حق میں ان حضرات کے حقوق بھی داخل ہیں وہ ہیں کہ ان حضرات کی اطاعت کرے ان حضرات سے محبت رکھے ان کے عادل ہونے کا یقین رکھے ان سے محبت رکھنے والوں سے محبت اور ان سے بغض رکھنے والوں سے بغض رکھے۔''

(حقوق الاسلام ص ۸)

محدث کبیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ (۱۳۹۴ھ) نے اسلامی عقائد کا ذکر کرتے ہوئے ان حضرات کی محبت وعقیدت اور حرمت وعزت کو عین اسلام بتلایا ہے:

''تمام اہل بیت نبوی اور ازواج مطہرات کی محبت اور عظمت اور حرمت عین ایمان اور اسلام ہے صحابہ کرامؓ نجوم ہدایت ہیں اور اہل بیت نبوی کی محبت سفینہ نوح ہے الحمد للہ کہ اہل سنت سفینہ نوح میں سوار ہوئے اور نجوم ہدایت کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کیا اور منزل مقصود کو پہنچ گئے۔''

(عقائد الاسلام ص ۲۱۰)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ (۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ومحبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے سے واجب اور لازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قریبہ حاصل ہے اس لئے ان کی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے.....حب اہل بیت وآل رسول کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا بلکہ اجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے ورنہ آل رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی محبت وعظمت عین سعادتی واجر وثواب ہے۔''

(معارف القرآن ج ۷ ص ۶۹۲)

حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۴۴۱ھ) لکھتے ہیں:

''اہل البیت کی سچی محبت خاتمہ بالخیر کی ضمانت ہے اگر کوئی بدعقیدہ بھی اہل البیت سے سچی محبت رکھے تو موت سے پہلے رب العزت اسے صحیح الاعتقاد بنادیں گے میرا نظریہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شیعہ اہل البیت سے سچی اور مخلصانہ محبت رکھتا ہے تو اس کی موت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اہل سنت والجماعت نہ ہو جائے اور ہر محب اہل البیت کو مرنے کے وقت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے شیعہ حضرات کی اپنی معتبر کتاب جامع الاخبار فصل ۱۳۱ میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ عَلَى حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَى السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

(جامع الاخبار ص ۱۸۹۔ الکشاف ج ۴، ص ۲۲۱)

جو شخص حضرات آل محمد کی محبت ساتھ لے کر مرا اس کی موت اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر ہوتی ہے۔'' (عبقات ص ۲۹۶)

حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ ایک مجلس میں فرماتے ہیں:

''عترت رسول ﷺ وہ مشترک سرمایہ ہے جس کے سہارے اہل سنت ہر اختلاف میں جیتے ہیں اہل سنت کی صفوں میں اگر کچھ ایسے لوگ ابھر آئیں جو ان حضرات کے بارے میں دل میں کوئی بوجھ رکھتے ہوں یا ان کی کسی بے ادبی کے مرتکب ہوں تو سمجھ لیجئے

کہ وہ ہم اہل سنت میں سے نہیں ہیں۔ اہل سنت مسلمان جس طرح صحابہ کے بارے میں کسی بے ادبی کو برداشت نہیں کرتے، اہل بیت رسالت کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ ہے کہ امہات المومنین ہوں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت طاہرہ، کسی کی بے ادبی اور گستاخی سے کوئی شخص سنی نہیں رہ سکتا۔

جس کپڑے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن نے چھو لیا جس زمین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں نے چھو یا جن انسانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دامن قبولیت میں جگہ دی وہ امہات المومنین ہوں یا صحابہ یا آپ کی ذریت طیبہ سب کے سب لائق احترام ہیں اور کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان میں سے کسی نسبت پر عیب کی انگلی رکھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی پہلو سے بھی نسبت ہو یہ نسبتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر مومن کے لئے حرز جان اور سرمایہ ایمان ہے۔" (فیوضات)

حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحبؒ لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں کہ:

چھ نام پوری دنیائے اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں جہاں زیادہ مرکب نام رکھے جاتے ہیں وہاں ان میں سے کوئی نام ضرور ہوتا ہے۔ عرب اقوام عام طور پر اپنے والد کے نام سے اپنے نام کو مرکب کرتے ہیں- یہ چھ نام کون سے ہیں؟ اللہ، محمد، احمد، علی، حسن، حسین۔ اب ان کا استعمال دیکھئے عبداللہ، سمیع اللہ، حفیظ اللہ وہ نام ہیں جن میں بندہ اپنی نسبت رب کی طرف کرتا ہے۔ پھر مسلمان کا نام محمد سے شروع ہوگا یا احمد پر ختم ہوگا۔ جیسے محمد عمر، محمد باقر اور علی احمد، شبیر احمد، عرفان احمد۔ پھر کبھی نام کا دوسرا لفظ حسن ہوتا ہے کبھی حسین، جیسے اظہار حسن، امتیاز حسن یا غلام حسین، مسرور حسین، پھر علی کا نام بھی بہت سے ناموں کے آگے آئے گا جیسے کہ محمد علی، صفدر علی، عثمان علی وغیرھا من الاسماء ان کے سوا جو نام ہیں وہ بہت کم اور عرب ممالک میں اللہ کے نام کے سوا اسماء عام طور پر ایک ایک ہوتے ہیں- محمد، احمد، علی، حسن اور حسین ہوں گے۔

اس صورتحال سے پتہ چلتا ہے کہ پوری امت مسلمہ کی ان چھ ناموں سے ایک طبعی عقیدت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہمارا تعارف ہیں۔ انہیں جانے اور مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا لیکن امت مسلمہ کی

والہانہ عقیدت علی، حسن اور حسین y کے ساتھ بھی عظیم ہے۔ وہ مسلمانوں کے دل کی ایک فطری آواز ہے اور حق یہ ہے کہ ان ناموں کو امت نے بغیر کسی اختلاف کے اپنے ہر معاشرے میں عزت کا سامان اور عقیدت کا عنوان بنایا ہے۔ یہ عقیدت مسلمانوں کے کسی ایک ملک یا چند قبائل میں نہیں پوری امت اللہ کے صفاتی ناموں اور محمد اور احمد کے اول و آخر سے مفتخر اور سرفراز ہے یا پھر علی، حسن اور حسین کے اسماء متبرکہ ہیں جو پوری امت میں سرمایہ عقیدت سمجھے گئے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسن اور حسین کی شخصیات امت میں کبھی مختلف فیہ نہیں سمجھی گئیں۔ حضرت حسن t نے خلافت سے دستبردار ہونا پسند کیا مگر امت میں فریق بننے کو پسند نہ کیا۔ حضرت حسین t کو کربلا میں اکیلے تھے اور یہ واقعہ آناً فاناً اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام کے دلوں کی دھڑکنیں آپ کے ساتھ ہی رہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اہل سنت کی کتب حدیث میں شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں اہل بیت کی منقبت اور حضرت حسن t اور حضرت حسین t کے فضائل کے باب نہ بندھے ہوں۔ سانحہ کربلا کے بعد زین العابدین علی بن الحسین ؒ جب مدینہ منورہ اقامت پذیر ہوئے تو امت کے تمام علماء اور محدثین کس طرح فرط عقیدت میں آپ کے حلقے میں آتے رہے اور ان سے علمی اور روحانی فیض پاتے رہے۔ یہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ جب حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا تو جس سے حضور ﷺ محبت فرمائیں اس سے محبت رکھے بغیر کوئی شخص کیسے کامل الایمان ہو سکتا ہے۔ حضور ﷺ اپنی اس محبت کی اساس پر چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی حضرت حسن t سے محبت و مودت رکھیں۔ آپ نے اللہ رب العزت سے بھی خواہش کی کہ وہ حضرت حسن t سے پیار کرے۔

اللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ، وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ (صحیح بخاری جلد ۷ ص ۱۵۹)

یہ وہ عالی قدر حضرات ہیں جن کی محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی میراث ہے اور ہم بجا طور پر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہر شخص سے امید رکھیں گے کہ وہ بھی ان سے محبت کرے (ایضا)

حضرات خلفائے ثلاثہ کے دور خلافت میں یہ دونوں شہزادے چھوٹے تھے اور

اس وقت جو صحابہ حیات تھے ان میں سے اکثریت بڑی عمر کے حضرات کی تھی جو اپنے علم و عمل اور فضل و کمال میں کسی سے کم نہ تھے مگر انہوں نے بھی قرابت نبوی اور تعلیم مصطفوی کی وجہ سے ان دونوں شہزادوں کے ساتھ ہمیشہ محبت و مؤدت رکھی اور ان کا اس طرح عزت اور احترام کیا جیسے کسی بڑے کا کیا جاتا ہے اور کبھی یہ شکایت نہیں سنی گئی کہ کسی ایک صحابی نے بھی ان دونوں شہزادوں کے اکرام و احترام میں کمی کی تھی حتی کہ حضرت معاویہؓ جن کا حضرت علی مرتضی اور پھر حضرت حسن مجتبی کے ساتھ اختلاف بھی ہوا مگر انہوں نے بھی ہمیشہ ان کے احترام ملحوظ رکھا اور ان کے علم و فضل اور کمالات و اوصاف کے بیان کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا تھا اور ان دونوں شہزادوں کی خدمت میں بھی کبھی کوئی کمی نہیں دکھائی ان کا جو حق تھا اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ان کی خدمت کا خدمت ادا کیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ہی غور کریں کہ کیا یہ دونوں شہزادے کبھی ان سے ملنے کے جاتے اور ان سے ملنے والے وظائف اور تحفے قبول کرتے؟ ہم آگے چل کر اس کی کچھ تفصیل عرض کریں گے۔ حضرت امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (۲۰۴ھ) کے یہ ایمان افروز شعر ملاحظہ کیجئے:

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيْعَتِيْ وَهُمْ إِلَيْهِ وَسِيْلَتِيْ
أَرْجُوْ بِهِمْ أُعْطَى غَدًا بِيَدِي الْيَمِيْنِ صَحِيْفَتِيْ

حضور اکرم ﷺ کے آل کی محبت میرے لئے ذریعہ مغفرت ہے اور یہ اللہ کے ہاں میرا وسیلہ ہے میں اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ حضور ﷺ کی آل کی برکت سے روز قیامت میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرتا ہے جب استاذنا المحترم حضرت علامہ خالد محمود صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے باہمی رشتہ و محبت پر ایک پورا چارٹ شجرہ مؤدت کے نام سے تحریر فرمایا تھا جو اہل سنت کے مدارس و مساجد میں عام دیکھا جا سکتا ہے جس میں اہل بیت کرامؓ اور صحابہ عظام میں باہمی ربط و محبت پر تاریخ کی کھلی شہادتیں دی گئی ہیں حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کے خلیفہ مولانا محمد عمر آف بیربل شریف نے بھی اسے ضلع سرگودھا میں حضرت علامہ صاحبؒ کے نام سے شائع کیا تھا۔

جب اہل سنت اپنے شیعہ دوستوں کو یہ بات بتلاتے ہیں تو وہ بغیر سوچے رٹا رٹایا یہ

جملہ پڑھ دیتے ہیں کہ یہ صرف دکھانے کے لئے ہے اہل سنت اندر سے عترت رسول کی عزت نہیں کرتے جواباً عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہمارا نہیں شیعہ علماء کا ہے کہ اوپر سے کچھ ہوں اور اندر سے کچھ کہیں۔ تقیہ کی چادر عقیدتاً آپ کے ہاں بھی جاتی ہے ہمارے ہاں نہیں۔ شیعہ کے مرکزی محدثین اور علماء جب اہل سنت اکابرین کا اہل بیت نبوی سے ذکر خیر پاتے ہیں تو ساتھ ہی لکھ دیتے ہیں {محمول علی التقیہ} یہ بات تقیہ پر محمول ہے۔ یہ جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے دلوں میں کسی کے بارے میں کوئی بوجھ نہیں ہے ہم سب کا ادب واحترام کرتے ہیں اور اسے ضروری قرار دیتے ہیں ہم نے کبھی اہل بیت نبی اور اصحاب رسول میں بُعد وفاصلہ نہیں رکھا اور نہ ہم اس کے کبھی قائل رہے ہیں جو لوگ اہل بیت نبوی کے متعلق ذرا سی بھی کج روی اختیار کریں ہم ان کو اسی طرح اپنے سے دور اور غلط سمجھتے ہیں جس طرح اصحاب رسول کو برا کہنے والوں کو صف اسلام میں سے نہیں سمجھتے۔

شیخ نصر بن منصور بن حسن نمیریؒ (۵۸۸ھ) نے کس خوبصورتی کے ساتھ اہل سنت کا موقف پیش کیا ہے اسے دیکھئے:

أُحِبُّ عَلِيًّا وَالْبَتُولَ وَوُلْدَهَا وَلَا أَجْحَدُ الشَّيْخَيْنِ فَضْلَ التَّقَدُّمِ
وَأَبْرَأُ مِمَّنْ نَالَ عُثْمَانَ بِالْأَذَى كَمَا أَتَبَرَّأُ مِنْ وَلَاءِ ابْنِ مُلْجَمِ

(الدلیل عن سب الاصحاب ص ۱۱۸ للحافظ المقدسی (۶۴۳ھ)

میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہؓ اور آپ کی اولاد سے محبت رکھتا ہوں، اور میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کی تقدیم اور فضیلت کا منکر نہیں ہوں، جن لوگوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ زیادتیوں کا ارتکاب کیا میں ان سے اسی طرح برات کا اعلان کرتا ہوں، جس طرح حضرت علی مرتضیٰؓ کے قاتل ابن ملجم سے برات کا اعلان کرتا ہوں۔

مولانا سید غلام مصطفیٰ صاحب لکھتے ہیں:

''اہل شیعہ گرچہ اپنے آپ کو محب اہل بیت کہلاتے ہیں مگر چند اماموں سے۔ اور ازواج مطہرات کو برا کہتے ہیں تو حقیقت میں یہ لوگ بھی محب اہل بیت نہ ٹھہرے کیونکہ دین میں طبعی محبت کا کچھ اعتبار نہیں کہ جس کو ہمارا دل چاہے اس کے دوست بن جائیں اور جس کو نہ چاہے اس کے دشمن بن جائیں اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض سورت قرآن شریف کو ماننا اور

بعض سے انکار کرنا ہے الحمد للہ والمنہ کہ اس حدیث پر پورا پورا عمل اہل سنت کے نصیب ہے اس لئے کہ ان کا عقیدہ اور عمل قرآن شریف کے موافق ہے اس کے ہوتے کسی چیز پر عمل نہیں کرتے اور تمام اہل بیت کی محبت اور تعظیم واجب جانتے ہیں۔"

(تحفۃ الاحباب فی مناقب الآل والاصحاب ص ۱۷)

اہل سنت والجماعت حضور ﷺ سے جس طرح عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اسی نسبت سے وہ آپ کی اولاد کو بھی اپنا محبوب سمجھتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے ان کا ادب واحترام کرتے ہیں اگر کوئی شخص عترت رسول کے متعلق اس طرح کی محبت کے جذبات اپنے اندر نہ پائے تو اسے ہم کس طرح صف اسلام میں جگہ دیں۔ مسلمان وہی ہے جو ان کی خوشی سے خوش ہو اور ان کے غم میں غمزدہ ہو جائے ان کی بے ادبی وتوہین کرنا تو کجا صرف سننا بھی اس کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے اور کبھی جان سے گزرنا بھی پڑے تو وہ اس سے دریغ نہ کرے۔ اہل سنت میں ان شہدائے اسلام کی فہرست بھی کچھ کم طویل نہیں جو تاریخ کے مختلف ادوار میں محبت اہل بیت کے الزام میں شہید کر دئے گئے تاریخ اس باب میں محدث امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی عظمت وجرات کو سلام کرتی ہے اور ان تمام حضرات کو بھی ہدیہ عقیدت پیش کرتی ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے گھر والوں (وہ ازواج مطہرات ہوں یا اولاد امجاد) کی عزت وعظمت کے تحفظ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اللہ رب العزت ان سب کو اپنی رحمت خاص سے مالا مال فرمائے۔

آخر میں ہم پھر ایک مرتبہ اس بات پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت ہوں یا آپ کے اصحاب واحباب بلکہ وہ تمام چیزیں جن کا ذرا سا بھی آنحضرت ﷺ سے تعلق ثابت ہو ان سے محبت رکھی جائے اور ہر حال میں ان کا ادب واحترام کیا جائے

اے اللہ ہماری اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرما اور اس مقدس خاندان کی محبت وعقیدت سب مسلمانوں کے دلوں میں پیدا فرما اور اسے میرے لئے میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ ومشائخ بالخصوص حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحبؒ کے لئے آخرت میں مغفرت تامہ اور بلندی درجات کا ذریعہ فرما اور ہمیں اس مقدس خاندان کا قرب نصیب

فرما.....آمین یارب العالمین!

خدا یا بحق نبی فاطمہؑ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من ودست دامان آل رسول

(نوٹ) یہاں اللہ پر حق جتانا مقصود نہیں۔ اسے علمی اصطلاح میں تشریف کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ کو اللہ کے ہاں جو شرف حاصل ہے ہم اسے اپنے لئے واسطہ بنا رہے ہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ

☆.....☆.....☆

اہل بیت کون ہیں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.. اَمَّا بَعْدُ!

اہل بیت کا معنی کیا ہے؟ اس کے لئے قرآن کریم کی سورہ احزاب کی آیت نمبر ۳۳ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝''

ترجمہ: اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں اہل بیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں اور وہی اس آیت کی حقیقی مصداق ہیں امت کے تمام مفسرین اور علماء کا اس پر اتفاق ہے ہم آگے چل کر اس پر کچھ شواہد پیش کریں گے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) کا بیان دیکھئے:

وَهٰذَا نَصٌّ فِيْ دُخُوْلِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ اَهْلِ الْبَيْتِ هَاهُنَا. لِاَنَّهُنَّ سَبَبُ نُزُوْلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَسَبَبُ النُّزُوْلِ دَاخِلٌ فِيْهِ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۹)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ) کا بیان ملاحظہ فرمایئے آپ لکھتے ہیں:

نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے وقرن فی بیوتکن میں اور آگے واذکرن ما یتلی فی بیوتکن میں ان کی طرف کی گئی اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے..... بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً ان ہی سے ہے۔ (فوائد القرآن ص ۵۶۲)

مشہور شیعہ مفسر فضل بن حسن طبرسی (۵۴۸ھ) حضرت عکرمہؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

فَقَالَ عِكْرِمَةُ أَرَادَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لِأَنَّ أَوَّلَ الْآيَةِ مُتَوَجِّهٌ إِلَيْهِنَّ

(تفسیر مجمع البیان ج ۸ ص ۱۳۶)

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی ازواج کا حقیقی مصداق ہونا اتنا پختہ تھا کہ حضرت عکرمہؓ کھلے عام اس آیت کو ازواج مطہرات کے حق میں بتلاتے تھے۔

عن علقمة، قال كان عكرمة ينادي في السوق ''إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا'' قال: نزلت في نساء النبي ﷺ خاصة (تفسیر جامع البیان ج ۲۰ ص ۲۶۷ للطبری۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۰۱)

ہماری نظر سے کوئی روایت ایسی نہیں گزری جس میں حضرت عکرمہ کی کھلے عام یہ بات سن کر کسی صحابی نے انہیں ٹوکا ہو اور کہا ہو آپ کی یہ بات غلط ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی جانتے تھے کہ قرآن کی نظر میں آیت تطہیر کی حقیقی مصداق آنحضرت سرور دوعالم ﷺ کی گھر والیاں ہیں۔

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عکرمہؓ کہتے تھے کہ اس آیت میں زواج مطہرات کے حقیقی مصداق ہونے پر میں مباہلہ کرنے پر تیار ہوں:

قال عكرمة من شاء باهلته انها نزلت في شان نساء النبي صلى الله عليه وسلم (تفسیر ابن کثیر ج ۳۔ ص ۵۰۰)

حضرت جہاں تک اولاد امجاد کی بات ہے تو احادیث آنحضرت ﷺ نے ایک

موقع پر اپنے گھر والوں کو ایک چادر میں لے کر انہیں بھی اہل بیت میں داخل کیا اس چادر میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین تھے۔

حضرت ام المؤمنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اتنے میں خادم نے بتلایا کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ آئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم پردہ میں چلی جاؤ پس میں گھر کے اندر ایک کونے میں چلی گئی پھر وہ حضرات اندر آئے ان کے ساتھ حضرت حسن اور حضرت حسین بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بچوں کو اپنے پاس بٹھالیا اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو ایک دوسرے کے قریب کرلیا آپ کے بدن پر ایک چادر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ڈال دی اور آپ نے اللہ کے حضور کہا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں میں اور میرے اہل بیت تیرے حضور آئے ہیں نہ کہ جہنم کی آگ کی طرف گئے ہیں

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ لَا إِلَى النَّارِ أَنَا وَأَهْلُ بَيْتِيْ

(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۱ مسند احمد ج ۴۴ ص ۲۱۹)

ایک اور موقع پر آپ نے ان چاروں کو چادر میں لیا اور دعا فرمائی کہ:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا (ایضاً)

اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے آلودگی کو دور فرمادے اور ان کو خوب پاک کردے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد امجاد کو بھی اہل بیت میں شامل فرمایا اور کیوں نہ فرماتے یہ آپ کی ہی بیٹی داماد اور دونواسے تھے۔

حضرت امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) اسے اس طرح بیان فرماتے ہیں

وَاخْتَلَفَتِ الْأَقْوَالُ فِي أَهْلِ الْبَيْتِ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُقَالَ هُمْ أَوْلَادُهُ وَأَزْوَاجُهُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ مِنْهُمْ وَعَلِيٌّ مِنْهُمْ لِأَنَّهُ كَانَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ بِسَبَبِ مُعَاشَرَتِهِ بِصَاحِبِ النَّبِيِّ عليه السلام وملازمته للنبي. (تفسیر کبیر ج ۲۵ ص ۱۶۸)

اہل بیت کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں ان میں بہتر قول یہ ہے کہ اہل

بیت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور آپ کی ازواج ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین بھی اس میں داخل ہیں اور حضرت علی بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ وہ بھی گھر والوں ہی میں ہیں کہ ان کا رہنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہمیشہ رہے ہیں۔

☆..... اسی طرح ان حضرات کا بھی اہل بیت میں سے ہونا حدیث سے پتہ چلتا ہے جو آپ کے قریبی خاندان کے لوگ تھے جیسے بنو ہاشم بنو عبد المطلب۔

☆..... پھر کچھ ان لوگوں نے بھی اہل بیت ہونے کی شان پائی جو گو آپ کے خاندان سے نہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں محض شفقت اور کرامت کے طور پر ان کو اہل بیت میں کہا حضرت سلمان فارسیؓ فارس کے رہنے والے تھے، آپ کا ان سے کوئی خاندانی رشتہ اور تعلق نہ تھا مگر آپ نے ان کو کس طرح یہ اعزاز بخشا اسے دیکھئے آپ نے فرمایا.....

سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْت (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۹۱)

ایک مرتبہ حضرت واثلہ بن الاسقعؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں بھی آپ کے اہل میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ تو بھی میرے اہل سے ہے۔ حضرت واثلہ کہتے ہیں کہ جس بات کی مجھے امید رہتی تھی وہ پوری ہو کر رہی۔

قَالَ وَاثِلَة وَأَنَا مِنْ أَهْلِكَ قَالَ وَأَنتَ مِنْ أَهْلِي قَالَ وَاثِلَةُ إِنَّهَا لَمِنْ أَرْجَى مَا أَرْجُو (الصواعق المحرقہ ص ۱۴۴)

ایک مرتبہ آپ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے متعلق فرمایا کہ اسامہ ہم اہل بیت میں سے ہے:

أُسَامَةُ مِنَّا آل الْبَيْت ظهر البطن (الصواعق المحرقہ ج ۲ ص ۶۵۵)

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت ہونے کی شان انہیں بھی مل گئی جن کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان پر صدقہ حرام ہے اور یہ آل علی آل جعفر آل عقیل اور آل عباس ہیں (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۹)

نہایت افسوس کی بات ہے شیعہ علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے سوائے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے باقی سب کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ ان

سب ازواج کا اہل بیت میں ہونا تو خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ان کو کس طرح اہل بیت کے مصداق سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ کچھ تو سوچیں!

مفکر اسلام حضرت الاستاذ علامہ خالد محمود صاحبؒ (۱۴۴۱ھ) علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

قاضی شوکانی نے جس لطیف پیرائے میں اس نزاع کو ختم کیا ہے وہ بڑا عام فہم ہے وہ یہ کہ اہل بیت دو درجوں میں ہے۔

(۱): اہل بیت قرآنی یہ صرف ازواج مطہرات □ ہیں اور اس اصطلاح میں مطہرات کا لفظ آیت تطہیر سے ہی چلا ہے سو یہ اہل بیت قرآنی ہوئے۔

(۲): اہل بیت حدیثی ..... ان میں حضرت علی حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت حسن اور حضرت حسینؓ چار حضرات ہیں یہ باعتبار خاندانی نسبت کے ہیں۔

ثانیاً ان میں وہ حضرات بھی ہیں جو آنحضرت ﷺ سے نسبا وصہرا کسی خاندانی نسبت میں نہ تھے آپ نے محض از راہ شفقت و کرامت انہیں اہل بیت میں شامل کیا ہے جیسے حضرت سلمان فارسیؓ۔ (تجلیات آفتاب ج ۲ ص ۷۰)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی □ (۱۰۵۲ھ) نے تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے اہل بیت کو تین عنوانوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱): اہل بیت نسب ..... یعنی خواجہ عبدالمطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں اور وہ آنحضرت ﷺ کے نسب کے اعتبار سے اہل بیت ہیں۔

(۲): اہل بیت سکنی .....یعنی آنحضرت ﷺ کی گھر والیاں جو آپ کے ساتھ اپنے گھروں میں رہتی ہیں (اور قرآن کی آیت کا حقیقی مصداق یہی ہیں)

(۳): اہل بیت ولادت .....اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی اولاد امجاد ہیں جنہوں نے آپ کے گھر میں ولادت کا شرف پایا ہے۔ (دیکھئے لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۹ ص ۶۹۲)

آپ مدارج النبوت میں لکھتے ہیں:

''وتطبیق میاں اقوال آنست کہ بیت سہ است بیت نسب و بیت سکنی و بیت ولادت پس اولاد عبدالمطلب اہل بیت نسب و ازواج مطہرات اہل بیت سکنی

واولاد کرام اہل بیت ولادت و علی اگرچہ از اولاد نیست مگر ملحق است بایشاں بواسطت فاطمہ"

اور ان اقوال میں تطبیق اس طرح ہے کہ بیت یعنی مکان تین قسم کے ہوتے ہیں مکان نسب مکان سکونت مکان ولادت پس اولاد عبدالمطلب اہل بیت نسبی ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت سکونت ہیں اور اولاد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت ولادت ہیں اور علی کرم اللہ وجہہ اگرچہ آپ کی اولاد میں نہیں ملحق باولاد و وسلیہ فاطمہؓ ہیں۔ (تحفۃ الاحباب ص ۷)

ہم اس وقت اہل بیت آل بیت عترت رسول کے موضوع پر تفصیلا بحث نہیں کر رہے ہیں اس پر علماء عظام کی مفصل مدلل تحریرات موجود ہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں وہ بڑی زیادتی کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ جب قرآن ان کو اہل بیت کا حقیقی مصداق قرار دے رہا ہے تو پھر ان کو کس طرح اہل بیت سے نکالا جا سکتا ہے؟ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے نکالنے والے کس طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوں گے وہ آپ کے سامنے ہے۔ ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اہل بیت میں داخل نہیں آپ نے فرمایا کہ آپ کی ازواج اہل بیت میں سے ہیں۔

فَقِيلَ لِزَيْدٍ وَمَنْ أَهْلُ بَيْتِهِ يَا زَيْدُ؟ أَلَيْسَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ؟ قَالَ نِسَاؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۰۲ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۸۶)

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا اہل بیت ہونا تو یقینی ہے جو اس میں شک پیدا کرے سمجھئے وہ خود مشکوک ہے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے محدث جلیل ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) سورہ احزاب کی آیت کو اپنا مستدل بناتے ہوئے لکھتے ہیں

وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ نِسَاءَ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ أَيْضًا لِأَنَّهُ مَسْبُوقٌ بِقَوْلِهِ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ وَمَلْحُوقٌ بِقَوْلِهِ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ (مرقات ج ۱۱ ص ۳۷۰)

مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی (۱۳۳۵ھ) نے اس بحث میں جو قول فیصل لکھا ہے اسے ملاحظہ کیجئے:

قول فیصل یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواج مطہرات ہی ہیں اور اس میں آپ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرمالیا اور کیوں نہیں بال بچے اور عزیز واقارب بھی گھر ہی لوگ شمار ہوتے ہیں پس اعتقاد صحیح اور محبت خالص یہی ہے کہ ازواج مطہرات اور ان پاک بازوں کو بھی اہل بیت سمجھ کر ان سب کا تہہ دل سے ادب کرے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی داخل ہیں۔ (تفسیر حقانی ج ۶ ص ۹۰)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا وہ یہ کہ حضور پرنور ﷺ نے ایک دفعہ حضرت علی حضرت فاطمہؓ اور حسنین کریمین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا:

"اللھم ھؤلاء أھل بیتی"

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں ان کو اس آیت انما یرید اللہ ..... الآیۃ کی فضیلت میں داخل کرلیا جائے (اور ان کو اس کرامت (بزرگی) میں شریک فرمالے) آپ ﷺ کا مقصد حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ان (چار) حضرات کو عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے بھی ان حضرات کے ساتھ شامل فرمالیجئے تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو ..... دوسرے حضرت علی حضرت ام سلمہؓ سے اجنبی تھے ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ کو عبا میں کیونکر داخل کیا جاسکتا تھا۔

اصل مدعا کے لئے دلیل اول لغت ہے کہ آل محمد میں ازواج اولا داخل ہیں دوسرے قرآن کا محاورہ یہی ہے حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جبکہ ملائکہ نے ان کو ولد (بیٹے) کی بشارت دی اور حضرت سارہ کو اس بشارت پر تعجب ہوا ملائکہ کی طرف سے یہ قول نقل فرمایا ہے۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ (پ ۱۲ سورہ ھود)

ظاہر ہے کہ یہاں اہل بیت میں حضرت سارہ علیہا السلام یقیناً داخل ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہے

(وعظ: النسوان فی رمضان ص ۵)

حضرت حکیم الامتؒ کے اس بیان سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی آیت تطہیر کے حقیقی مصداق تو ازواج مطہرات ہی ہیں اب جو شخص ازواج مطہرات کی عظمت کو قرآن سے نکالنا چاہے تو اس کے بارے میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ایمان بالقرآن مشکوک ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو عظمت ازواج کو عطا فرما دی ہے اسے کوئی چھین سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ اس سے پہلے یہ فرما آئے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں اور اسی طرح ذریت بھی داخل ہیں بلکہ مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج تو آل محمد میں اصالۃً داخل ہوں اور ذریت تبعاً داخل ہوں کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہوں اور ازواج داخل نہ ہوں (ایضاً ص ۵)

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں:

یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا اطلاق صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی داماد اور دونواسے ہیں نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے بلکہ ایک خاص فنکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت میں عرف عام کی حیثیت اختیار کر لی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہو گیا حالت یہ ہو گئی کہ اہل بیت کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قرآن مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں (معارف الحدیث ج ۸ ص ۲۹۴)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (۱۳۹۴ھ) نے اپنی بے نظیر تفسیر معارف القرآن میں اس پر بڑا عمدہ اور قیمتی کلام فرمایا ہے ہم یہاں حضرت شیخ التفسیرؒ کے اس تفصیلی کلام کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پرنور ﷺ کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آیت کا نزول اصالۃ اگرچہ ازواج مطہرات کی بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پرنور ﷺ کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا البتہ اہل تشیع کے نزدیک سوائے حضرت خدیجہؓ کے حضور پرنور ﷺ کی کوئی بی بی اہل بیت میں داخل نہیں اور حضور ﷺ کی اولاد میں سے سوائے حضرت فاطمہؓ کے کوئی صاحبزادی اہل بیت کے مفہوم میں داخل نہیں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ کا آپ کی صاحبزادی ہونا حدیث اور تاریخ اور اجماع سے ثابت ہے مگر شیعہ لوگ ان کو حضور ﷺ کی صاحبزادی نہیں سمجھتے اور ان کو حضور ﷺ کے نسب سے ہی خارج سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں۔ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ... میں "بَنَاتِكَ" صیغہ جمع ہے جس کا ادنیٰ درجہ تین ہیں جیسا کہ ازواج صیغہ جمع کا ہے اور آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی متعدد بیویاں تھیں مگر شیعہ سوائے حضرت خدیجہؓ کے کسی اور زوجہ کے قائل نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی جن آیتوں میں نساء النبی اور لازواجك اور وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ آیا ہے جن میں صراحتاً لفظ نساء اور لفظ ازواج موجود ہے اور صیغہ جمع ہے اور صراحۃ ازواج کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

پس یہ تمام آیتیں مدنی ہیں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے عرصہ بعد نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ ان آیات میں ازواج سے حضرت خدیجہؓ کے سوا اور دوسری بیبیاں مراد ہیں اور اہل تشیع یہ نہیں دیکھتے کہ اس تمام رکوع میں اول تا آخر تمام خطابات خداوندی ازواج

مطہرات ہی کو ہیں اور اس رکوع میں صرف ایک مرتبہ لفظ اہل البیت آیا ہے باقی دوسری جگہ بیوت کی نسبت بھی ازواج مطہرات ہی کی طرف کی گئی ہے۔ فی بیوتکن میں بیوت اور وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ میں بھی بیوت صیغہ جمع کا ہے اور کن بھی ضمیر جمع کی ہے معلوم ہوا کہ اصل اہل بیت اور نبی کے اہل خانہ آپ کی بیبیاں ہیں۔ قرآن کریم میں جابجا بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ ...وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا مگر نہ معلوم شیعہ کی آنکھوں پر کیا پٹی بندھی کہ باوجود ان صریح آیتوں کے ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج سمجھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ (پ۶، المائدہ ۴۱)

ترجمہ: ''یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دل پاک کرے۔''

ابتداء کلام میں ہم نے آیت تطہیر کے متعلق شیعہ کی دو باتیں ذکر کی تھیں پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین کے بارہ میں نازل ہوئی اور لفظ اہل بیت سے صرف یہی چار حضرات مراد ہیں اور ازواج مطہرات مراد نہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ شیعوں کی اس بات کا مفصل جواب دے دیا گیا۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۴۹۹)

اس تفصیل سے ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے نکالتے ہیں وہ بڑی زیادتی کے مرتکب ہیں ان کے اس بیان سے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء اور دکھ نہیں ہوگا کہ آپ کی گھر والیوں کو آپ کی گھر والیاں نہ کہا جائے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھی کرنا کسی مسلمان کا کام کیسے ہوسکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہو آپ کی تمام ازواج مطہرات ہوں آپ کی اولاد امجاد ہوں اور آپ کے عزیز و اقارب ہوں سب سے محبت رکھنا ان سب کا ادب واحترام کرنا ان کے بارے میں اچھے کلمات کہنا اور ان سب کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے ان کے لئے دعا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اس میں کوتاہی یقیناً آخرت کا خسارہ ہے اور ان کے خلاف لب کشائی کرنا ایسا جرم ہے جس کی سزا بہر حال مل کر رہے گی۔

محمد اقبال رنگونی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامِ اہلِ بیت کرامؓ

افاضات: مفکر اسلام حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحبؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی..... اَمَّا بَعْدُ!

اہل بیت رسالت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے

صحیح العقائد مسلمانوں میں جس طرح صحابہ کرامؓ کے ایمان اور خلفاء راشدین کی عظمت کا اعتقاد ضروریات مسلک میں سے ہے، اسی طرح جو اہل بیت کرامؓ کی شان میں گستاخی کرے وہ بھی اہل سنت کے دائرہ حقہ میں شمار کے لائق نہیں رہتا۔ اہل بیتِ رسالت میں جس طرح بہ نص قرآن امہات المؤمنینؓ ہیں، اسی طرح آپ کی بیٹیاں اور ان کی اولاد بھی اہل بیت رسالت میں سے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰؓ بھی بہ نص حدیث اہل بیت میں سے ہیں، گو آپ کی ساری اولاد یہ شرف نہ رکھتی ہو، حضرت حسن اور حضرت حسینؓ اپنے نانا کی نسبت سے اہل بیت رسالت میں سے ہیں، اپنے والد کی نسبت سے نہیں، اور نہ ان کے والد (حضرت علیؓ) کی ساری اولاد اس شرف سے مشرف ہوئی ہے۔ حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے لئے والدہ کی نسبت والد کی نسبت سے کہیں زیادہ اعزاز رکھتی ہے۔

اہل بیت کی محبت، محبتِ رسالت کی ایک کڑی ہے

انسان کو جو سکون و آرام اپنے گھر میں ملتا ہے وہ گرد و پیش کی کسی جگہ پر نہیں۔ یہاں انگلینڈ میں کسی کو اپنے سکون اور آرام کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں Quite at home میں بالکل اپنے گھر میں ہوں۔ یہاں گھر سے مراد گھر نہیں ہوتا، گھر کا سکون مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو گھر والی دی اس کا مقصدِ وجود بتلایا "لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا" (آدم اس کے ہاں سکون پائے) اسی طرح گھر کے بچے ہیں وہ انسان کے جگر کے ٹکڑے سمجھے جاتے ہیں، ان کی محبت ان کے کردار کے میزان پر نہیں تولی جاتی، خونی رشتے میں ایک اپنی حرارت موجود ہوتی ہے۔ کنعان کا عمل حضرت نوح علیہ السلام سے پوشیدہ نہ تھا، مگر پھر بھی پکار اٹھے:

"رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝"

(پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۴۵)

ترجمہ: اے رب! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

آگے حکم الٰہی ایسا ہوا ہے جس کے آگے ہر چیز قربان ہو جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو بھی قربانی کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ کس لئے؟ یہ اس لئے کہ انسان کے لئے اس دنیا میں سب سے بڑی قربانی کا اور کوئی تصور نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نوع انسانی میں سے تھے اور آپ کے سینہ میں بھی اپنی اولاد کے لئے ایک انسان کا دل تھا۔ ہمارے احساسات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں جو ہوں گے ان کا عکس قلب رسالت پر بھی پڑے گا۔ کاش آپ کبھی اس پہلو سے بھی اہل بیت کی محبت کا احساس کرتے اور اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اہل بیت رسالت کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ہی ایک دلآویز نقش ہے۔ جو ہر مومن کے دل پر لگا ہونا چاہئے۔

مؤمن کا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تعلق کیسا ہے؟

مومنوں کا حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تصدیق رسالت کا تعلق نہیں، آپ قرآن کے رو سے مومنوں پر اتنا حق رکھتے ہیں کہ اتنا مومنوں کو خود بھی اپنے اوپر حق نہیں ہے۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (پارہ ۲۱، سورہ الاحزاب، آیت ۶)

آپ ہر مومن کے لئے اس کے بیٹے، والد اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ کی اس محبوبیت کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جس سے بھی محبت ہو مومنین ان سب کو دل و جان سے پیار دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس جس چیز سے نفرت ہو مومنین بھی اس سے دل سے نفرت کریں۔

اس اصول پر لازم ٹھہرتا ہے کہ مومنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے گھرانے سے عقیدت اور محبت کا وہ تعلق ہو جس کے آگے اور کوئی عقیدت اور محبت ٹھہر نہ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، ان سے ماں کی عقیدت ہو، اور آپ کی اولاد سے

اپنی اولاد سے بڑھ کے محبت اور پیار ہو، اور یہ محبت ان کے کردار اور اعمال کے ترازو میں نہ تولی جائے اسے رشتہ رسالت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دل میں ان کے لئے کیا مقام رکھتے تھے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل بیت رسالت کا اپنا عمل و کردار بھی وہ شان رکھتا ہے کہ اس آئینہ میں کوئی ایسا دوسرا آئے نہ۔ تاہم ان کے اعمال اور قربانیاں دوسرے درجہ میں رہیں گی۔ اول درجہ میں ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کی نسبت ہے۔

اہل بیت کے بارے میں خود نبوت کے جذبات

لوگ عام طور پر جذبات کو حقائق اور سنجیدگی کے مقابل رکھتے ہیں مگر نبوت کے جذبات پر بھی خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے۔ اور نبی سے جذبات میں بھی کوئی بات خلاف حق صادر نہیں ہوتی۔ اب دیکھئے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے بارے میں کن جذبات میں بولتے سنائی دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی جذبات کے آئینہ میں اہل بیت کی قدر کرنا چاہئے۔ ان سے محبت رکھنی چاہئے۔ یہ ہیں جذبات ہی مگر یہ حقیقت بھی ہیں۔ پیغمبر کے جذبات کبھی حقائق کے خلاف نہیں ہوتے۔ پھر چاہئے کہ اہل بیت کرام کو، وہ آپ کی بیویاں ہوں یا آپ کی اولاد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کی تہوں میں دیکھیں۔

1 : ایک دفعہ منافقوں کی سازش سے ام المومنین ؓ پر ایک الزام آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خود فیصلہ صادر نہ فرمایا، اللہ کے فیصلے کا انتظار کیا۔ تاہم بے ساختہ یہ بات آپ کی زبان سے نکل گئی۔ فرمایا: مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا

(رواہ البخاری جلد ۲، صفحہ ۵۹۵)

ترجمہ: میں نے تو اپنے گھر والوں میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

بات کہنی نہ تھی مگر کہہ گئے اور ''عَلَيْهَا'' وغیرہ الفاظ نہ کہے۔ ان کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے بات کہی (عَلَى أَهْلِي)۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں آپ کے جذبات بول پڑے۔ یہ ام المومنین کی عمومی اخلاقی بلندی تھی جس کی آپ نے شہادت دی، اور پھر اللہ رب العزت کا فیصلہ بھی انہی کے حق میں نازل ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ام المومنین ؓ کے بارے میں یہ جذبات تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح ثرید کا کھانوں میں ایک اپنا امتیاز ہے عائشہ کو دوسری عورتوں پر ایک اسی درجہ کی فضیلت ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عائشہ کو یا ''حمیرا'' کہہ کر آواز دیتے ہوں گے تو اس لفظ اور لہجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپؓ کے لئے کتنی خیر خواہی سمائی ہوگی۔ پھر ساتھ ہی یہ سوچیں کہ اگر کوئی ناہنجار آپ کے لئے لعن طعن کی زبان استعمال کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر اس سے کیا گزرتی ہوگی۔ پاک مردوں کے لئے پاک بیویاں اسلام کا طرہ امتیاز ہے:

''وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ'' (سورہ النور، آیت ۲۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو لیجئے

2: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بڑی بیٹی زینبؓ کے بارے میں فرمایا:

خَيْرُ بَنَاتِيْ أُصِيْبَتْ فِيَّ (مجمع الزوائد جلد ۹، صفحہ ۱۵۱)

ترجمہ: میری بیٹیوں میں یہ خیر البنات ہے جس نے میری وجہ سے مصیبتیں اٹھائیں۔

حضرت زینبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مشکلات دیکھیں اور اسلام کی خاطر جو صدمے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت خدیجہ کبریٰؓ اور آپ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ آپ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور ناطے آپ پر مشکلات کے جو پہاڑ ٹوٹے وہ آپ ہی جانتی ہیں۔ انہی ساعات کے تصور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ''خَيْرُ بَنَاتِيْ'' کے پیارے الفاظ میں ذکر کیا۔ آپ کے بیٹے حضرت علی بن ابی العاصؓ کس پیار سے آپ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر لپٹے ہوئے تھے اور صحابہ کرامؓ اس دن کن نظروں سے ردیف رسول کو ناقہ رسول پر دیکھ رہے تھے۔ ذرا تصور کی دنیا میں اتریئے اور ان تمام افراد کے لئے دل میں محبت رکھئے جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جذبات کی حد تک محبت تھی (۱)۔

(۱) (حضرت زینب کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھانجے حضرت ابو العاص لقیط بن ربیع کے ساتھ ہوئی تھی شیعہ عالم ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور کہا کہ انہوں نے داماد ہونے بہت اچھا حق ادا کیا ہے۔ (بحار الانوار ج ۱۹ ص ۳)

3: حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي يُؤْذِينِي مَا آذَاهَا"

(فضائل الصحابہ ج ۲، ص ۷۵۶، صحیح مسلم۔ رقم الحدیث: ۶۴۶۱)

ترجمہ: فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے دکھ دے وہ مجھے دکھ دیتی ہے۔

کسے نہیں پتہ کہ اولاد ماں باپ کا جگر گوشہ ہوتی ہے۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں یہ آپ کے جذبہ محبت کا اظہار ہے۔ پھر آپ نے یہاں تک کہ جو اسے ایذاء دے اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی وہ خدا کی ناراضگی پا رہا ہے۔

فَإِنَّمَا ابْنَتِي بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا

(سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث: ۲۰۷۳۔ ۲۰۷۳ حلیۃ الاولیاء ج ۲، ص ۴۰)

اور ایک روایت میں ہے:

مَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ (فضائل الصحابہ ج ۲، ص ۴۷)

جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

حضرت علیؓ کی نیت حضرت فاطمہؓ کو ناراض کرنے کی نہ تھی

حضرت علی مرتضیٰؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے اپنا عقد کرنا چاہا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کو اس خبر سے اذیت پہنچی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کہہ دیا کہ اللہ کے نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس پر حضرت علیؓ اپنے اس پروگرام سے رک گئے۔ سو حضرت علی مرتضیٰ اس وعید کی زد میں نہیں آئے کہ جس نے فاطمہؓ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ کیوں کہ ایذاء اس اذیت دینے کو کہتے ہیں جس میں قصدِ فعل اذیت دینا ہو۔ لیکن اگر کسی کا قصد اسے اذیت دینا نہ ہو لیکن اس کے کسی عمل سے اسے بلا ارادہ اذیت پہنچے تو اسے ایذاء دینا نہ کہا جا سکے گا۔ حضرت علیؓ کی نیت ابوجہل کی بیٹی سے نکاح میں اذیت فاطمہؓ نہ تھی۔ ایک اپنی ضرورت پوری کرنی پیش نظر تھی۔

اگر اس سے فاطمہؓ کو اذیت پہنچی تو یہ حضرت علیؓ کے قصد سے نہ ہوئی، نہ وہ حضرت سیدہ کو کوئی اذیت پہنچانا چاہتے تھے۔ پس حضرت علیؓ پر اس حدیث کی رو سے کوئی

اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ تاہم اس ارشاد نبوت سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی بیٹی کے بارے میں جذبات عاطفت کتنے لطیف تھے[1]۔

یہی احساس تھا جس کے باعث حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ سے جب انہوں نے آپ کے پاس فدک کی زمین لینے کے لئے کسی کو بھیجا تو یہ زبان استعمال کی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے:

فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي (صحیح بخاری ج ۱، ص ۵۲۶۔ رقم الحدیث: ۳۷۱۱)

ترجمہ: اور ابوبکر بولے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہاں اگر علی ضرور ہی نکاح کرنا چاہیں تو وہ پہلے میری بیٹی کو طلاق دیں پھر ان سے نکاح کرلیں۔ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے بری لگے گی وہ مجھے بھی بری لگتی ہے اور جو بات اسے تکلیف دے اس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں مَنْ أَغْضَبَهَا فَقَدْ أَغْضَبَنِي کہ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ ان واقعات سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سیدہؓ کئی دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے ناراض ہوئیں لیکن اس سے علیؓ کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ حدیث میں جس بات پر وعید آئی ہے وہ ''غضب'' یعنی مطلق ناراض ہونا نہیں بلکہ ''إغضاب'' ہے جس کے معنی قصداً (ارادۃً) دوسرے کو ناراض کرنا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت سیدہؓ ناراض ہوئیں لیکن یہ ہرگز صحیح نہیں کہ حضرت علیؓ نے انہیں ناراض کیا یعنی فعل إغضاب حضرت علی سے ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس میں قصداً ایذاء ضروری ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایسا قصد ہرگز نہ تھا۔

ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار ج ۱۰ ص ۴۵ پر ایسے کئی واقعات نقل کئے ہیں جن میں حضرت فاطمۃ الزہراء نے حضرت علیؓ کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شکایتیں کیں لیکن ایسے واقعات سب کے سب محض ہنگامی اور وقتی قسم کے تھے جن میں فریقین میں سے کسی فریق کے فساد نیت کا کوئی احتمال نہیں۔ (مرعاۃ ج ۱ ص ۲۵۰)

نوٹ: پیش نظر رہے کہ حضرت علیؓ کے اس نکاح کے ارادے کا ذکر شیعہ عالم شیخ صدوق (۳۸۱ھ) نے امالی ص ۶۴ پر، ملا باقر مجلسی (۱۱۱۱ھ) نے جلاء العیون ج ۱ ص ۲۲۷ پر بھی کیا ہے۔ (محمد اقبال)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کو کسی پیرائے میں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ آپ ان الفاظ کی نزاکت پر غور کریں، آپ کس طرح حضرت فاطمہؓ کے دل کو تسلی دے رہے ہیں۔ اگر حضرت فاطمہؓ کی طبیعت پر فدک کا سوال کرنے میں کوئی بشری بوجھ آیا ہو تو کیا وہ اس بیان سے نہ اٹھ گیا ہوگا؟ پھر کیا اس بات کو بھلایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ حضرت سیدہؓ کے ایام علالت میں آخر دم تک آپ کی عیادت میں موجود رہیں۔ اگر حضرت ابوبکرؓ حضرت سیدہ کو راضی نہ کر چکے ہوتے تو کیا وہ اپنی اہلیہ کو ان کے پاس خدمت اور عیادت کے لئے بھیج سکتے تھے اور حضرت اسماءؓ کی پرہیزگاری اور تقویٰ اس بات کو بھی جائز نہیں کرتے کہ وہ بغیر آپ کی اجازت کے ان کے گھر آ بیٹھی ہوں (الجوہر النقی) پھر حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو فدک کی زمین کے بارے میں جو کچھ کہا وہ اپنے فیصلے کی رو سے نہ تھا خود ارشاد نبوت کی وجہ سے تھا۔ آپ نے درست کہا تھا کہ میں وراثت کے قانون میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں لا سکتا۔ حضرت خود فرما گئے ہیں کہ انبیاء کے مال میں وراثت نہیں چلتی۔ سو اس ناراضگی میں حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے انہیں ناراض کرنا ہرگز نہ تھا۔ جس طرح حضرت علیؓ کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ حضرت فاطمہؓ کو ناراض کرنے کے لئے نہ تھا۔ گو آپ نے اس پر اپنی ناراضگی ظاہر کی تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ تَرَضَّاهَا حَتّٰى رَضِيَتْ. وَهٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ. وَالظَّاهِرُ أَنَّ عَامِرًا الشَّعْبِيَّ سَمِعَهُ مِنْ عَلِيٍّ أَوْ مِمَّنْ سَمِعَهُ مِنْ عَلِيٍّ وَقَدِ اعْتَرَفَ عَلِيٌّ وَأَهْلُ الْبَيْتِ بِصِحَّةِ مَا حَكَمَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ فِي ذٰلِكَ (البدایہ والنہایہ جلد ۵، ص ۲۸۹)

ترجمہ: پھر آپ نے (حضرت ابوبکرؓ نے) آپ کو راضی کرنا چاہا اور آپ راضی ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ عامر شعبی نے اسے حضرت علیؓ سے سنا ہوگا یا اسی سے جس نے اسے حضرت علیؓ سے سنا یعنی اہل بیت نے اس فیصلے کی صحت کو تسلیم کیا ہے جو ابوبکرؓ نے دیا۔

اصولاً کسی کا کسی سے اظہار ناراضگی اور بات ہے اور دوسرے سے فعل اغضاب (ناراض کرنا) ہوا یا نہیں یہ اور بات ہے۔ جو غصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام پر تھا وہ اپنی جگہ تھا، لیکن حضرت ہارون علیہ السلام عمل اغضاب کے مرتکب ہوئے

ہوں یہ اور بات ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو ناراض کرنے کا قصد نہ حضرت علیؓ کا تھا نہ حضرت ابوبکرؓ کا۔ حضرت سیدہ اگر کسی سے کسی وقت ناراض ہوئی ہوں تو جب تک دوسرے کا اضطراب ثابت نہ ہو جائے اسے اس کا ذمہ دار نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہؓ کو اپنے جگر کا ٹکڑا کہنا اظہار محبت کا ایک جذباتی پیرایہ ہے، ورنہ کسے معلوم نہیں کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں؟ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے محبت جذبات کی حد تک تھی۔ لیکن یہ بات ہم کیسے مان لیں کہ نبوت کے جذبات کبھی اعتدال سے تجاوز کرتے تھے استغفر اللہ العظیم کبھی نہیں۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے بھی سچائی کی راہ یہی ہے کہ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت جذبات کی حد تک ہو۔ اگر کوئی مسلمان عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محبت کا پیرایہ نہیں رکھتا وہ حلقہ رسالت کے مقربین میں سے نہیں ہو سکتا۔ اہل بیت رسالت سے محبت کا تعلق جذبات کی حد تک ہونا چاہئے۔ مسلمان انہی کی خوشی میں خوش ہوں اور ان کی غمی میں غمزدہ اور اشک فشاں ہوں، اور ان کی بے ادبی اور گستاخی اسی طرح نامنظور ہو جس طرح کسی کو آگ میں جانا قابل قبول نہیں ہوتا۔

حضرت فاطمہؓ کی خوشی میں اپنی خوشی کی تلاش

حضرت فاطمہؓ کو اپنے آخری دنوں میں اس بات کی فکر تھی کی کسی دوسرے کی نظر آپ کے جنازے پر نہ اٹھے۔ چارپائی پر رکھا بدن ہر جہت سے پردہ میں رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیوی اسماءؓ آپ کی تیمارداری میں حاضر تھیں اور یہ دور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا تھا۔ حضرت اسماءؓ نے حضرت فاطمہؓ کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ لوگ عورتوں کے جنازے پر ایک پردہ سا ڈال دیتے ہیں اور اس سے باہر کی نظریں بدن میت کی حد کو پا نہیں سکتیں۔ اس پر حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے چہرے پر خوشی کے آثار اترے۔ یہ آخری مسرت تھی جو حضرت سیدہؓ کے چہرے پر دیکھی گئی۔ حضرت اسماءؓ کا اس پیرائے میں اس واقعہ کو نقل کرنا بتلاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں کو کس طرح حضرت فاطمہؓ کی خوشی مطلوب تھی۔

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ امت کی آغوشِ محبت میں

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اَرْقُبُوْا مُحَمَّدًا ﷺ فِی اَھْلِ بَیْتِہٖ''

(صحیح بخاری ج:۱، صفحہ ۵۲۶۹۔ رقم الحدیث: ۳۷۱۳)

ترجمہ: حضور ﷺ کا آپ کے اہل بیت کے حق میں پورا دھیان رکھنا۔

یعنی آپ کے اہل قرابت کی جو بات بھی سامنے آئے اس میں وہی رائے اختیار کرنا جو حضور ﷺ کے تعلق میں ایک امتی کی ہونی چاہئے۔

اس روایت کے راوی کون ہیں؟

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ۔

بیان کرنے والے کون؟

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نقل کرنے والے کون؟

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ

معلوم ہوا ان تینوں کا دل حضور ﷺ کے اہل بیت کی محبت سے معمور رہا ہے۔ اور وہ حضور ﷺ کے اہل قرابت کو حضور ﷺ کی محبت کے آئینہ میں ہی دیکھ رہے ہیں۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں جس طرح صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں باب بندھے ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی قرابت، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے مناقب کے باب باندھے گئے ہیں۔

حضرت عقبہ بن حارث کہتے ہیں:

رَأَیْتُ اَبَابَکْرٍ رضی اللہ عنہ وَحَمَلَ الْحَسَنَ وَھُوَ یَقُوْلُ: بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ لَیْسَ شَبِیْہٌ بِعَلِیٍّ وَعَلِیٌّ یَضْحَکُ

(صحیح بخاری ج۱، صفحہ ۵۳۰۔ رقم الحدیث: ۳۷۵۰)

ترجمہ: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا تھا اور آپ کہہ رہے تھے میرے والد قربان ہوں، یہ نبی ﷺ کی شبیہ ہے، علی کی شبیہ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے سن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کس طرح حضور ﷺ کے قدم بقدم چلتے تھے۔ اگر حضور ﷺ نے حضرت حسنؓ کو گود میں لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی آپ کو گود میں اٹھایا اور حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کی اہل بیت سے یہ محبت دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں محبت کا تعلق تھا عداوت کا نہیں۔

ایک سوال: عبداللہ بن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایت سانحہ کربلا سے پہلے کی ہے۔ یزید اور حسینؓ کے معرکے میں حضرت عبداللہؓ یزید کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ بے شک اہل بیت رسالت سے محبت کے رشتے میں رہے، لیکن عبداللہ بن عمرؓ یزید کی بیعت کر چکے تھے۔ وہ حضرت امام حسینؓ کے تو خیر خواہ نہ رہے تھے۔

الجواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کی بیعت غیر مشروط نہ کی تھی، اس شرط کے ساتھ کی تھی کہ ان کی جو بیعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے ہو چکی ہے، وہ قائم رہے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یزید کی حکومت انہیں اگر کوئی حکم دے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو وہ ہرگز نہ مانیں گے۔

اسے مشروط بیعت کہتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں: ''وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ'' (صحیح بخاری جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۳، رقم الحدیث: ۷۱۱۱)

ترجمہ: ہم نے اس شخص کی بیعت کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کو قائم رکھتے ہوئے۔

یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ کس درجے کی بیعت تھی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ کی خیر خواہی کے جذبات حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ تھے درست نہیں۔ نیک کام میں تعاون اور غلط کام میں عدم تعاون یہ خود قرآن کریم کی تعلیم ہے: ''وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' (المائدہ) معلوم ہوا ایک شخص سے دونوں رابطے رکھے جا سکتے ہیں۔ سو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے جذبات سانحہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے ساتھ خیر خواہی کے نہ تھے، یہ ہرگز درست نہیں۔ آپ سے کسی شخص نے مسئلہ پوچھا کہ احرام کی حالت میں مکھی مار دینا کیسا ہے؟ وہ مسئلہ پوچھنے والا عراق کا تھا۔ اب آپ کا جواب سنیں، آپ نے فرمایا:

أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُونَ عَنِ الذُّبَابِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ ابْنَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا

(صحیح بخاری جلد ۱، صفحہ ۵۳۰۔ رقم الحدیث: ۳۷۵۳)

ترجمہ: عراق کے لوگ مجھ سے مکھی مارنے کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں اور انہوں نے نواسۂ رسول ﷺ کو قتل کیا ہے اور حضور ﷺ فرما گئے تھے حسن اور حسین ؓ میری دنیا کے پھول ہیں۔

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ کے خیر خواہی کے جذبات حضرت حسین ؓ کے ساتھ تھے۔ رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے اس سانحہ کربلا کا بوجھ اہل عراق پر ڈالا ہے اہل شام پر نہیں، ہم اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ حضور ﷺ خود فرما گئے کہ والی سلطنت اللہ کے ہاں اپنی پوری رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۸۹۳)

حضرت امام حسن اور حسین ؓ آغوش رسالت میں

آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنے بیٹے فرمایا۔ حضرت حسن ؓ کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۰۴)

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے۔

حضور ﷺ نے آپ کو اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا اور فرما رہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے پیار فرما۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ (رواہ بخاری جلد ۱، صفحہ ۵۴۰، رقم الحدیث: ۳۷۴۹)

اور صحیح مسلم میں ہے:

اللهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ

(صحیح مسلم ص ۲۸۲، مسند احمد ص ۵۱، ج ۳۔ رقم الحدیث: ۲۴۲۱)

ترجمہ: اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور تو بھی اس سے محبت فرما اور ہر اس شخص سے جو اسے دوست رکھے۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِنَا قَالَ فَتُلُقِّيَ بِي وَبِالْحَسَنِ أَوْ بِالْحُسَيْنِ قَالَ: فَحَمَلَ أَحَدَنَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَالْآخَرَ خَلْفَهُ حَتَّى دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ

(صحیح مسلم جلد ۲، صفحہ ۲۸۳، رقم الحدیث: ۲۴۲۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ جب کسی سفر سے واپس لوٹتے تو ہمیں اٹھا لیتے۔ مجھے اٹھاتے اور حسن کو یا حسین کو، ہم میں سے ایک کو آگے اٹھاتے اور دوسرے کو پیچھے، یہاں تک کہ ہم مدینہ آجاتے۔

یہ عبداللہ حضرت علیؓ کے بھائی جعفر کے بیٹے ہیں۔ حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کے پوتے اور حضرت حسن کے چچازاد بھائی۔ ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کو آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا۔ اور ان سے حضور ﷺ کو اتنا پیار تھا کہ دونوں کبھی اللہ تعالیٰ کے کسی نافرمانی کے مرتکب نہیں سمجھے جاسکتے۔ حضور ﷺ جنہیں اپنے باغ رسالت کے پھول فرمائیں ان کے بارے میں کوئی بدگمانی مومنین کو زیب نہیں دیتی۔

مومنین کی عترت رسول ﷺ سے وسیع عقیدت

آنحضرت ﷺ کی اولاد دنیا میں دنیا کے آخر تک رہے گی۔ آپ کو "ابتر" ہونے کا طعنہ دینے والے خود اپنی آگ میں جل کر رہ گئے اور حضور ﷺ کی اولاد اس کثرت سے پائی گئی کہ دنیا کا آخری اسلامی سربراہ آپ کی اولاد سے ہی ہوگا۔

اہل بیت سے محبت کا رشتہ ان کی اطاعت کو مستلزم نہیں

جب آپ کی اولاد دنیا میں دنیا کے آخر تک رہے گی تو ممکن ہے کہ مومنین پر آپ کی ساری عترت کی پیروی فرض ہو۔ دین تو مکمل ہو چکا ہے اور کتاب وسنت اس کی ہیڈ لائٹس Head lights ہیں اور مومن یہاں انہی دو ستونوں کو قائم رکھنے کے مکلف ہیں اور انہیں انہی دو چراغوں کی روشنی میں آگے بڑھنے کا حکم ہے۔ سو مسلمانوں کا عترت رسول ﷺ

سے تعلق ان کی بیروی کا نہیں ان کی محبت اور ولاء کا ہے جو سب عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محیط ہے۔ وہ اول دور کے ہوں یا آخر دور کے۔

عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی برے سے برے کو بھی دیکھو تو اسے برا نہ کہو۔ سونے پر کچھ گندگی لگ گئی ہو تو ظاہر ہے اس صورت میں سونے کو دھویا جاتا ہے پھینکا نہیں جاتا۔ یہی صورت بزرگان دین کی اولاد کی ہے۔ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی نسبت سے ان کی محبت آپ کے دل سے اترنی نہ چاہئے۔ کیا آپ کے اپنے بچوں کی محبت ان کے کسی غلط کام کے باعث آپ کے دلوں سے ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں۔ اسے اپنے جذبات کے آئینہ میں دیکھئے اور پھر عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غلط راہ چلنے والوں سے تعلقات کی نوعیت طے کیجئے۔

شیعوں کی عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کی نوعیت

شیعوں کے ہاں بھی کل عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاتباع نہیں۔ وہ عترت رسول میں گیارہ ائمہ کے سواء کسی کو گناہوں سے بالا اور امام مفترض الطاعت نہیں مانتے۔ وہ حضرت علیؓ کو ساتھ شامل کر کے انہیں اپنے بارہ امام کہتے ہیں اور بارہ کی اسی نسبت سے اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ ان کا مشہور محقق محمد اسحٰق "منہج الفاضلین" میں لکھتا ہے:

دلیل نہم روایت کردہ حسن بن یعقوب باسناد مذکور از سلمان فارسی و عمار بن یاسر و ابوذر و غیرہم کہ گفتہ کہ شنیدم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود:

انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهل بیتی فتمسکوا بهما کی لا تضلوا ان اللطیف الخبیر اخبرنی وعهدة الی انهما لن یتفرقا حتیٰ یردا علی الحوض فقام عمر بن الخطاب وهو شبه المغضب فقال یا رسول اللہ نتمسك بکل اهل بیتك فقال لا و لکن اوصائی وخلفائی وائمة المسلمین من بعدی اولهم اخی وزیری و وارثی و امام المسلمین و خلیفتی فی امتی۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی، عمار بن یاسر اور ابوذرؓ (□) سے ہم نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑ رہا ہوں: کتاب اللہ اور اپنی عترت

اپنے گھر کے لوگ۔ تم ان دونوں سے تمسک کرنا تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ بے شک اللہ نے جو لطیف وخبیر ہے مجھے اس کی اطلاع دی ہے اور مجھے عہد دیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آملیں۔ اس پر حضرت عمرؓ اٹھے اور وہ غصے سے بھرے معلوم ہوتے تھے، انھوں نے کہا آپ کے اہل بیت میں سے کیا ہم ہر ایک سے تمسک کریں (اس کی پیروی کریں) آپ نے فرمایا نہیں۔ تمسک صرف میرے وصیت یافتہ افراد سے کیا جائے۔ میرے جان نشینوں سے اور ان سے جو میرے بعد ائمہ مسلمین ہوں ان میں پہلا میرا بھائی ہے، میرا وزیر، میرا وارث اور مسلمانوں کا امام ہے وہ میری امت میں میرا خلیفہ ہے۔

یہ روایت اہل سنت کے ہاں نہیں پائی جاتی۔ تاہم اس سے یہ ضرور ثابت ہوا کہ شیعہ کے ہاں مطلق اہل بیت پیشوا نہیں ہیں۔ صرف وہ ہیں جن کے حق میں وصیت تمسک کے لئے ہو۔ صرف اہل بیت ہونا کافی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا احساس ہے جو مومن کے دل میں ہر فرد اہل بیت کے لئے قائم رکھا جا سکتا ہے؟ وہ ان کی نسبت اور عزت کا احساس ہے جو ہر مومن اپنے دل میں پوری ذریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں محسوس رکھ سکے! شیعہ کے ہاں اہل بیت ہونے کا معیار عترت ہونا نہیں اس کے بارے میں وصیت کا ہونا ہے۔ سو فضیلت عترت ہونے کے پیش نظر نہیں وصیت ہونے کے پیش نظر ہے۔ اس کی تائید اثنا عشریوں کے عالم شریف مرتضیٰ سے بھی ہوتی ہے:

ان اهل البيت لكل نبى اوصيائه وعلى هذا يمكن ان يقول دخول فاطمة فى اهل بيته باعتبار انها وسيلة لسائر اهل البيت كما مر فى توضيح آية سورة الاحزاب.....ويمكن ان لا يكون داخلة فى اهل بيت

ترجمہ: ہر نبی کے اہل بیت صرف وہی ہیں جو اس کے اوصیاء ہوں۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بایں طور اہل بیت میں داخل ہوں کہ آپ سب اہل بیت کے لئے دنیا میں سبب ٹھہری ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ سرے سے اہل بیت میں داخل ہی نہ ہوں۔

اس روایت کی روشنی میں اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ شیعہ کے ہاں عترت رسول سے عقیدت صرف وصیت کی رو سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے پہلو سے

نہیں، نہ یہ نسبت اور ولایت کے پہلو سے ہے۔ حالانکہ اسی پہلو سے عترت رسول کے ہر فرد سے نسبت عقیدت قائم رکھی جاسکتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حدیث ثقلین میں دو وزنی چیزیں وہی مراد لی جاسکیں گی جن میں سے کسی چیز کو کم وزن نہ کرنا پڑے۔ تاکہ اس کے وزن میں فرق نہ آئے۔ اگر ایک چیز اہل بیت مراد لی جائے تو پھر اسے بارہ میں محدود کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ سب کے سب لائق تمسک نہ رہے۔ قرآن بھی وزنی چیز تبھی ٹھہرتا ہے کہ اس میں سے بھی کوئی حصہ کم نہ ہونے پائے۔ پورے کے پورے قرآن پر ایمان ہو۔

اور اگر ثقلین سے مراد کتاب اللہ اور اہل بیت ہی ہیں تو پھر ان دو سے تمسک اطاعت اور تعمیل کے پیرایہ میں نہیں ہوگا۔ محبت اور ولایت کے معنی میں ہوگا۔ کیونکہ یہ ربط و تعلق تو عترت کے ہر فرد سے رکھا جاسکتا ہے۔ انہیں بارہ میں محدود کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ جو بھی سادات ملیں آپ ان سے محبت اور ولایت رکھ سکیں گے۔ اہل بیت کو کم کرنے کی سوچ جیسا کہ شریف مرتضیٰ کی رائے ہے درست معلوم نہیں ہوتی اور واجب الاطاعت حضور ﷺ کے بعد واقعی کوئی نہ ہونا چاہئے۔ راشدین و مجتہدین کی پیروی بواسطہ خلافت و اجتہاد ہے، حضور ﷺ کے بعد کوئی مطاع بالذات نہیں ہے۔

اہل بیتؑ سے ولایت و مودّت

اہل بیت سے محبت و مودت دراصل آنحضرت ﷺ سے محبت کی فرع ہے۔ اس کی رو سے حضور ﷺ کی کل عترت لائق مودت و مورد ولایت ہے۔ اہل سنت اسی عقیدہ پر ہیں۔ جہاں سادات کرام ملیں یہ جھٹ انہیں آغوش محبت میں لے لیتے ہیں۔ یہ ان میں تفریق نہیں کرتے۔ شیعہ ان میں تفریق کرتے ہیں اور صرف اوصیاء کو لائق تمسک سمجھتے ہیں۔ شیعہ حضرات کی یہ زیادتی ہے کہ وہ اپنے تصور وصیت کی اساس پر ہزاروں سادات کرام کے اہل بیت ہونے کا انکار کردیتے ہیں۔

اہل سنت میں بھی کئی غیر محتاط لوگ ملیں گے جو عام ملنگوں اور میراثیوں کو بھی یہ اعزاز دیتے ہیں۔ جہاں کسی تکیے پر کسی میراثی نے ڈیرہ لگا دیا بدعتی عورتوں نے اسے شاہ جی کہنا شروع کر دیا۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ یہ اہل بیت رسالت کی سخت بے ادبی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں: کتاب اللہ اور اہل بیت۔ قیامت تک آنے والے اہل بیت اطہار کو محیط ہے۔ یہ پنج تن یا بارہ تن پر بند نہیں۔ عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو "کوثر" بھی کہا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے مقابلے میں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ ہونے پر اپنے پر تولتے تھے۔ سو اس کثرت میں بھی کمی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت امام مہدی اہل بیت میں سے ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلسلہ اہل بیت تیسری صدی میں گیارھویں امام پر ختم نہیں ہو رہتا۔ ورنہ امام مہدی کس طرح اہل بیت رسالت میں سے اٹھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا يَوْمٌ، لَبَعَثَ اللَّهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يَمْلَؤُهَا عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا (سنن ابی داؤد جلد ۲، صفحہ ۲۳۲)

عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شیعہ کے ہاں کوئی واجب التمسک نہیں

ان کے ہاں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان بارہ کے سواء براہ راست کوئی عترت رسول کے اس اعزاز میں شامل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم اور حضرت فاطمہؓ میں سے کوئی ان بارہ میں نہیں ہے۔ حضرت امام حسن عسکری کے بعد جو لوگ بھی اس دنیا میں آپ کی اولاد میں سے پائے گئے ان میں اہل بیت رسالت میں سے کوئی نہ تھا۔ اور آج بھی جو سید دنیا میں موجود ہیں ان میں کوئی اہل بیت میں سے نہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری وصیت میں واجب التمسک ٹھہرایا ہو۔ اہل سنت کے نزدیک اہل بیت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور قیامت تک آنے والے سادات کو شامل ہے۔ ان کے ہاں کل عترت رسول لائق تمسک ہے اگر تمسک سے مراد ان سے محبت و ولایت کا ربط ہو۔ اپنی ذات سے کوئی فرد واجب الطاعت اور مفترض الطاعت ہو، یہ مقام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا۔ آپ کے بعد کسی آسمانی نمائندے کی آمد نہیں۔

اہل سنت کی صفوں میں اہل بیت رسالت کے زمزمے

حدیث کی کتابیں گلستان رسالت ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تیئس سالہ دور رسالت میں یہ باغ لگایا۔ انہیں دیکھیں تو جگہ جگہ اہل بیت رسالت کے زمزمے سنائی دیتے

ہیں۔ کوئی کتاب ان کے مناقب و فضائل سے خالی نہیں۔ سانحہ کربلا کے بعد حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدین) جب مدینہ آئے تو مسجد نبوی ﷺ میں ان کے گرد تانتا بندھا ہوتا تھا۔ ان کے گرد محدثین کے حلقے لگتے۔ اور علماء آگے بڑھ بڑھ کر ان سے احادیث لیتے تھے اور انہیں آگے روایت کرتے تھے۔ واقعہ کربلا عام مسلمانوں اور اہل بیت رسالت میں اگر کوئی اصولی خط متارکہ قائم کرتا تو حضرت علی بن الحسین اس اعزاز و اکرام سے اہل سنت محدثین میں نہ بیٹھتے اور حدیث کی کتابوں میں آل ابی بکر، آل عمر اور آل علی کے اکٹھے چرچے نہ ہوتے۔

ختم نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مرتبہ ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی اور اس سے ہزارہا اولیاء کرام نے امت کے افراد کے دلوں میں خدا کی محبت کی گرمی پیدا کی۔ ولایت کی اس کھڑکی سے حضور ﷺ کی عترت کو بھی ایک حصہ ملا۔ اس میں جو حضرات خصوصی نسبت پا گئے وہ روحانی طور پر اس امت کے اقطاب تھے۔

چند سندیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۲۔ رقم الحدیث ۱۱۲۷)

۲۔ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ..... وَآلُ أَبِي بَكْرٍ، وَآلُ عُمَرَ، وَآلُ عَلِيٍّ، وَابْنُ سِيرِينَ (صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۱۳۔ باب المزار عۃ بالشطر ونحوہ)

۳۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۱۹۔ رقم الحدیث ۲۳۷۵)

۴۔ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، أَخْبَرَهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۸۷۔ رقم الحدیث: ۴۷۲۴)

۵۔ وَجَمَعَ الحَسَنُ بْنُ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ بَيْنَ ابْنَتَيْ عَمٍّ فِي لَيْلَةٍ (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۷۶۵۔ رقم الحدیث: ۵۱۰۵)

۶۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۱۰۹۱۔ رقم الحدیث: ۷۳۴۷)

۷۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّ الحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، حَدَّثَهُ عَنْ عَلِيٍّ

بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ. فَقَالَ: أَلَا تُصَلُّونَ؟ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۲۶۴)

۸۔ عَنِ الْحَكَمِ. سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. قَالَتْ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۳۹۰)

۹۔ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ حُسَيْنٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۳۶)

۱۰۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ. عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۹۵)

۱۱۔ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَخْبَرَنِي..... (صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۹۰)

۱۲۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطَبَ بِنْتَ أَبِي جَهْلٍ وَعِنْدَهُ فَاطِمَةُ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۹۰)

۱۳۔ حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مُرَّةَ ..... (صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۴۹)

۱۴۔ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ (سنن ابی داؤد۔ ج ۲، ص ۱۹۷)

۱۵۔ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ حَدَّثَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ (سنن ابی داؤد۔ ج ۱، ص ۲۸۳)

امام زین العابدین کی بہن فاطمہؓ کی بھی ایک روایت لیجئے:

۱۶۔ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ (سنن ابی داؤد۔ ج ۱، ص ۲۳۵)

۱۷۔ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ (سنن نسائی جلد ۱، ص ۴۰)

۱۸۔ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ (جامع ترمذی ج ۱، ص ۱۶۰)

۱۹۔ أَخْبَرَنِي أَخِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّنِي وَأَحَبَّ هَذَيْنِ وَأَبَاهُمَا وَأُمَّهُمَا كَانَ مَعِي فِي دَرَجَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی ج ۲، ص ۲۱۵)

۲۰۔ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ (ایضاً ص ۲۱۹)

ہم یہاں مشہور کتب حدیث کے ان بیس حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ محدثین کے تذکروں میں آپ کو علی بن الحسین امام زین العابدین[1] (۹۴ھ) کا ذکر امام ابراہیم نخعی، امام ربانی امام ابن سیرین اور امام حسن بصری کے ساتھ ملے گا۔ علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ (حافظین حدیث) میں آپ کا ذکر تیسرے طبقے میں کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں صحابہ کرامؓ ہیں، دوسرے طبقے میں اکابر تابعین اور تیسرے طبقے میں چھٹے نمبر پر ان لفظوں میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

اپنے والد حضرت حسین، بڑے چچا حضرت حسن، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت مسور بن مخرمہ، حضرت ابن عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دیگر بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا۔ آپ سے آپ کے بیٹوں ابو جعفر (امام باقر)، محمد زید، عمر اور عبد اللہ کے علاوہ زید بن اسلم، عاصم بن عمر زہری، یحیٰی بن سعید، ابو الزناد اور دوسرے کئی بزرگوں نے کسب فیض کیا۔ زہری کہتے ہیں میں نے علی بن حسین سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ لیکن حدیث کم روایت کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۷۸)

---

[1] امام زین العابدین کا حدیث میں کیا مرتبہ تھا؟ کان ثقۃ مامونا کثیر الحدیث (طبقات ابن سعد ج ۵، ص ۱۶۴) حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سعید بن المسیب کے شاگرد تھے (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۴) اور امام زہری کے استاد..... فقہ میں کیا مرتبہ تھا؟ مدینہ کے سات مشہور فقہاء کے بعد آپ ہی کا نام آتا ہے (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۲) آپ کے وقت میں بنو ہاشم میں آپ سے آگے کوئی اور نہ تھا (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۴۳ للنووی) (عبقات ج ۱ ص ۴۳)

حضرت امام محمد باقر کا تعارف (۱)

اس کتاب میں آپ کو ان کے بیٹے ابو جعفر امام باقر (۱۱۴ھ) کا ذکر بھی اکابر ائمہ اہل سنت کے پہلو بہ پہلو ملے گا۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے چوتھے طبقے میں چودھویں نمبر پر ابو جعفر الباقر کا نام اس طرح ذکر کرتے ہیں:

آپ مدینہ کے رہنے والے چوٹی کے عالم ہیں۔ اپنے والد علی کے علاوہ حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو سعید الخدری، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) اور چند دیگر اہل علم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، اور حضرت ابن عباس ؓ سے بھی بالارسال روایت کرتے ہیں۔ آپ سے آپ کے صاحبزادے (امام) جعفر بن محمد کے سوا عمرو بن دینار، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، قرہ بن خالد ؓ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔ سنن نسائی میں آپ کے نانا حسن ؓ سے آپ کی روایت موجود ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ ؓ سے بھی آپ کی ایک روایت سنن نسائی میں مذکور ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۱۱۵)

حضرت امام جعفر صادق کا تعارف

امام باقر کے بیٹے امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) کا تذکرہ بھی ملاحظہ کیجئے۔ حافظ ذہبی نے پانچویں طبقے میں نویں نمبر پر آپ کا اور دسویں نمبر امام اعظم ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کا نام درج کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

أحد السادة الأعلام وابن بنت القاسم بن محمد وأم أمه هي أسماء بنت عبد الرحمن بن أبي بكر فلذلك كان يقول: ولدني أبو بكر الصديق مرتين حدث عن جده القاسم وعن أبيه أبي جعفر الباقر وعبيد الله بن أبي

---

(۱) حضرت امام باقر کا نام تو محمد تھا لیکن علمی گہرائی نے انہیں باقر کا لقب دے رکھا تھا۔ عرب کہتے ہیں بقر العلم (وہ علم کو پھاڑ کر اس کی تہہ میں پہنچ گیا) امام نووی انہیں امام بارع (ماہر فن امام) کہتے ہیں (تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۸۷) اور مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتے ہیں امام نسائی کی جلالت قدر سے کسے اختلاف ہے وہ آپ کو فقہاء تابعین میں ذکر کرتے ہیں۔ (ثبات ج ۱ ص ۴۴)

رافع وعروة بن الزبير وعطاء ونافع وعدة وعنه مالك والسفيانان وحاتم بن إسماعيل ويحيى القطان وأبو عاصم النبيل وخلق كثير ..... وثقه الشافعي ويحيى بن معين. وعن أبي حنيفة قال: ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد (ایضاً جلد ۱، صفحہ ۱۲۶)

(امام جعفر صادق) مدینہ منورہ کے رہنے والے چوٹی کے سادات میں سے ہیں۔ والدہ ماجدہ قاسم بن محمد کی بیٹی اور نانی حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماء ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کہا کرتے تھے کہ ابوبکر صدیقؓ نے مجھے دو مرتبہ جنا۔ آپ نے اپنے نانا قاسم بن محمد اور والد امام باقر سے علم حاصل کیا۔ حضرت عروہ بن الزبیر، حضرت عطاء، حضرت نافع بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ بن سعید القطان اور ابو عاصم النبیل اور بہت سے افراد آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ امام شافعی اور یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا[1]۔

آپ اور امام ابوحنیفہؒ دونوں کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے۔ آپ نے ۱۴۸ھ میں اور حضرت امام ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

سب ائمہ اہل بیت اہل سنت والجماعت تھے

دیکھئے ائمہ اہل بیت کے یہ تین اکابر کس طرح دیگر ائمہ اہل سنت کے ساتھ ملے جلے ہیں۔ جس طرح وہ احادیث روایت کرتے ہیں یہ بھی ان سے حدیث رویت کرتے ہیں اور علم رجال کا کوئی ماہر انہیں صفوف اہل سنت سے باہر نہیں پاتا۔ اور حق بھی یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت سب کے سب اہل سنت والجماعت تھے۔ اور امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی وفات تک اثنا عشری شیعہ ابھی ایک عقیدہ بن کر نہ ابھرے تھے۔ اثنا عشریوں کے بارھویں امام

(۱) حضرت امام جعفر صادق کو کیا علامہ ذہبی نے امام اور احد السادۃ الاعلام نہیں لکھا (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۹) کیا ابن سعد نے آپ کو کثیر الحدیث نہیں لکھا (تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴) کیا امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے آپ کی جلالت علم کا اعتراف نہیں کیا (ایضاً) امام ربانی مجدد الف ثانی نے کیا آپ کو امام نہیں لکھا (مکتوبات) اگر آپ کو علم حلم اور زہد وتقوی میں امام کہا جائے تو سمجھ نہیں آتا کہ یہ کونسی بڑی غلطی ہے۔ (مبحثات ج ۱ ص ۴۴)

(۲۵۴ھ) میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہے کہ اثنا عشری عقیدہ اس کے بعد ہی کہیں جا کر قائم ہوا۔ شیعہ حضرات ان تین ائمہ علم کو جمہور اہل اسلام سے کاٹ کر اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اہل سنت نے ان تین حضرات کو ہمیشہ اپنی صفوں سے ظاہر کیا ہے۔ اور وہ تھے بھی انہی کے۔ اثنا عشری عقیدے کے نہ تھے۔

تاہم محمد بن یعقوب الکلینی کی کتاب الکافی میں بھی کئی مقامات پر ان اہل علم حضرات کا عام اختلاط مذکور ہے۔

امام کلینی الکافی جلد۔ ص ۱۹۸ میں امام علی رضا (۲۰۳ھ) کے جامع مسجد بغداد میں جمعہ پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ ان دنوں وہاں خطیب کون تھا؟ اہل سنت والجماعت عقیدے کا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام علی رضا عقیدۃً اہل سنت تھے۔ ان کے والد امام موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ) اور امام ابو یوسف (۱۸۲ھ) کی ملاقات بھی الکافی (جلد ۴، ص ۳۵۲) پر مذکور ہے۔ امام باقر اور امام ابو حنیفہ کی ملاقات الکافی (جلد ۱، ص ۵۸) اور (جلد ۲، ص ۲۸۵) پر ملاحظہ کریں۔ امام باقر امام ابو حنیفہ کو وقت کے علماء میں شمار کرتے تھے۔ یہ الکافی (جلد ۸، ص ۲۹۲) پر موجود ہے۔ پھر الکافی (جلد ۴، ص ۴۰۴) پر امام قتادہ (۱۱۸ھ) اور امام جعفر صادق اکٹھے طواف کرتے دکھائے گئے ہیں۔

اثنا عشری عقیدے کا سب سے پہلا محدث محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) چوتھی صدی میں ہوا اور چوتھی صدی سے اس فرقے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس وقت اہل سنت و الجماعت عقیدے کے بڑے محدث امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۸ھ) تھے۔

ائمہ اہل بیت اور دوسرے ائمہ اہل سنت کا عام اختلاط

اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں ان ائمہ اہل بیت کا اسی طرح ذکر ملے گا جیسا کہ ہم ذہبی کے حوالے سے پیش کر آئے ہیں۔ حافظ ابن حجر انہیں اسی طرح اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں۔

سانحہ کربلا کے وقت مسلمانوں میں کوئی اعتقادی تفریق نہ تھی

سانحہ کربلا اور اس دور کے حالات کے عینی گواہ حضرت امام زین العابدین سے

بڑھ کر اور کون ہوں گے؟ ان کا عمل بتا سکتا ہے کہ آیا ان کے دور میں دنیا میں کہیں شیعہ سنی تفریق تھی؟ اگر آپ محدثین اہل سنت سے کچھ بھی عقیدۃً مختلف ہوتے تو آپ مسجد نبوی میں روایت حدیث کے لئے دوسرے محدثین کے ساتھ کبھی اپنا علمی حلقہ نہ لگاتے۔

حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت سلیمان بن یسارؒ (۱۰۷ھ) کون تھے؟ حضرت عروہؒ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے اور سلیمان بن یسارؒ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مسجد نبوی میں حضرت علی بن الحسین کا علمی حلقہ ان حضرات کے ساتھ لگتا تھا۔ اور یہ سب محدثین یکساں حدیث روایت کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپ کی مجلس درس مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں لگتی اور ہزاروں لوگ ان کے علم سے مستفید ہوتے تھے۔

كَانَ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ يَجْلِسُ كُلَّ لَيْلَةٍ هُوَ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي مُؤَخَّرِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۵، ص ۱۸۱)

ترجمہ: امام زین العابدین اور عروہ بن زبیر عشاء کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے آخری حصہ میں ہر رات اکٹھے بیٹھتے تھے۔

حضرت امام حسنؓ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ فکنت اجلس معلما۔ ایک دن حضرت عروہ نے امام زین العابدین سے کہا اگر کوئی شخص بنو امیہ اور ان کے اعوان و انصار سے میل بھر دور رہے گا، ان پر آفت آئے تو وہ محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد حضرت عروہ وادی عقیق میں چلے گئے اور میں مقام سویقہ میں منتقل ہو گیا۔ امام زین العابدین وہیں رہے، کیونکہ آپ اموی حکومت کی مخالفت نہ کرنے کا عہد دے چکے تھے اور آپ اس پر قائم رہے۔

محدثین کی یہ علمی مجالس بتاتی ہیں کہ اس وقت حضرت زبیر کی اولاد میں اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی اولاد میں ہرگز کوئی عقیدے کا اختلاف نہ تھا۔ سنی شیعہ تفریق ان دنوں تک کہیں سنی نہ گئی تھی۔ شیعہ بطور فرقہ کے چوتھی صدی میں ظاہر ہوئے تھے۔

حضرت سلیمان بن یسار بلالی (۱۰۷ھ) مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کہتے ہیں آپ کی صبح کی علمی مجلس حضرت امام زین العابدینؒ کے ساتھ لگتی تھی۔ یزید بن حازم کہتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ حُسَيْنٍ وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَجْلِسَانِ بَيْنَ الْقَبْرِ وَالْمِنْبَرِ يَتَحَدَّثَانِ إِلَى ارْتِفَاعِ الضُّحَى وَيَتَذَاكَرَانِ فَإِذَا أَرَادَا أَنْ يَقُومَا قَرَأَ عَلَيْهِمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ سُورَةً, فَإِذَا فَرَغَ دَعَوْا (طبقات ابن سعد جلد ۵، صفحہ ۲۱۷)

ترجمہ: میں نے امام زین العابدین اور سلیمان بن یسار کو ریاض الجنہ میں دیکھا وہ سورج کے اوپر آنے تک آپس میں علمی مذاکرہ کرتے۔ جب ارادہ کرتے کہ اٹھ جائیں تو عبداللہ بن ابی سلمہ ان کے سامنے کسی سورت کی تلاوت فرماتے۔ جب وہ ختم کرتے تو یہ دونوں چلے جاتے۔

اہل سنت نے امام زین العابدین کو ہمیشہ اپنا جلیل القدر بزرگ سمجھا ہے۔ آپ کے تذکرے سنی کتب رجال میں اس طرح ہیں جس طرح امام ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری اور دوسرے محدثین کے پائے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کو اسی صف میں بیٹھے دکھایا ہے جس میں اہل سنت اکابر بیٹھے نظر آتے ہیں۔

امام نافع (۱۱۷ھ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد خاص ہیں۔ آپ کی بھی امام باقر (۱۱۴ھ) سے ملاقات رہتی تھی۔ دیکھئے الکافی جلد ۸، ص ۱۲۱، ص ۳۵۱۔ امام ابوحنیفہؒ نے امام جعفر صادقؒ سے روایت لی۔ اسے الکافی جلد ۴، ص ۵۴۶، جلد ۷، ص ۱۰۴ پر دیکھئے۔ امام ابوحنیفہؒ کا ذکر آپ کو اس کتاب کی جلد ۲، ص ۲۲۳۔ جلد ۳، ص ۱۶، ص ۹۲، ص ۲۹۷۔ جلد ۴، ص ۲۵۹، ص ۵۴۶۔ جلد ۵، ص ۴۴۹۔ جلد ۷، ص ۶۳، ص ۱۳۷، ص ۴۰۴ اور جلد ۸ ص ۲۹۲ پر عام ملے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کا ذکر جلد ۵، ص ۳۸۷۔ جلد ۷، ص ۶۱، ص ۴۰۴ اور جلد ۱، ص ۹۵ پر موجود ہے۔ ان ائمہ علم کی ان عام ملاقاتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان اہل علم حضرات کے عہد میں اسلام میں ہرگز کفر و اسلام کی دیواریں کھڑی نہ کی گئی تھیں۔ مسلمانوں میں عقیدوں کی یہ تفریق چوتھی صدی ہجری میں جا کر قائم ہوئی ہے۔ اس سے پہلے شیعہ کا لفظ صرف ایک سیاسی امتیاز کو ظاہر کرتا تھا۔ اس میں عقیدہ کے کسی فاصلے کا امتیاز نہ تھا۔ اہل سنت والجماعت جس طرح صحابہؓ کی عظمت و فضیلت کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے اہل بیت کی محبت اور عقیدت کے زمزمے بھی انہی کی صفوں میں سنے جاتے تھے۔

اہل بیت رسالت سے محبت دائمار ہے

تی (۷۰۳ھ) اور کلینی (۳۲۸ھ) نے اگر صحابہ کرام اور اہل بیت میں تفریق کی دیوار کھڑی کر دی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی اس باہمی وحدت ومودت میں سے نکل جائیں جو اسلام کی پہلی تین صدیوں میں صحابہ اور اہل بیت میں رہی ہے۔ یہ چوتھی صدی کی تفریق پہلی تین صدیوں کی جمع کو نہیں توڑ سکتی۔ یہودیوں کی دسیسہ کاریوں میں گھرے لوگ اگر صحابہ کے خلاف چڑھ دوڑے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل سنت اہل بیت کی عقیدت ومحبت سے نکل آئیں۔ کتاب وسنت اور اسلام کی پہلی تین صدیوں کا سبق ہمیں کبھی نہ بھلانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ سب اہل بیت رسالت سے محبت دائمار ہے۔ ہم اہل بیت سے صرف بارہ افراد مراد نہ لیں، قیامت تک آنے والی اولاد رسول ہمارے لئے برابر کی لائق محبت رہے:۔

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین ایمان ما محبت آل محمد است

ساری آل محمد کی اس عقیدت سے اہل بیت کا دائرہ اور وسیع ہوگا اور قیامت تک کی آل رسول اس دائرہ میں جگہ پا سکے گی۔ کاش کہ شیعہ لوگ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور اس سلسلہ اہل بیت کو صرف چند افراد میں رکھنے کی کوشش نہ کریں۔ حضور ﷺ کی اولاد سے محبت تا انقراض قیامت چلے۔ جب تک دنیا رہے گی اہل بیت رہیں گے اور ان کے چاہنے والے بھی رہیں گے۔ انہیں صرف اوصیاء میں محدود کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

اہل بیت کے سلسلے کو کم کرنے کی سازش

کفار نے حضور ﷺ کی نرینہ اولاد باقی نہ رہنے کے باعث یہ بات عام کی کہ آپ کا کوئی جانشین نہ ہوگا اور آپ کی وفات سے اس موجودہ بہار اسلام پر خزاں آجائے گی۔ وہ آپ ﷺ کو "ابتر" کہتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا:

"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝" (پارہ ۳۰، سورہ الکوثر)

ترجمہ: بے شک تیرا دشمن ابتر (بلا اولاد) ہوگا۔

یہ لوگ کون تھے آپ کی اولاد کا انکار کرنے والے؟ یہود ومشرکین۔ ہم مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کی اولاد شان کثرت سے کوثر ٹھہری ہے۔ اہل بیت رسالت قیامت

تک چلیں گے۔ شیعہ حضرات کو اولاد رسول میں سے کسی کا انکار نہ کرنا چاہئے، نہ وہ اہل بیت کے تسلسل کے خلاف عقیدہ رکھیں۔ اگر اہل بیت رسالت صرف پہلے گیارہ ہی تھے اور بارھویں حضرت مہدی قیامت کو ظاہر ہوں گے تو اہل بیت کا تسلسل ان کے درمیانی صدیوں میں کہیں مٹا تو نہیں سمجھا جائے گا۔ ''فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ''

شیعہ کے پانچ انکار

اہل بیت سے محبت رکھنے والا کوئی شخص مندرجہ ذیل انکاروں میں سے کسی پر نہ جم سکے گا:

1: پہلا انکار..... کہ آپ کی تین صاحبزادیاں آپ کی صاحبزادیاں نہ تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی پہلی بیٹیاں تھیں۔ ائمہ اہل بیت نے اس عقیدے کی پرزور تردید کی ہے۔

2: دوسرا انکار..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مؤمنین کی مائیں تو ہیں لیکن وہ اہل بیت میں سے نہیں۔ قرآن کریم میں اہل بیت کی آیت بے موقع رکھی گئی۔ (معاذ اللہ)

3: تیسرا انکار..... حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دونواسے علی بن ابی العاص اور عبداللہ بن عثمانؓ آپ کے نواسے نہ تھے۔ (معاذ اللہ)

4: چوتھا انکار..... حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے چھوٹے بھائی محسن پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے تھے، اس لئے وہ اہل بیت رسالت میں نہ اٹھیں گے۔

5: پانچواں انکار..... حضرت فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کی دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم چونکہ بارہ اوصیاء کرام میں سے نہیں اس لئے ان کے ارشادات امت کے لئے لائق تمسک نہیں ہیں۔

ہمیں اس وقت یہ بحث نہیں ہے کہ جو لوگ ان پانچ انکاروں پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ خلوص دل سے اہل بیت رسالت کے مخلص عقیدت مند نہیں۔ ہم یہاں قارئین کو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل بیت کو کم کرنے کی کوششیں مسلمانوں کی کبھی نہیں ہو سکتیں۔ یہ دشمنان اسلام کی آواز تھی کہ معاذ اللہ آپ ''ابتر'' ہیں اور آپ کا سلسلہ اولاد آگے نہ چلے گا۔ اہل السنۃ و الجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت ہونی چاہئے سنی مسلمانوں کو چاہئے

کہ حضور ﷺ کے ایک ایک رشتہ دار کے آگے عقیدت کی آنکھیں بچھائیں، نہ یہ کہ آپ کی پوری کی پوری اولاد کا انکار کر دیا جائے کہ آپ ﷺ نے جن اہل بیت کو حدیث ثقلین میں لائق تمسک ٹھہرایا تھا وہ صرف بارہ تھے نہ کہ ساری کی ساری اولاد لائق تمسک جا ٹھہرے۔

اہل بیت میں ائمہ ولایت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس امت میں ولایت کا سلسلہ جاری کیا اس نے حضور اکرم ﷺ کی اولاد میں ائمہ ولایت بھی بہت اٹھائے۔ یہ اہل بیت رسالت کا خاص اعزاز رہا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی اولاد سے گیارہ حضرات اس دائرۂ ولایت کے قطب ٹھہرے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ گو حضور ﷺ کی اولاد میں سے نہیں تاہم آپ بھی اس چادر میں آنے کے باعث اہل بیت رسالت کا اعزاز پا گئے تھے۔ سو یہ بارہ حضرات صرف شیعہ ہی کے نہیں اہل سنت کے ہاں یہ سب اقطاب کے منصب پر مانے گئے ہیں۔ ان کے بعد یہ منصب حضور ﷺ کی عترت میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ملا۔ آپ اس سلسلہ کے قطب تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) کا بیان

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے وہ مکاشفات جو خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مرتب کئے ہیں ان میں سولہویں مکاشفہ میں ہے:

باید دانست کہ واصلان ذات ازیں بزرگواراں کہ بہ افراد ملقب اند نیز اقل قلیل اند و اکابر صحابہ دانمہ اثنا عشر از اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بایں فضیلت فائض انداز اکابر اولیاء قطب ربانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس بایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند (مکاشفات غیبیہ صفحہ ۴۰ شائع کردہ ادارہ مجددیہ کراچی)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ ان بزرگوں میں واصلان ذات جو افراد کہلاتے ہیں بہت کم ہیں۔ اکابر صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے بارہ امام اس مقام وصال پر فائض ہوئے۔ اکابر اولیاء کرام میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اس نعمت سے ممتاز ہوئے اور اس روحانی مقام میں بڑی شان پائی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے ''القالہ الوضیۃ فی العصیۃ والوصیۃ'' میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۹۵ھ) بھی لکھتے ہیں:

صوفیہ اہل سنت بر قطبیت دوازدہ امام متفق اند۔

(مقامات مظہری مؤلفہ شاہ غلام علی دہلوی ص ۱۲۷ مطبع احمدی دہلی)

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کا بیان

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) ''الوصیۃ'' میں لکھتے ہیں:

آنچہ حضرت شیخ در قطبیت ائمہ اثنا عشر نوشتہ اند ایں مضمون مرا حضرت امام ربانی قطب صمدانی حضرت مجدد الف ثانی نوشتہ و فقیر آن را در شمشیر برہنہ نوشتہ۔ (مجموعہ وصایا اربعہ ص ۵۵ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد)

ترجمہ: حضرت شیخ نے جو بارہ اماموں کی قطبیت پر لکھا ہے اسے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بھی لکھا ہے اور اس فقیر نے اسے (اپنی کتاب) شمشیر برہنہ میں لکھا ہے۔

اب آیئے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) سے بھی اس کی تصدیق کرتے چلیں:

نیز ائمہ پسیں مثل حضرت سجاد باقر و صادق و کاظم و رضا ہمہ مقتدایاں و پیشوایان اہل سنت بودہ اند کہ علماء ایشاں مثل زہری و امام ابوحنیفہ و امام مالک تلمذ از آنجناب کردہ اند و صوفیہ آن وقت مثل معروف کرخی وغیرہ از آنجناب فیض اندوختہ و مشائخ طریقت سلسلہ آنحضرت را سلسلۃ الذہب نامیدہ محدثین اہل سنت ازاں بزرگواراں در ہر فن خصوصاً در تفسیر و سلوک دفتر دفتر احادیث روایت کردہ۔ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۴۸۱)

ترجمہ: پہلے ائمہ میں حضرت زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم اور امام رضا یہ سب بزرگواران اہل سنت کے مقتداء اور پیشواء ہوئے ہیں۔ اہل سنت کے علماء جیسے امام زہری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک ان ائمہ اہل بیت سے تلمذ رکھتے تھے۔ اور ان ادوار کے صوفی جیسے معروف کرخی وغیرہ نے بھی ان حضرات سے استفادہ کیا ہے۔ اور مشائخ طریقت آنحضرت

کے سلسلے کو سلسلۃ الذہب (سونے کی کڑیاں) کا نام دیتے تھے۔ محدثین اہل سنت نے ان بزرگوں سے ہر فن میں خصوصاً تفسیر وسلوک میں دفتر دفتر احادیث روایت کی ہیں۔

قطبیت سے آسمانی امامت کی دریافت

ہر تحریک اپنی ابتداء میں سادہ اور مبنی بر حقیقت ہوتی ہے، پھر اس میں افراط اور مبالغہ راہ پاتے ہیں اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ راہ ولایت میں اہل خدمت حضرات (ابدال ہوں یا اقطاب) اپنا کام کرتے ہیں اور پھر راہ سفر پر چلے جاتے ہیں۔ لوگ انہیں جانیں اور پہچانیں۔ نہ ان کا یہ مطالبہ ہوتا ہے اور نہ اپنے لئے یہ کسی منصب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مجدد بھی اپنا کام کرتا ہے اور پھر فارغ ہو جاتا ہے۔ جو اسے پہچان لے وہ خیر کثیر پالیتا ہے اور جو نہ جان سکے اس کے ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، نہ اس کا بطور مجدد جاننا کسی کے لئے ضروری ہے۔

ائمہ اہل بیت آسمانی مرتبہ امامت کے مدعی نہ تھے

یہ بارہ حضرات (ائمہ اہل بیت) بھی اسی قبیل کے امام تھے۔ ان میں علم کے ساتھ ایک روحانی بزرگی تھی۔ یہ کسی آسمانی مرتبہ امامت کے مدعی نہ تھے، نہ ان کے حلقہ میں انہیں کوئی مامور من اللہ امام مانا جاتا تھا۔ مگر افسوس کہ افراط پسند (بات بڑھانے والے) طبائع نے ان پر مشق تحریف کی اور انکی قطبیت سے آسمانی امامت کا عقیدہ کشید کیا۔ افراط وتفریط کے حامی ہر تحریک میں ہر دور میں ابھرتے ہیں اور اسی کے نتیجہ میں ان صلحائے امت کے بارے میں طرح طرح کے حاشیے لگائے گئے۔ تاہم ان کی روحانی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آسمانی امامت کا عقیدہ ان کی زندگی میں نہ بنا تھا

ان ائمہ رشد وہدایت کے پاس جو لوگ اٹھتے بیٹھتے تھے اور ان سے علمی مجلسیں کرتے تھے وہ ان کی آسمانی امامت اور عصمت کے قائل نہ تھے۔ انہیں بزرگ سمجھ کر ان کے پاس بیٹھتے اور ان دنوں مسلمانوں میں سنی شیعہ نام سے کہیں کوئی فرقہ نہ تھا۔ محمد باقر مجلسی لکھتا ہے:

از احادیث ظاہر مے شود کہ جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ انداز شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را از علمائے نیکو

کار مے دانستہ اند چنانکہ از رجال کشی ظاہر مے شود مع ذلک انمہ حکم بایمان بلکہ عدالت ایشاں مے کردماند (حق الیقین صفحہ ۳۲۸، صفحہ ۵۵۰ ایران)

ترجمہ: احادیث سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ وہ شیعہ راویان حدیث جو ائمہ اہل بیت کے دور میں ہوئے ان ائمہ کو معصوم (مامور من اللہ) نہ سمجھتے تھے۔ وہ انہیں بزرگ علماء کرام سمجھتے تھے۔ رجال کشی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ائمہ اہل بیت نہ صرف ان راویوں کو مؤمن قرار دیتے بلکہ انہیں عادل بھی سمجھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا ان دنوں لفظ شیعہ کسی فرقہ کے معنی میں نہ تھا۔ ائمہ اہل بیت کو بزرگ سمجھنے والے لوگ ان کا گروہ شمار ہوتے اور اسی معنی میں ان کو شیعہ کہہ دیا جاتا تھا۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مامور من اللہ امام اور وہ معصوم ہو یہ عقیدہ ان دنوں کہیں نہ پایا جاتا تھا۔ یہ عقائد چوتھی صدی ہجری سے کہیں نہیں ملتے (۱)۔

تاہم یہ ائمہ اہل بیت قطب فلک ولایت تھے۔ ان کے علم ان کی بزرگی اور ان کی روحانیت کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

---

(۱) اہل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصیت کو مامور من اللہ، مبعوث للخلق، مدار حلال وحرام اور جزو ایمان نہیں مانتے اس لئے جس طرح سنی عقائد حضور ختمی مرتبت سے شروع ہوتے ہیں اسی طرح شیعہ عقائد اپنے ظاہر کے اعتبار سے تقریباً چوتھی صدی ہجری سے آغاز پاتے ہیں۔ مامور من اللہ کے ظہور کے بعد ہی اس کے اوامر ونواہی نافذ ہوسکتے ہیں اور مامور کی تشریف آوری سے پہلے اس کے اوامر ونواہی کا اقرار تصور میں بھی نہیں آسکتا اہل سنت کے عقیدے کے مطابق اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہی مکمل ہوا لیکن اثنا عشری عقائد کے مطابق اس کی تکمیل ۲۵۵ کے بعد کسی وقت میں ہوئی یہ اپنے اپنے نظریات ہیں۔ اثنا عشری عقائد کی موجودہ صورت تو حضرات ائمہ طاہرین کے وقت میں بھی نہ تھی بلکہ ان سے بھی کافی وقت بعد کی ہے وہ حضرات جو ان ائمہ کرام کے گرد وپیش رہتے تھے وہ ہرگز انہیں مامور من اللہ اور معصوم نہیں سمجھتے تھے اور ان کا حضور کی ختم نبوت پر پورا پختہ اعتقاد تھا وہ سمجھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی آسمانی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں کے وہی عقیدے تھے جو اہل سنت حضرات کے ہیں ملا باقر مجلسی نے حق الیقین میں لکھا ہے (یہ عبارت مع ترجمہ اوپر منقول ہے) ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اثنا عشری عقائد ان ائمہ اطہار کے بھی کافی عرصہ بعد وجود میں آئے ہیں ائمہ کرام کے اپنے زمانے تک جمیع مسلمانوں کا بلا امتیاز مسلک یہی اعتقاد تھا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کرہ ارضی کو کسی مامور من اللہ کی ضرورت نہیں اور یہ ائمہ حضرات سب سنی المذہب تھے۔ (صلحات ج ۱ ص ۳۵۷)

اہل بیت نبوت دنیا کے آخر تک منبع فیض

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو حضرت فاطمہؓ سے چلی، قیامت تک اس دنیا میں موجود رہیں گی۔ دنیا کے آخری دور میں امام مہدی جو کل قلمرو اسلامی کے سربراہ ہوں گے، حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اور حضرت حسنؓ کے خاندان میں سے ہوں گے۔ لسان رسالت سے سید کا لفظ آپ کے لئے (حضرت امام حسنؓ کے لئے) ہی صادر ہوا اور آپ نے اس سیاق میں آپ کو سید کہا کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کو پھر سے ایک کر دے گا۔ حضرت امام حسنؓ کی عظیم قربانی اللہ تعالیٰ کو اس طرح پسند آئی کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمی خلافت کا پروانہ ان کی اولاد میں لکھ دیا۔

حضرت مہدی کے حسنی النسب ہونے کا سرّ لطیف

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

وَفِي كَوْنِهِ مِنْ وَلَدِ الْحَسَنِ سِرٌّ لَطِيفٌ وَهُوَ أَن الحسن □ تَرَكَ الْخِلَافَةَ لِلّٰهِ فَجَعَلَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدِهِ مَنْ يَقُومُ بِالْخِلَافَةِ الْحَقُّ الْمُتَضَمِّنِ لِلْعَدْلِ الَّذِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ وَهَذِهِ سُنَّةُ اللّٰهِ فِي عِبَادِهِ أَنَّهُ مَنْ ترك لِأَجْلِهِ شَيْئًا أَعْطَاهُ اللّٰهُ أَوْ أَعْطَى ذُرِّيَّتَهُ أَفْضَلَ مِنْهُ (المنار المنیف صفحہ ۱۳۹)

ترجمہ: امام آخر الزمان حضرت مہدی کے امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہونے میں ایک غامض نکتہ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے خلافت چھوڑی، سو اللہ تعالیٰ نے عالمی خلافت حقہ ان کی نسل میں ٹھہرائی۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ان کے بندوں میں چلی آ رہی ہے کہ جو بندہ اس کی رضا کے لئے کوئی منصب چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے یا اس کی اولاد میں سے کسی کو اس سے بہتر و برتر عہدہ دیتے ہیں۔

حضرت حسن اور حسینؓ صحابہؓ کی آغوش محبت میں

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت حسنؓ سے کہا مجھے اپنے بدن کا وہ حصہ دکھاؤ جس پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا۔ آپؓ نے ذرا قمیص اٹھائی، پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے آپؓ کی ناف پر بوسہ دیا۔ (مسند احمد جلد ۳، ص ۶۳)

جس دن آپؓ کا انتقال ہوا آپ (حضرت ابو ہریرہؓ) مسجد کے دروازے پر

کھڑے رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے آج حضور ﷺ کا ناز پروردہ عزیز دنیا سے اٹھ گیا ہے۔اس پر غم کے آنسو بہاؤ۔

رأیت أبا هریرة قائما علی المسجد یوم مات الحسن یبکی وینادی بأعلی صوته یاأیها الناس مات الیوم حب رسول الله ﷺ فأبکوا

(تہذیب التہذیب جلد ۲، صفحہ ۳۰۱)

یہ گریہ کی کیفیت اس دن کی ہے جس دن آپؓ نے وفات پائی۔تین دن کے اندر کا رونا گرفت میں نہیں آتا۔نہ یہ اجتماعی ماتم ہے کہ اس کے لئے فرش بچھائے گئے ہوں۔

خونی مہدی کا تصور

ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے دنیا کو خونی مہدی کا تصور دیا اور انگریزوں کو باور کرایا کہ میرے مقابل جتنے مسلمان ہیں سب ایک خونی مہدی کے آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔صرف میں ہوں جو اس کی راہ روکے ہوئے ہوں۔حکومت برطانیہ اپنے اس خود کاشتہ عقیدے کی پوری امداد کرے۔مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ چند اشتہارات ملاحظہ ہوں:

1: یہ مولوی ایک ایسے مہدی کے منتظر ہیں جو تمام دنیا کو خون میں غرق کردے اور خروج کرتے ہی قتل کرنا شروع کردے۔ (مجموعہ اشتہارات ص ۲۱، ج ۲)

2: ایسا ہی یہ لوگ ایک خونی مہدی کے منتظر ہیں جو دنیا کو خون سے بھر دے..... یہ لوگ درحقیقت ایک خونی مہدی کے دن رات منتظر ہیں۔ (ایضاً ص ۱۲۸)

3: عام مولوی اس وجہ سے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ میں نے ان کے خونی مہدی اور خونی مسیح کا انکار کر دیا۔ (ایضاً ص ۱۳۰)

4: میں کسی خونی مسیح کے آنے کا قائل نہیں اور نہ خونی مہدی کا منتظر۔(ایضاً ص ۲۸۷)

5: میں خدا کی طرف سے ہوں اور کسی خونی مسیح اور خونی مہدی کا انتظار کرنا جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے یہ سب بے ہودہ قصے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۱۶)

مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت امام مہدی کے بارے میں جو تصور پیش کیا ہے شیعہ کی کتابوں سے کیا ہے۔اور انہی کتابوں سے اس نے یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ حضرت امام مہدی کا کام بس قتل و غارت گری کرنا ہوگا۔(معاذ اللہ)

اہل سنت مسلمان حضرت امام مہدی کے بارے میں کوئی ایسا تصور نہیں رکھتے، ان کا عقیدہ ہے کہ ان کی تشریف آوری حضور رحمت اللعالمین کے سایہ میں ایک رحمت کا نشان ہو گی۔ تمام زمین ان کے عدل و انصاف سے جگمگا اٹھے گی اور ان کی آمد پر شیعہ اور سنی کی صدیوں کی نزاع بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گی۔ جس طرح روئے زمین ایک ہے اس پر حکمران بھی ایک ہو گا۔ اور یہ وہ پاک ہستی ہو گی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اہل بیت کا فیض عام اور وجود تام ان شاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو حضرت علی مرتضیٰ سے چلی وہ قیامت تک رہے گی اور ہوا کا کوئی جھونکا نور اہل بیت کو بجھا نہ سکے گا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اولاد ہونے کا طعنہ دیتے تھے قرآن نے ان کو "ابتر" کہا ہے۔ سو آج ان کی اولاد میں سے کوئی نہیں۔ قرآن میں کہا گیا: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝" خلفاء ثلاثہ اگر اہل بیت کرام کے دشمن ہوتے تو آج روئے زمین پر نہ کوئی صدیقی ہوتا، نہ فاروقی اور نہ عثمانی۔ حالانکہ قریش کی ان لڑیوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔

حضرت امام مہدی کی آمد ایک مصلح کی آمد ہے، منتقم کی نہیں

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسنؓ کا کردار ایک مصلح کا کردار رہا ہے ایک منتقم کا نہیں۔ اور اسی نسبت نے امام آخر الزمان کو عالمی قیادت دی۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام زمان کا ظہور ایک منتقم فوجی جرنیل کا ہو اور وہ صفت رحمت کا نشان بن کر نہ ابھریں۔

بغداد کا مشہور تاجر ابو السعادات الحلبی ہر جمعہ فوجی لباس پہن کر اپنے گھر کے دروازے کے پیچھے کھڑا رہتا تھا اور لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوتے۔ وہاں وہ اس انتظار میں ہوتا کہ ابھی محمد بن الحسن العسکری سامرا کی غار سے نکلیں گے اور وہ ان کی مدد میں ان کے ساتھ مل کر تلوار چلائے گا۔ اس کا نماز نہ پڑھنا اور ایک خونی ڈرامہ کھیلنے کے لئے تیار رہنا بتاتا ہے کہ وہ کس قماش کا آدمی ہو گا۔ حافظ ابن کثیر ۶۰۰ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

التَّاجِرُ الْبَغْدَادِيُّ الرَّافِضِيُّ كَانَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ يَلْبَسُ لِأُمَةِ الْحَرْبِ، وَيَقِفُ خَلْفَ بَابِ دَارِهِ، وَهُوَ مُجَافٍ عَلَيْهِ، وَالنَّاسِ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ، وَهُوَ يَنْتَظِرُ أَنْ يُخْرِجَ صَاحِبُ الزَّمَانِ مِنْ سِرْدَابِ سَامَرَّا يَعْنِي مُحَمَّدَ بْنَ الْحَسَنِ

الْعَسْكَرِيَّ لِيَمِيلَ بِسَيْفِهِ فِي النَّاسِ نُصْرَةً لِلْمَهْدِيِّ (البدایہ جلد ۱۳، ص ۴۳)(۱)

اس قسم کی روایات یہود کی سازش معلوم ہوتی ہیں جنہوں نے اسلام کو دو حصوں میں کرنے کے لئے اس قسم کی روایات گھڑیں کہ امام مہدی کا ظہور ایک مسلم کے طور پر ہوگا (استغفر اللہ) ملا محمد باقر مجلسی لکھتا ہے:

چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر او حد بزند و انتقام فاطمہ رضی اللہ عنہا از و بکشد (حق الیقین صفحہ ۳۴۷ طبع لکھنؤ)

ترجمہ: جب امام مہدی ظاہر ہوں گے عائشہ زندہ کی جائیں گی تاکہ اس پر حد جاری کریں، نیز ان سے فاطمہؓ کا انتقام لیں۔

پھر یہ بھی دیکھیں، یہی باقر مجلسی لکھتا ہے:

وقتی کہ قائم ظاہر میشود بیش از کفار ابتدا بسنیاں خواہد کرد با علماء ایشاں و ایشاں را خواہد کشت۔ (ایضاً ص ۳۱۷)

ترجمہ: جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو کافروں کے قتل سے پہلے سنی علماء سے قتل کی ابتداء کریں گے۔

اہل سنت کے ہاں خونی مہدی کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام میں مہدی کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ اہل سنت انہیں وہ امام برحق مانتے ہیں جو پوری دنیا کو عدل و انصاف مہیا کرے گا اور پوری زمین عدل و انصاف کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

ملا محمد باقر مجلسی جیسے لوگوں نے ایسی روایات گھڑ کر امت کے ساتھ کوئی انصاف نہیں کیا، بلکہ انہوں نے فرقہ بندی کی ایسی آگ جلائی ہے جس نے دونوں حلقوں میں کفر و اسلام کے فاصلے پیدا کر دیئے۔ انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے:

ارباب نقد و نظر جانتے ہیں کہ ایران کے اس ابتلائے عظیم کا سب سے بڑا سبب تعصب اور تنگ نظری کی وہ آگ تھی جو ملائے موصوف باقر مجلسی اور ان کے ہم خیال لوگوں کی لگائی ہوئی تھی۔ (براؤن جلد ۴، صفحہ ۱۹۲)

---

(۱) علامہ سید محمد بن رسول حسینی برزنجی (۱۱۰۳ھ) لکھتے ہیں: وهم ينتظرونه كل يوم ويقفون بالخيل على السرداب ويصيحون به أن اخرج يا مولانا اخرج يا مولانا ثم يرجعون بالخيبة والحرمان فهذا دابهم (الاشاعۃ لأشراط الساعۃ ص ۱۱۲)

قرآن وحدیث کی رو سے اہل بیت سے مراد

قرآن و حدیث کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی کل اولاد اہل بیت رسالت میں سے ہیں۔ آیت تطہیر قرآن پاک میں پارہ ۲۲ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۳ ہے۔ اس سے پہلے آپ اس سورت کی آیت نمبر ۲۸ پڑھیں، پھر نمبر ۳۰ پڑھیں، پھر نمبر ۳۲ پڑھیں۔ ان آیات میں آپ کو ازواج النبی اور پھر نساء النبی کے الفاظ مسلسل ملیں گے۔ ان کے بعد آیت ۳۳ آتی ہے: ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝'' سو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ قرآن پاک میں اہل بیت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں جو تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، اور امہات المؤمنین ہیں۔ اہل بیت کے لفظی معنی گھر والے افراد کے ہیں۔ ''گھر والی'' بیوی کو کہا جاتا ہے۔ پھر لازم ہے کہ بیویوں کے بعد اولاد بھی اہل خانہ میں شمار ہو اور وہ سب اہل بیت کا اعزاز پائیں۔

لفظ ''اہل'' عربی میں مذکر ہے، آیت تطہیر میں اہل بیت کی مناسبت سے مذکر کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ مردوں کی بھی جماعت ہو تو جماعت کی مناسبت سے (جو مؤنث ہے) ان کے لئے مؤنث کے صیغے لائے جاتے ہیں۔ جیسے صحابہ کی جماعت بیٹھی تھی، حالانکہ وہ سب مرد تھے۔ آیت تطہیر میں الفاظ اہل کی مناسبت سے عَنْكُمُ میں اور یُطَهِّرَكُمْ میں مذکر کی ضمیر آئی ہیں (۱)۔

---

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو ازواج مطہرات کہتے ہیں۔ مطہرات کا معنی ہے جنہیں طہارت مل چکی ہے اس آیت کو آیت تطہیر کہتے ہیں۔ قرآن میں آیت تطہیر ان لفظوں میں وارد ہے۔ حدیث کسا اس آیت کے گرد ہی گھومتی ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ترجمہ: ''اللہ چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے رجس (گندگی) اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کر دے اس سے تمہیں ستھرائی سے'' (الاحزاب ۳۳)

اس سے اگلی آیت یہ ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو شان تطہیر دی گئی ہے لفظ اہل کی مناسبت سے انہیں مذکر کے صیغوں سے (عنکم سے اور یطھر کم سے) اہل بیت کہا گیا ہے قرآن کریم میں مذکر کے صیغے کئی جگہ مؤنث کے بھی حامل ہوتے ہیں البتہ مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ ہے ہی نہیں۔ اس سے اگلی آیت بھی ملاحظہ کریں اس میں مؤنث کے صیغے لائے گئے ہیں:

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ترجمہ: ''اور یاد کرو جو پڑھا جاتا ہے تمہارے گھروں میں آیات الٰہیہ سے اور حکمت (ہمیشہ رہنے والی بات)'' (الاحزاب ۳۴)

اس میں مؤنث کے صیغے انہی کے لیے لائے گئے ہیں جن کے لیے پہلے مذکر کے صیغے آئے تھے اس سے یہ بات اور یقینی ہو جاتی ہے کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔

ہم پر سب اہل بیت کی تکریم اور ولایت لازم ہو۔ حضور ﷺ کے گھر والے (وہ بیویاں ہوں یا اولاد) سب اس اعزاز کے مستحق ہیں۔ مگر افسوس کہ شیعہ حضرات صرف بارہ حضرات کو اہل بیت میں سے سمجھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی کل اولاد کو مورد مودت نہیں سمجھتے۔

حدیث کی روشنی میں اہل بیت سے مراد

آیت تطہیر سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کی رو سے صرف ازواج مطہرات اہل بیت کا مصداق ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنی اولاد بیٹی، داماد اور ان کے دو بیٹوں حسن اور حسین ؓ کو ایک چادر میں لے کر ان پر بھی یہ آیت پڑھ دی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ چاروں حضرات بھی اہل بیت کی چادر کے نیچے جمع ہیں۔ ان چار میں سے شیعہ کے نزدیک تین مفترض الطاعۃ اور لائق تمسک ہیں، لیکن حضرت سیدہ فاطمہ ؓ کو مفترض الطاعۃ نہیں سمجھتے کہ ان کی ہر بات کی پیروی امت پر لازم ٹھہرے۔ حضرت فاطمہ ؓ ان کے ہاں بارہ اوصیاء میں سے نہیں ہیں۔

حدیث کساء جس کی رو سے حضرات حسنین ؓ اہل بیت میں آئے

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں حضور ﷺ ایک صبح نکلے اور آپ پر سیاہ اون کی ایک چادر تھی، آپ کے پاس حضرت حسن ؓ آئے، حضرت حسین ؓ آئے، حضرت فاطمہ ؓ آئیں اور حضرت علی ؓ آئے۔ آپ نے ان سب کو چادر کے نیچے لیا اور ان پر آیت تطہیر پڑھی: فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَه ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَه ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَه ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (مسلم ۴، ص ۲۸۳، حدیث: ۲۴۲۴)

ترجمہ: حسن ؓ آئے، آپ ﷺ نے ان کو اس چادر کے اندر کر لیا، پھر سیدنا حسین ؓ آئے ان کو بھی اندر کر لیا، پھر سیدہ فاطمہ زہرا ؓ آئیں ان کو بھی اندر کر لیا، پھر سیدنا علی ؓ آئے ان کو بھی اندر کر لیا بعد اس کے یہ تلاوت فرمائی: ترجمہ "اللہ تعالیٰ جل جلالہ چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے ناپاکی کو اور پاک کرے تم کو اے گھر والو!"

اس حدیث کی رو سے حضرات حسنین ؓ اہل بیت میں شمار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان چاروں حضرات کے دلوں کو پاکیزہ فرمایا اور ان کے دلوں سے ہر قسم کے شک و تذبذب کو کو دور فرمایا۔ یہ صادق الایمان ٹھہرے۔ ان کے دلوں میں دین میں کسی قسم کا شک اور

ناپاکی نہ رہی، ہر میل ان کے دلوں سے اٹھالی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اسی ایک بیٹی سے چلی اور ان کی شان طہارت کا اثر آپ کی کل اولاد کو شامل رہے گا۔ دوسری بیٹیوں کے بیٹے حضرت علی اور عبداللہ لڑکپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ان سے آپ کی نسل آگے نہ چلنی تھی۔

حضرت حسن اور حسین ؓ ایک نسبت میں حضرت علی ؓ سے بھی آگے

حضرت علی ؓ کی وہی اولاد سید کہلاتی ہے جو حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ سے ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی دوسری اولاد جو حضرت فاطمہ ؓ کے بعد دوسری بیویوں سے ہوئی ان کی اولاد علوی النسب تو ہے لیکن انہیں سید نہیں کہا جاتا۔ وہ اعوان (حضرت علی ؓ کے خدام اور مددگار) سمجھے گئے ہیں۔ نسبت رسالت کے باعث حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ حضرت علی مرتضیٰ ؓ سے بھی آگے سمجھے گئے ہیں۔

نوٹ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داماد سیدنا عثمان ؓ کو اس چادر تلے شامل نہیں کیا۔ چونکہ اس چادر تلے حضرت فاطمہ ؓ بھی تھیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں غیر محرم کو شامل کرنا پسند نہ فرمایا اور کسی بیٹی کو بھی اس میں ساتھ نہ رکھا۔ کیونکہ حضرت علی ؓ اس کے لئے غیر محرم تھے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ آپ کی اولاد فاطمہ ؓ کی اولاد سے آگے چلے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نسبت کو عزت دینا چاہتے تھے۔

حضرت علی ؓ کی ساری اولاد کو سادات میں لانے کی ایک کوشش

ایران کے ایک مجتہد العصر نے دائرہ سادات کو وسیع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے خیال میں حضرت علی ؓ کی وہ اولاد جو دوسری بیویوں سے ہوئی وہ بھی سب سید ہیں بلکہ آپ کے بھائیوں کی اولاد بھی سادات میں شامل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں اولاد فاطمہ ؓ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ ملا کاظم خراسانی کا یہ جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: آیا سادات میں یہ شرط ہے کہ پیغمبر کے دادا ہاشم کی اولاد سے ہوں؟

جواب: شرط ہے، اگرچہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے نہ ہوں۔ (ذخیرۃ العباد صفحہ ۲۱۰، ترجمہ اردو سبزواری)

اس سے معلوم ہوا کہ ایرانی شیعوں کے ہاں سید ہونے کے لئے اولاد فاطمہ ؓ میں سے ہونا شرط نہیں ہے۔ یہ ملا کاظم خراسانی نجف اشرف کے بڑے مجتہد گزرے ہیں۔ یہ بحث صرف

سادات کے متعلق ہے عترت رسول ﷺ یا اہل بیت رسالت یہ ایک مختلف اصطلاح ہے، اور یہ حضور ﷺ کی اولاد کو کہتے ہیں، حضور ﷺ کی اولاد سے محبت حضور ﷺ کی محبت کی ایک فرع ہے۔ ذریت رسول ﷺ جس جہت سے بھی ہو لائق محبت اور مورد عقیدت ہے۔ ہاں شیعہ کے ہاں سادات کا لفظ وسیع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس نام کے ساتھ سید کا لفظ آئے وہ اولاد رسول میں سے ہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ عباسی سید ہو یا جعفری یا علوی۔ یہ حضرات بنو ہاشم میں سے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ذریت رسول ﷺ سے بھی ہوں۔ اہل سنت کی بھی اہل بیت سے محبت حضور ﷺ کی اولاد کے ناطے سے ہے، ہاشم کی اولاد ہونے کے ناطے سے نہیں۔

حضور ﷺ کے رشتہ میں آنے والوں سے محبت کا تعلق چاہئے

اہل سنت والجماعت کی عقائد کی کتابوں میں حضور ﷺ کے دونوں دامادوں سے محبت رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مجدد مائۃ دہم ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۹۹، مصر)

ترجمہ: شیخین (ابوبکر و عمرؓ) کو (تمام صحابہ پر) فضیلت دینا اور دونوں دامادوں (عثمان و علیؓ) سے محبت رکھنا اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے ہے۔

یہ محبت واقعی حضور ﷺ کی محبت کی ایک شاخ ہے۔ خلفائے راشدین میں سے پہلے دو کی عظمت و افضلیت اور پچھلے دو کی محبت و عقیدت ہر مرد مومن میں ہونی چاہئے اور سادات میں سے ہونا اگرچہ یہ دور کی نسبت ہے تاہم بنو ہاشم سے ہونا بھی کوئی کم اعزاز نہیں ہے۔

اہل سنت کے ہاں عترت رسول ﷺ کی حرمت

(افاضات: مفکر اسلام حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحبؒ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.. أَمَّا بَعْدُ!

حضرت خاتم النبیین ﷺ کی کوئی نرینہ اولاد بڑی عمر کی نہ ہو پائی۔ قرآن کریم میں پہلے سے یہ خبر تھی کہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہ ہونگے اور امر واقع وہ ہوا جو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا۔ بیٹیوں میں سے آپ کی تین بیٹیاں تو آپ کے عین حیات وفات پا گئیں صرف ایک بیٹی زندہ رہی اور وہ بھی آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد اپنے عالی قدر والد ﷺ سے

جاملی۔ ان کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت فاطمۃ الزہرا ہے۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہی آنحضرت ﷺ کی ذریت ہے جن سے دنیا میں آپ ﷺ کی نسل چلی۔ (۱) حضرت حسن، (۲) حضرت حسین، (۳) حضرت زینب، (۴) اور حضرت اُم کلثومؓ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں آپ ﷺ کی اولاد میں سے نہیں ہیں مگر چونکہ آپ حضرت حسن اور حسینؓ کے والد گرامی ہیں اس لئے انہیں بھی اہل بیت نبوت میں شمار کیا جاتا ہے۔

آیت تطہیر اصولاً ازواج مطہرات کے حق میں ہے

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اپنی اولاد (حضرت حسن، حضرت حسینؓ اور انکی والدہ حضرت فاطمہؓ) کے ساتھ ایک چادر کے نیچے بٹھایا اور ان پر اہل بیت کی آیت (پارہ ۲۲، سورہ احزاب ۳۳) پڑھی اس میں اشارہ تھا کہ یہ چاروں حضرات بھی اہل بیت کی عزت و احترام میں شامل ہوئے۔ اصولاً یہ آیت امہات المومنین (حضور ﷺ کی ازواج مطہرات) کے حق میں اتری تھی لیکن اس اعزاز اور اکرام میں حضور ﷺ نے اپنی عترت کو بھی شامل فرمادیا(۱)۔

عترت رسول عقیدت ومحبت کا مشترکہ سرمایہ

اہل سنت اور شیعہ کے ہاں یہ عترت رسول ﷺ عقیدت اور محبت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ شیعہ جب اکابر صحابہ کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں تو اہل سنت عترت

---

(۱) حضرات ام المؤمنین کا اہل بیت نبوی میں سے ہونا صرف کسی ایک روایت پر موقوف نہیں خود قرآن پاک اپنی اعجازی ترتیب سے ان کے اہل بیت ہونے پر نص فرما رہا ہے۔ سورۂ احزاب کے شروع میں آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کا ذکر ہے اور اسکے ساتھ ہی رب العزت نے آیت تطہیر اتاری ہے ارشاد ہے "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۳۳" یہ آیت اپنے سیاق وسباق سے اس امر پر نص کررہی ہے کہ یہاں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہی ہیں تذکیر کے صیغے لفظ اہل کی رعایت سے ہیں یہ لفظ عربی میں مذکر آتا ہے اور اس پر قرآن پاک کی اور بھی بہت سی آیات شاہد ہیں علاوہ ازیں بعض ایسے مقامات بھی ہوتے ہیں جہاں صیغہ تذکیر کسی اشتباہ کا موجب نہیں کما قال الحماسی:

فَلَا تَحْسَبِیْ کا مخاطب یقینی طور پر مؤنث ہے اور بعد کم میں بھی وہی مخاطب ہے اور ضمیر مذکر ہے واللہ اعلم بالصواب! (عبقات ج ۱ ص ۱۸۴)

رسول ﷺ کو ہی اپنے حق میں کھڑا کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت علیؓ نے کیسے خلفائے ثلثہ کو مانا ان کی امامت میں نمازیں پڑھیں ان کے مشیر بنے اور جب بھی موقع ملا ان سے تو بھرپور محبت ظاہر فرمائی۔ حضرت حسن اور حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے وظیفے قبول کئے۔ اہل سنت کے اس طریق تبلیغ سے ہزاروں لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ یہ عترت رسول ﷺ ہی ہے جس نے اہل سنت کی صداقت کے جھنڈے اٹھائے ہیں۔ عترت رسول ﷺ وہ مشترک سرمایہ ہے جس کے سہارے اہل سنت ہر اختلاف میں جیتے ہیں سو اگر اہل سنت کی صفوں میں کچھ ایسے لوگ ابھر آئیں جو ان حضرات کے بارے میں دل میں کوئی بوجھ رکھتے ہوں یا ان کی کسی بے ادبی کے مرتکب ہوں تو سمجھ لیجئے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔

اہل سنت مسلمان جس طرح صحابہ کے بارے میں کسی بے ادبی کو برداشت نہیں کرتے، اہل بیت رسالت کے بارے میں بھی ان کا وہ عقیدہ ہے کہ امہات المومنین ہوں یا آنحضرت ﷺ کی ذریت طاہرہ، کسی کی بے ادبی اور گستاخی سے کوئی شخص سنی نہیں رہ سکتا۔

نبوت کے بعد صحابیت کا درجہ ہے

اہل سنت کی کتب حدیث میں صحیح بخاری جلد اول میں کتاب الانبیاء کے بعد کتاب المناقب ہے جس کی ابتدا مناقب قریش سے ہوتی ہے۔ اس ترتیب میں اشارہ ہے کہ نبوت کے بعد صحابیت کا ہی درجہ ہے۔

اب صحیح بخاری کی فہرست کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں: (۱) مناقب علی بن ابی طالبؓ ۲) مناقب جعفر بن ابی طالبؓ (۳) ذکر عباس بن عبدالمطلبؓ (۴) مناقب قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور پھر اسی میں آپ کو مناقب الحسن والحسین، مناقب بن عباس، مناقب فاطمہؓ اور فضل عائشہؓ کے ابواب ملیں گے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اہل سنت کے ہاں حضور ﷺ کے ان اقرباء واعزہ کا کیا مقام تھا اور ان کی کتنی عزت ہے۔

پھر صحیح مسلم جلد دوم میں کتاب الفضائل کو دیکھیں۔ اس میں باب فضائل علی بن ابی طالبؓ، باب من فضائل الحسن والحسینؓ، باب من فضائل خدیجہؓ۔ باب من فضائل فاطمہؓ، باب

من فضائل ام سلمہ، باب من فضائل عبداللہ بن جعفر، باب من فضائل جعفر واسماء وبنت عمیس واہل سفین بھی ساتھ ملے گا۔ کیا یہ پیرایہ عقیدت کسی نفاق میں اُلجھے ذہن کا یا کسی ایسے طبقے کا ہوسکتا ہے جو اخلاص سے اہل بیت نبوت اور عترت رسول ﷺ کا دل وجان سے معتقد نہ ہو۔ جہاں تک اندرونی سندوں کا تعلق ہے آپ کو یہ پرایہ بیان بھی اہل سنت کی کتابوں میں عام ملے گا۔

☆..... حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۲۔ رقم الحدیث ۱۱۲۷)

☆..... عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ..... وَآلُ أَبِي بَكْرٍ، وَآلُ عُمَرَ، وَآلُ عَلِيٍّ، وَابْنُ سِيرِينَ

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۱۳۔ باب المزارعۃ بالطعام ونحوہ)

☆..... عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۱۹۔ رقم الحدیث ۲۳۷۵)

☆..... عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ، حَدَّثَهُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ، فَقَالَ: أَلَا تُصَلُّونَ؟ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۴)

☆..... عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَالْحَسَنِ، ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِمَا، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ (صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۰۶ وص ۸۳۰)

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ (جامع ترمذی ج ۱، ص ۱۶۰)

☆..... عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ

☆..... حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِالْيَمِينِ مَعَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ قَالَ: وَقَضَى بِهَا عَلِيٌّ فِيكُمْ. وَهَذَا أَصَحُّ وَهَكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ (جامع ترمذی جلد ۱۔ ص ۱۶۰)

☆..... اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ

(مؤطا امام محمد۔ ص ۳۶۳)

☆..... أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَكَلَ كَتِفًا (سنن نسائی جلد ۱۔ ص ۴۰)

☆..... أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ (سنن ابی داؤد۔ ج ۲، ص ۱۹۷)

☆..... قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ يُحَدِّثُ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ

(سنن ابی داؤد جلد ۲۔ ص ۱۵۶)

کتب حدیث کے بعد اب کتب عقائد کو دیکھئے

اہل سنت کی کتب عقائد میں جہاں افضلیت شیخین کا ذکر ملے گا۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی محبت کا سبق بھی ساتھ ہی ملے گا۔

☆..... مِنْ عَلَامَاتِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ (شرح عقائد نسفی ص ۱۷۹، شرح فقہ اکبر ص ۹۹)

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی پہچان یہ ہے کہ تمام امت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کسی کو نہ مانیں اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم (قرابتداران رسول ﷺ) سے عقیدت اور محبت رکھیں (۱)۔

اہل سنت کا چودہ سو سال کا علمی سرمایہ صحابہ اہل بیت اور عترت رسول ﷺ کو ساتھ لے کر چل رہا ہے، سو وہ لوگ کیسے اہل سنت سمجھے جا سکتے ہیں جو عترت رسول ﷺ کے بارے میں کسی بے ادبی کے مرتکب ہوں۔ شیعوں کی تبرا بازی کا یہ کوئی حل نہیں کہ ہم

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جن میں دو باتیں پائی جائیں (۱) تفضیل الشیخین (۲) توقیر ختنین (بریقۃ محمودیہ فی شرح طریقۃ محمدیہ ج ۱ ص ۲۷۹) یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب سے افضل جاننا اور حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کا ادب واحترام کرنا ان کے بارے میں کوئی ایسا لفظ نہ بولنا جس سے ان کی توہین وتنقیص ہوتی ہو۔ (اقبال)

اپنے عقیدے کو چھوڑ کر خوارج کو پھر سے زندہ کر دیں اور عترت رسول کے بارے میں اپنی زبان اور اپنے قلم گندگی سے آلودہ کریں۔

محکوم علیہ فریقین کا ایک ہی شخصیتیں ہیں

جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ایک ہی شخصیت ہیں جن پر مسلمانوں اور عیسائیوں کا نزاع ہے دو نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جس عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو مسلمان اللہ کا پیغمبر مانتے ہیں وہ تو لائق احترام ہے اور جسے عیسائی خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ لائق احترام نہیں۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت کا علی اور ہے اور شیعوں کا علی اور۔ ایسا ہرگز نہیں۔ محکوم علیہ فریقین کا ایک ہی ذات ہے جس کے بارے میں دو قوموں نے متضاد نظریات قائم کر رکھے ہیں۔ سو یہ کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا کہ شیعوں کی مخالفت اور تیرا بازی سے تنگ آ کر ان نفوس قدسیہ کے خلاف زبان کھولے جن کے ذکر کی چاشنی خود لسان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو لذت دیتی تھی۔

کتاب وسنت، اہل بیت وذریت رسالت شیعہ کے خلاف اہل سنت کے ہاتھوں کے قوی ہتھیار ہیں اپنے ہی ہتھیاروں کو کند کرنا کسی دانا کا کام نہیں، لوگ اس بات سے متاثر ہو کر کہ صحابہ اور عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں محبت واخوت قائم تھی تو شیعیت سے توبہ کر لیتے ہیں لیکن ان دو طبقوں کو اگر ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا جائے تو پھر اس خلیج کو پاٹنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا تصور مسلمانوں کے عقیدہ بشریت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سراسر خلاف ہے۔ مگر کیا اسلام نے عیسائیوں کو اہل کتاب ہونے کی رعایت نہیں دی؟ سو شیعہ بھی اگر مختلف قومی مہمات میں اہل سنت کے ساتھ رہے ہیں۔ تو بعض مشترک ناطے سے انہیں اپنے قریب کیجئے تا کہ یہودیوں کے صحابہ کے خلاف پھیلائے ہوئے جراثیم ان کے دلوں سے نکالنے کا ہمیں کھلا موقعہ مل سکے۔ دانائی کا تقاضا ہے کہ اہل سنت صحابہ اور اہل بیت کے بارے میں اپنا تاریخی مطالعہ اور بڑھائیں۔ تاریخ کو کتاب وسنت کے تابع رکھ کر اپنی تاریخ کے فاسد مواد کو صالح مواد سے جدا کرنے کی صلاحیت پیدا کریں پھر دیکھیں کتاب وسنت کی رہنمائی میں کس عقیدے کی حفاظت ہوئی ہے۔

دور آخر میں حضرت مہدی کی خلافت کا خیر مقدم

جس طرح قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول مسلمانوں اور

یہود و نصاریٰ کے تمام اختلافات مٹا دے گا اور آپ کی وفات سے پہلے جملہ اہل کتاب مسلمان ہو جائیں گے کوئی ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰؑ پر صحیح طور پر ایمان نہ لے آئے۔ حضرت مہدی کی خلافت پر اہل سنت اور شیعہ اور خوارج کے جملہ اختلافات مٹ جائیں گے اور سب دنیا حضرت مہدی کے زیر قیادت عقیدہ اہل سنت کے نور سے جگمگا اُٹھے گی۔ سو حضرت مہدی کی خلافت دونوں قوموں کے لئے عقیدت کی ایک مشترکہ آماجگاہ ہے، اسے ضائع نہ کیجئے اور اسلام میں یہ بات پہلے سے نقل ہوتی آرہی ہے کہ دنیا فنا ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر گلستانِ اسلام بہار پر آئے گا اور یہ عدل و انصاف کا ایسا دور ہوگا کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ سو اگر مہدی موعود کے بارے میں شیعوں نے ہم سے کلیۃً مختلف ایک خونی مہدی کا تصور قائم کر رکھا ہے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس گرد و پیش اٹی دھند کو اُٹھائیں اور یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو ناکام کرنے کے لئے ان کے تاریخی لٹریچر میں جو زہر ملا دیا ہے اسے الگ کرنے کی کوشش کریں نہ کہ ہم حضرت مہدی سے کنارہ کش ہو کر انہیں شیعوں کے سپرد کر دیں اور خود اپنے اس تواتر سے بالکل الگ تھلگ ہو جائیں۔ ایک ملک میں رہتے ہوئے ایک نہیں ہمارے بیسیوں مشترک تقاضے ہو سکتے ہیں۔ دینی طور پر نہ سہی قومی سطح پر ہمیں مشترکہ قومی مقاصد میں باہم ملنے سے گریز نہ ہونا چاہئے۔ ایران اور ہندوستان کو ایک نظر سے دیکھنا کیا ان دونوں کو سیاسی طور پر ایک کرنے کی دعوت نہ ہوگی؟ فَتَفَكَّرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

تحفظ ناموس اہل بیت رسالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.. اَمَّا بَعْدُ!

دین اسلام کا مرکزی نقطہ ذات رسالت ہے، انہی سے دین کی جملہ تفاصیل کھلیں (وہ عقائد سے متعلق ہوں یا اعمال سے معاملات سے متعلق ہو یا اخلاق ہو)۔ مومن جب تک ان تمام نسبتوں کا احترام نہ کرے جو حضور ﷺ کے تعلق سے قائم ہوئیں وہ کامل مومن نہیں ہو سکتا۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

جس کپڑے کو حضور اکرم ﷺ کے بدن نے چھو لیا جس زمین کو حضور ﷺ

کے قدموں نے چھویا جن انسانوں کو حضور ﷺ نے اپنے دامن قبولیت میں جگہ دی وہ امہات المومنین ہوں یا صحابہ یا آپ کی ذریت طیبہ سب کے سب لائق احترام ہیں اور کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان میں سے کسی نسبت پر عیب کی انگلی رکھے۔

آنحضرت ﷺ کی جملہ نسبتوں کا احترام لازم ہے

ایک دفعہ بعض منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ایک تہمت لگائی جس پر سے پھر اللہ رب العزت نے پردہ اٹھایا اور حضرت ام المومنینؓ کی برأت بیان فرمائی۔ جن دنوں ابھی بات نہ کھلی تھی اور لوگوں میں مختلف باتیں ہو رہی تھیں ان دنوں سے متعلق اللہ رب العزت نے یہ بات کہی۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ (پارہ ۱۸، النور ۱۶)

ترجمہ: ''اور تم نے جب اسے سنا تھا تو کہہ دیا ہوتا ہم ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتے، توبہ یہ تو سخت بہتان ہے۔''

یعنی اگر تمہیں نفس واقعہ کا کچھ علم نہ تھا تاہم اتنا علم تو تھا کہ یہ حضور ﷺ کی زوجہ مکرمہ اور حرم محترم ہیں، تم اس نسبت سے ہی کہہ دیتے کہ یہ بات غلط ہے۔ پاک پیغمبر کے حرم میں ناپاک عورت کیسے رہ سکتی ہے، اس نسبت کے احترام میں تم نے ناموس رسالت کے گرد پہرہ دیا ہوتا۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جملہ نسبتوں کا احترام مومنوں کو لازم ہے۔ جب آپ ﷺ کی جملہ نسبتیں لائق احترام ہیں تو نسبت قرابت کا احترام کیوں ضروری نہ ہوگا۔ آپ ﷺ کے اہل قرابت میں جو اسلام کی دولت پا گئے سب لائق احترام ٹھہریں گے۔ ابولہب اس لئے اس کا مستحق نہ ہوا کہ وہ اس دائرہ میں نہیں جس کا مرکزی نقطہ ذات رسالت مآب ہیں۔

اہل بیت سے بغض رکھنے والا اہل سنت میں سے نہیں

قرابتداران رسالت میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس، حضرت حمزہؓ، چچازاد بھائی صاحبان حضرت جعفر طیار، حضرت علی، حضرت عقیلؓ، آپ کے نواسے حضرت حسن،

حضرت حسین اور جملہ بنات مکرمات اور امہات المومنین ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور کسی مسلمان سے یہ نہیں ہوسکتا کہ دل میں ان کی محبت نہ ہو اور ظاہر میں ان کا احترام نہ کرے۔ اگر کسی مسلمان کے دل میں ان میں سے کسی کے بارے میں کوئی بغض ہو تو اتنی بات ہے کہ وہ اہل سنت میں سے نہ ہوگا۔ حضرت نوح کا بیٹا اس لئے لائق احترام نہیں کہ اس کے لئے نص وارد ہے لیکن رسولوں کی اولاد اگر عمومی قدر و عزت میں نہ ہوتی تو حضرت ابراہیمؑ شان امامت پاتے ہوئے اپنی ذریت کو پیش نہ کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں اس بات پر نہیں ٹوکا صرف یہ کہا کہ ان میں سے جو ظالمین ہوں گے ان تک یہ امانت نہ پہنچے گی، وہ اس لائق شمار نہ ہوں گے۔

اہل سنت کی کتب حدیث صحیح بخاری ''باب مناقب قرابۃ رسول اللہ ﷺ'' جلد ۱، ص ۵۲۶، الحسن و الحسین جلد ۱، ص ۵۳۰۔ جامع ترمذی ''باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ جلد ۲۔ ص ۲۱۹ میں باقاعدہ منقبت اہل بیت کے باب باندھے گئے ہیں اور ان میں قرابتداران رسالت کے فضائل کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔

بطور نمونہ تین روایتیں سامنے رکھئے۔ صحیح مسلم دیکھئے حضرت زید بن ارقم نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

☆ ..... وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ ..... وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي (مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

☆ ..... مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي. وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳ عن ابی ھریرۃ)

☆ ..... وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ قَالَ وَهُوَ آخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: أَلَا إِنَّ مِثْلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (فضائل الصحابہ ج ۲ ص ۷۸۵ لاحمد۔ مشکوٰۃ ص ۵۷۳)

حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اس میں اس بات کی ہدایت کی ہے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ اہل بیت نبوت سے محبت و مودت رکھے اور ان کی اور احترام ہر حال میں ملحوظ رہے، جو دل ان حضرات کی محبت سے سرشار نہ ہو وہ دل دل نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے (اقبال)

اہل بیت رضی اللہ عنہم

کے

شخصی فضائل ومناقب

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اہل بیت رضی اللہ عنہم کے شخصی فضائل ومناقب''

معروف محقق ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ کی کتاب فہم حدیث سے سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیدین السندین سیدنا حضرت الحسن رضی اللہ عنہ وسیدنا حضرت ابوعبداللہ الحسین رضی اللہ عنہ کا احایدِ مبارکہ سے تذکرہ مبارک اس ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں نمبر تینتالیس (۴۳) پر شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

امہات المومنین

ارشاد خداوندی ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ خود ان کے اپنے نفس سے زیادہ تعلق رکھنے والے (اور خیر خواہ) ہیں (کیونکہ انسان خود اپنی اس قدر خیر خواہی نہیں سوچ سکتا جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری دنیا وآخرت کے ہر معاملے میں سوچی اور راہنمائی فرمائی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ (سورہ احزاب)

ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نوتھا اجرھا مرتین واعتدنالھا رزقا کریما۔ ینساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن

اے نبی کی ازواج مطہرات! تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور نیک عمل کرے انہیں ہم دوہرا اجر عطا فرمائیں گے اور ہم نے ان کی خاطر عزت والا رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو جبکہ تم تقوی اختیار کرو۔ (سورہ احزاب)

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ خَیْرُ نِسَائِھَا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَیْرُ نِسَائِھَا خَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِد (بخاری ومسلم)

حضرت علیؓ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا مریم بنت عمران اپنے زمانے کی سب سے بہترین (اور سب سے زیادہ فضیلت والی) خاتون تھیں اور خدیجہ بنت خویلد اپنے زمانے کی سب سے بہترین خاتون تھیں۔

عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ أَتَی جِبْرِیْلُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللہِ ھٰذِہٖ خَدِیْجَۃُ قَدْ أَتَتْ مَعَھَا اِنَاءٌ فِیْہِ اِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ فَاِذَا أَتَتْکَ فَاقْرَأْ عَلَیْھَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّھَا وَمِنِّیْ وَبَشِّرْھَا بِبَیْتٍ فِی الْجَنَّۃِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِیْہِ وَلَا نَصَبَ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (غارحرا میں) آئے اور کہا اے اللہ کے رسول یہ خدیجہ ہیں جو (آپ کی طرف) آرہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا ہے۔ جب یہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے (بھی) اور میری طرف سے (بھی) سلام کہئے گا اور ان کو ایسے بڑے کھوکھلے موتی کے بنے ہوئے محل کی خوشخبری دیجئے گا جس میں نہ شور ہوگا اور نہ تھکن و پریشانی ہوگی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرَى مَالَا أَرَى (بخاری ومسلم)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ تو انہوں نے جواب میں "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ" کہا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیزیں دیکھتے تھے جو میں نہیں دیکھتی تھی (یعنی اس وقت بھی آپ فرشتے کو دیکھ رہے تھے میں نہیں دیکھ رہی تھی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَقَالَتْ اِنَّ نِسَاءَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ وَالْحِزْبُ الْآخَرُ أُمُّ سَلِمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلِمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُّهْدِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَلْيُهْدِهِ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِيْنِيْ فِيْ عَائِشَةَ فَاِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَاْتِنِيْ وَأَنَا فِيْ ثَوْبِ امْرَأَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ أَتُوْبُ اِلَى اللهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَأَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ أَلَا تُحِبِّيْنَ مَا أُحِبُّ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَأَحِبِّيْ هٰذِهِ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں لوگ کوشش کرتے تھے کہ (رسول اللہ ﷺ کو) اپنے ہدیے عائشہؓ کی باری کے دن میں بھیجیں۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ (چونکہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت ہے تو اس موقع پر بھیجنے سے) رسول اللہ ﷺ کی زیادہ رضا مندی حاصل ہو۔ نیز کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے (انکے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے) دو گروہ تھے۔ ایک گروہ میں عائشہ، حفصہ، صفیہ، اور سودہؓ تھیں، اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور دیگر ازواج (یعنی زینب، ام حبیبہ میمونہ اور جویریہ رضی اللہ عنہن) تھیں ام سلمہؓ کے گروہ نے ان سے کہا (ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہماری باری میں بھی رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ آئے تاکہ ہم بھی آپ کو راضی اور خوش ہوتا دیکھیں اور اس ہدیہ سے ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرنے کا موقع ملے۔ اس سے ہمیں بھی خوشی ہوگی اس لیے) آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کیجئے کہ آپ لوگوں کو یہ ہدایت فرمادیں کہ جس نے جو ہدیہ بھیجنا ہو وہ آپ جہاں بھی ہوں وہیں بھیج دے (عائشہ کی باری کا انتظار نہ کرے کیونکہ اس طرح تو ہم آپ کی خدمت اور مسرت سے محروم رہ جاتی ہیں) ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے اس بارے میں بات کی تو آپ نے فرمایا عائشہ کے بارے میں مجھے تکلیف نہ دو کیونکہ (میں لوگوں سے یہ بات کہوں اس سے عائشہ کو تکلیف ہوگی اور عائشہ کی تکلیف سے مجھے تکلیف ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عائشہ کا مرتبہ بھی زائد ہے جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ) میں کسی بھی زوجہ کے ساتھ لحاف میں ہوں تو میرے پاس وحی نہیں آتی سوائے عائشہ کے۔ (اس پر) ام سلمہؓ نے کہا میں اللہ کی پناہ لیتی ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کی تکلیف کا باعث ہو (کیونکہ ہمیں تو آپ کی خوشی اور رضا مندی مطلوب ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے گروہ کی دیگر ازواج کا خیال ہوا کہ اگر حضرت فاطمہؓ سے کہلوایا جائے تو شاید آپ ان کی بات مان لیں اور ان کی خوشی کی خاطر تکلیف بھی محسوس نہ کریں۔ اس پر) انہوں نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو بلایا اور (اسی غرض سے) ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے بھی آپ ﷺ سے بات کی تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! جو میں پسند کرتا ہوں کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں۔

انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تم ان سے (یعنی عائشہ سے) محبت رکھو (اور کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کی ناگواری کا سبب ہو)۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ مَا اشْتَكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْماً (ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں ہم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی حدیث کا مطلب ومعنی مخفی رہ گیا ہو پھر ہم نے اس کے بارے میں عائشہؓ سے پوچھا ہو مگر یہ کہ ہم نے ان کے پاس اس کے بارے میں (تسلی بخش) علم پایا۔

اہل بیت کا مطلب ہے گھر والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں آپ کی ازواج تو شامل ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ان کو اہل بیت کے لقب سے خطاب کیا ہے۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت فاطمہ حضرت علی اور حضرت حسن اور حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں۔

دیگر اہل بیتؓ

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَناً وَحُسَيْناً فَقَالَ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ (مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں جب یہ (یعنی مباہلہ کی) آیت نَدْعُ اَبْنَائَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ الخ! نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو اور فاطمہ کو اور حسن وحسین کو بلایا اور فرمایا اے اللہ یہ لوگ (بھی) میرے اہل بیت ہیں۔

فائدہ: مباہلہ کا مطلب ہے دو فریق کا اس طور پر بددعا کرنا کہ ان میں سے جو باطل پر ہو اس پر خدا کی لعنت اور ہلاکت پڑے۔

۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باطل عقائد کے بارے میں مناظرہ کرنے لگا۔ اس وقت مباہلہ کی آیت نازل ہوئی ''فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ... الخ'' یعنی جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی

آپ سے اس بارے میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں پھر ہم عاجزی سے التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں''۔ اس پر نبی ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ کو ساتھ لیا اور عیسائی وفد کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن اس نے مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور جزیہ دینے کو منظور کیا۔

حضرت علی ؓ

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِعَلِيٍّ أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (بخاری ومسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (جب غزوہ تبوک کے لیے نکلے تو حضرت علی کو اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا اور ان کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ منافقین نے حضرت علی ؓ کو تنگ کرنا شروع کیا کہ رسول اللہ ﷺ تو تم کو بوجھ سمجھتے ہیں اور حقیر سمجھتے ہیں اس لیے تمہیں پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ یہ باتیں سن کر حضرت علی ؓ نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور تیزی سے چلتے ہوئے آپ ﷺ تک پہنچ گئے اور آپ کو منافقین کی بات بتائی۔ آپ نے فرمایا، منافق جھوٹ بولتے ہیں میں نے تمہیں اپنے گھر والوں کی وجہ سے پیچھے چھوڑا لہٰذا تم واپس جاؤ اور میرے اور اپنے گھر والوں کے لیے میری طرف سے نیابت کرو اور ان سے مزید) فرمایا (اے علی! اس اعتبار سے) تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) سے تھے (کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہ طور پر گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ ایسے ہی میں نے بھی اس وقت تمہیں اپنا نائب بنایا ہے) لیکن (حضرت ہارون علیہ السلام تو نبی بھی تھے تمہارا نبوت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ) میرے بعد کوئی بھی اور کسی بھی قسم کا (نیا) نبی نہیں ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ أَنْ

يُعْطَاهَا فَقَالَ أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالُوا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ... فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ (بخاری ومسلم)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح عطا فرمائیں گے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے۔ ان میں سے ہر ایک ہی تمنا کرتا تھا کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! وہ یہ ہیں ..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کو عطا فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ بس وہی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی سے محبت کرتے ہیں اس لیے دوسروں سے اس وصف کی نفی نہیں کر سکتے۔ دیگر صحابہ میں بھی یہ وصف تھا اور حضرت علی میں بھی تھا۔ البتہ ایک وصف میں حضرت علیؓ کی خصوصیت ہوئی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح ان کے ہاتھوں کرائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ انَّ عَلِيّاً مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ (ترمذی)

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نسب ورشتہ داری اور محبت وتعلق ان سب کے مجموعہ کے اعتبار سے) علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر ایمان والے کے محبوب ہیں (کیونکہ جب ہمارے درمیان اتنا زیادہ قرب ہے تو یہ بعید ہے کہ کوئی ایمان والا مجھ سے تو محبت رکھے اور علی سے نہ رکھے بلکہ محبوب کی تو ہر چیز سے محبت ہوتی ہے تو جس شخص سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے ہوں اس سے تو ہر ایمان والا ضرور محبت رکھے گا)

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ أَنِّي أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى

قَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ أَنِّيْ أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ فَلَقِيَهٗ عُمَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهٗ هَنِيْئاً لَكَ يَا ابْنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَصْبَحْتَ وَ أَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ (احمد)

حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع سے واپسی میں) جب خُم نامی تالاب کے پاس پڑاؤ کیا تو آپ ﷺ نے علی ؓ کا ہاتھ پکڑا اور لوگوں سے پوچھا کیا تم یہ بات نہیں جانتے ہو کہ میں مومنین کو ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں (یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ مجھے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھیں) صحابہ نے کہا کیوں نہیں (آپ مسلمانوں کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز ہیں) آپ نے (پھر) پوچھا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن کو اس کی جان سے زیادہ عزیز ہوں۔ صحابہ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں (ایسا ہی ہے) تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! میں جس کا محبوب ہوں علی بھی اس کے محبوب ہیں۔ اے اللہ! تو اس سے دوستی کر جو علی سے دوستی رکھے اور تو اس سے دشمنی کر جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس کے بعد جب عمر ؓ کی علی ؓ سے ملاقات ہوئی تو عمر ؓ نے ان سے کہا اے ابن ابی طالب آپ کو شادمانی ہو کہ آپ ہر مومن مرد وعورت کے محبوب بن گئے ہیں۔

فائدہ: صحابہ ؓ کے بارے میں آئندہ امت کے مختلف طبقوں میں جو افراط و تفریط ہونی تھی رسول اللہ ﷺ نے عمومی طور سے بھی اور خاص خاص افراد صحابہ کے اعتبار سے بھی ان کے ساتھ اپنے تعلق کو اور اہل ایمان پر ان کے حقوق کو بیان کیا۔ حضرت علی ؓ کے بارے میں بھی افراط وتفریط ہوئی۔ ایک طبقہ یعنی شیعوں نے ان کو ان کے درجہ سے زیادہ بڑھایا، اور ایک اور طبقہ نے ان کے ساتھ عداوت ودشمنی اختیار کی۔ ان کے ساتھ عداوت اختیار کرنے والے خارجی کہلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مخالف روش سے بچنے کے لیے صحابہ ؓ کی ایک بڑی جماعت کے سامنے یہ اہتمام فرمایا۔

اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو امامت وخلافت کا زیادہ حقدار بتایا ہے اور مولی کا مطلب مالک وحکمران ہے صحیح نہیں، کیونکہ اگر

بات یہی ہوتی تو حضرت علیؓ جو فاتح خیبر اور حیدر کرار ہیں وہ کبھی بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کرتے۔ علاوہ ازیں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میری وفات کے بعد وہ مولی ہونگے، بلکہ یہ فرمایا کہ میں جس کا مولی ہوں علی بھی اس کے مولی ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران بھی۔ اور ظاہر ہے کہ ایک وقت میں امام یعنی حکمران تو ایک ہی ہوتا ہے۔ لہذا مولی کا معنی امام و حکمران مراد لینا صحیح نہیں، ورنہ تو یہ مطلب بنے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہر مسلمان کے دو حکمران اور امام ہوئے، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرت علیؓ، اور یہ بات صحیح نہیں۔ بلکہ اس کا صحیح معنی محبوب کا ہی ہے۔ اوپر کے مضمون کو یوں بھی بیان کیا گیا۔

عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ وَلَا يُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ (احمد)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی منافق علی سے محبت نہ کرے گا (کیونکہ اسے مجھ سے محبت نہ ہوگی تو میرے متعلقین سے بھی نہ ہوگی) اور کوئی (صحیح) مومن علی سے بغض نہ رکھے گا (کیونکہ صحیح ایمان کی وجہ سے جب اسے مجھ سے محبت ہوگی تو میرے متعلقین سے بھی ضرور ہوگی)۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيْسٰى أَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا أُمَّهُ وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى أَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهُ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهُ شَنَآنِيْ عَلٰى أَنْ يَبْهَتَنِيْ (احمد)

حضرت علیؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہاری مثال (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) جیسی ہے۔ یہود نے ان سے بغض رکھا (اور اس میں اتنے آگے بڑھے) یہاں تک کہ ان کی والدہ پر بہتان باندھا (کہ وہ العیاذ باللہ زنا کی مرتکب ہوئی ہیں) اور نصاری نے ان سے محبت کی (اور اس میں سے اتنا تجاوز کیا) یہاں تک کہ ان کے لیے وہ مرتبہ بتانے لگے (یعنی خدائی کا) جو ان کے لیے تھا ہی نہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا میرے بارے میں بھی دو قسم کے آدمی ہلاک ہونگے

(یعنی گمراہ ہونگے) ایک وہ محبت کرنے والا جو جائز حد سے تجاوز و افراط کرتا ہو اور میری تعریف میں وہ کچھ کہے جو فی الواقع مجھ میں ہے ہی نہیں اور دوسرے مجھ سے بغض رکھنے والا وہ شخص جس کو میری عداوت مجھ پر بہتان لگانے پر ابھار دے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (ترمذی)

حضرت علیؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں (تو علم و) حکمت کا گھر (یعنی خزانہ) ہوں اور علی اس کا (ایک اہم) دروازہ ہیں۔

فائدہ: حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ صرف علیؓ اس کا دروازہ ہیں اس لیے آپ ﷺ کے علم وحکمت تک پہنچنے کے اور بھی کئی دروازے ہیں مثلاً حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں فرمایا کہ أَعْلَمُكُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ (تم میں حلال وحرام کو سب جاننے والے ہیں) اور حضرت ابی بن کعبؓ کے بارے میں فرمایا اقرؤکم کہ وہ تم میں سب سے بڑے قرآن کے قاری ہیں۔

سیدہ فاطمہؓ

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّيْ فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِيْ (بخاری ومسلم)

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ تو میرا ٹکڑا ہیں، جس نے ان کو ناراض کیا (ایسی بات میں جس میں ان کی ناراضگی سے بچنے کی شرعی گنجائش موجود ہے) اس نے مجھے ناراض کیا (کیونکہ شروع ہی سے ایسی محبت کرنے والی اور خدمت کرنے والی اور دیگر بہت سی خوبیوں والی صاحبزادی کے رنجیدہ ہونے سے مجھے رنج پہنچے گا)۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ... يَا فَاطِمَةُ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے (جب حضرت فاطمہ کو سرگوشی میں اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رونے لگیں اس پر آپ نے) فرمایا اے فاطمہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو جاؤ۔

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ طَائِفَةٍ مِنَ النَّهَارِ حَتّٰی أَتٰی خِبَاءَ فَاطِمَةَ فَقَالَ أَثَمَّ لُكَعُ أَثَمَّ لُكَعُ یَعْنِیْ حَسَنًا فَلَمْ یَلْبَثْ أَنْ جَاءَ یَسْعٰی حَتّٰی اِعْتَنَقَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أُحِبُّهٗ فَأَحِبَّهٗ وَأَحِبَّ مَنْ یُحِبُّهٗ (بخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں دن کے ایک حصہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا یہاں تک کہ آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو فرمایا بھئی کیا گھر میں منا ہے؟ بھئی کیا گھر میں منا ہے۔ آپ کی مراد منے سے حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ فوراً ہی حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ بلاشبہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں آپ بھی اس سے محبت رکھئے اور (ہر) اس شخص سے (بھی) محبت رکھئے جو اس سے محبت رکھے۔

عَنْ أَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ عَلَی الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ اِلٰی جَنْبِهٖ وَهُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّةً وَ عَلَیْهِ أُخْرٰی و یَقُوْلُ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر (بیٹھے ہوئے) دیکھا۔ آپ کے پہلو میں حسن بن علی تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف نظر فرماتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف نظر فرماتے اور آپ یہ فرما رہے تھے میرا یہ بیٹا (ہر اعتبار سے) بڑا سردار ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائیں گے (اور یہ صلح اس طرح ہوئی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اختلاف اور خونریزی ختم کرنے کے لیے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی)۔

عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ (ترمذی) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسن اور حسین اہل جنت کے جوانوں (یعنی وہ مومن لوگ جو جوانی میں اس دنیا سے چلے گئے ان کے) سردار ہیں۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَلْحَسَنُ أَشْبَهُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَابَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّاْسِ

وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهَ النَّبِيَّ ﷺ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ (ترمذی) حضرت علیؓ کہتے ہیں حسن سر سے سینے تک کے حصہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اور حسین اس سے نچلے حصہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فِيْنَا خَطِيْباً ... ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ أَنْ يَّأْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَأُجِيْبُ وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ وَأَهْلُ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ (مسلم)

حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے ..... آپ نے فرمایا حمد وثناء کے بعد اے لوگو! (رسول ہونے کے علاوہ) میں بھی ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد (یعنی ملک الموت) آئے اور میں پیغام کو قبول کرلوں اور میں تم میں دو وزنی (یعنی اہم) چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور (دل کا) نور ہے ..... اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے (حقوق کے) بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے (حقوق کے) بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ نُعْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَ سَأَلَهُ رَجُلٌ عَنِ الْمُحْرِمِ يَقْتُلُ الذُّبَابَ قَالَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُوْنِيْ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هُمَا رَيْحَانَايَ مِنَ الدُّنْيَا (بخاری) ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی نعم کہتے ہیں میں نے سنا ایک شخص (جو عراق کا رہنے والا تھا اس) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے محرم کے لیے مکھی کو مارنے کے بارے میں پوچھا (کہ وہ جائز ہے یا نہیں اس شخص کے عراقی ہونے کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حضرت حسینؓ کی شہادت یاد آگئی اور بڑے رنج اور تعجب سے) انہوں نے فرمایا عراق والے مجھ سے مکھی کو مارنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے تو رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر دیا جب کہ رسول اللہ ﷺ یہ فرما چکے ہیں کہ (حسن اور حسین) دونوں دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِيْ حَجَّتِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ وَهُوَ عَلٰى نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ يَخْطُبُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلَ بَيْتِيْ (ترمذی)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو میں نے سنا آپ فرمارہے تھے۔ اے لوگو میں نے تم میں وہ چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان کو (اپنے علم وعمل دونوں میں مضبوطی سے) تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے (ان میں ایک) اللہ کی کتاب (ہے اور دوسری) میرے اہل بیت ہیں (کہ کتاب الٰہی پر پورا پورا عمل کرو اور میرے اہل بیت کے ساتھ محبت رکھو اور ان کے طریقے کی پیروی کرو کیونکہ یہ جو میری ازواج اور اولاد پر مشتمل ہیں میرے قریبی ہونے کی وجہ سے دین کی بہت سی باتوں سے زیادہ واقف ہیں)

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّهٗ قَالَ وَهُوَ آخِذٌ بِبَابِ الْكَعْبَةِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ أَلَا إِنَّ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (احمد) ترجمہ: حضرت ابوذرؓ نے کعبہ کا دروازہ پکڑے ہوئے کہا میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا آگاہ ہوجاؤ۔ تم میں میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت نوح (علیہ السلام) کی کشتی (کہ جیسے اور صحابہ کی تقلید اور اتباع کا حکم ہے اسی طرح میرے اہل بیت بھی قابل تقلید اور قابل اتباع ہیں) جو اس کشتی پر سوار ہوا (اور اس نے میرے اہل بیت کے ساتھ محبت واتباع کا معاملہ کیا) وہ (ہلاکت وبربادی سے) نجات پاگیا اور جو اس پر سوار نہ ہوا (اور میرے اہل بیت کو اس نے قابل اتباع نہ سمجھا اور ان کی تحقیر وتوہین کی) وہ ہلاک (وبرباد) ہوا۔

فائدہ: دین کے مسائل کا ایک بہت بڑا حصہ اہل بیت ہی کے ذریعہ حاصل ہوا۔ ازواج مطہرات سے رسول اللہ ﷺ کے بہت سے وہ معمولات حاصل ہوئے جو گھر کے اندر کے تھے اور حضرت علیؓ سے باغیوں سے متعلق احکام کا بڑا ذخیرہ ملا۔ حضرات حسنینؓ کی سیرت سے بھی بہت سے دینی مسائل ماخوذ ہیں۔ اگر اہل بیت کا ان مسائل میں اتباع نہ کریں تو ظاہر ہے کہ ان کے خلاف چل کر گمراہی اور بربادی میں مبتلاء ہوں گے۔

ہر شعبہ زندگی سے وابستہ مصروف مسلمانوں کی ایمانی ضرورت

جدید انداز میں تعلیمی مشقوں کے ساتھ

30 اسباق

ختمِ نبوت کورس

- عقیدہ ختم نبوت اور قرآن حدیث اور اجماع
- عقیدہ ختم نبوت پر قادیانی عقیدے کا پارہ
- ظہور امام مہدیؑ اور حیات و وفات عیسیٰؑ
- مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف اور دعوے
- قادیانیت قانون اور آئین کی نظر میں
- علامہ اقبال کا نقطہ نظر قادیانیت کے متعلق
- عہد صدیقیؓ کی قربانیاں اور تحفظ ختم نبوت
- تحریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کی روداد
- قادیانی اقلیت نہیں دوسرے غیر مسلم اقلیت ہیں
- قادیانی کافر اور دوسرے کافروں میں کیا فرق ہے
- قادیانیوں کی پہچان، طریقہ واردات اور سرگرمیاں
- قادیانیوں سے مکمل بائیکاٹ کیوں ضروری ہے
- گستاخ رسول کی سزا اور اعتراضات کے جوابات
- قادیانیوں کو دعوت اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

زیر نگرانی مولانا اللہ وسایا

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

مرتب مفتی محمد شفیق عزیز

سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر